

اعیان الخُجّاج

تاریخ اسلام کے بلند پایہ حُجّاج

حصہ دوم

از

فخرِ تَجَلّیل مولانا خبیب الرحمن لا عظمیٰ

مکتبہ اعظمی - متو - اعظم گڑھ

تعداد اشاعت :- ایک ^{۱۰۰۰} ہزار

س ۱۳۹۶ھ

مطبع ایس۔ ار۔ کریم پریس الہ آباد



مجموعہ دینی و علمی و فنی و تاریخی و ادبیات اسلامیہ

آج سے کئی سال پہلے "اعیان الحجج" کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور خطوط بھیجے کہ ہم کو اس کتاب سے بہت نفع ہوا۔ اب اس کی دوسری جلد شائع کی جا رہی ہے، اس میں بھی خواص امت کے ۳۶۸ افراد کے سوانح اور ان کے حج کے حالات درج ہیں۔ اللہ کے کرم سے امید ہے کہ اس کے پڑھنے والے عموماً اور حج کرنے والے خاص طور پر فائدہ اٹھائیں گے۔

إِنَّ أَدَيْدَ إِلَّا الصَّلَاحَ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

حبیب الرحمن الاعظمی

مترجم۔ اعظم گڑھ

۸ مارچ ۱۹۶۶ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اعیان الحجج

حصہ دوم

شیخ الاسلام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

امام حسن بصری کی شخصیت تعارف سے بالاتر اور ان کے محاسن اندازہ بیان سے باہر ہیں اور فقہ وحدیث کے امام زہد و عبادت میں یکمائے روزگار اسلام کے مجاہد سپاہی اور فصاحت و بلاغت میں بے مثل تھے، شکل و صورت میں بھی نہایت حسین و جمیل تھے، اور ان تمام اوصاف میں ان کو امتیازی درجہ حاصل تھا، بہادری میں ان کا نام فطری بن الفجاءۃ کے ساتھ لیا جاتا تھا، علم و عمل میں یہ پایہ تھا کہ حضرت انس ان کو مولانا الحسن کہتے تھے، امام ذہبی نے بجا طور پر ان کے حق میں لکھا ہے کہ عبید اللہ بن عبد المطلب و ان کی شان بہت بڑی اور ان کی مثال معدوم تھی، حضرت انس فرماتے تھے کہ بصرہ میں دو شیخ ہیں جن کی وجہ سے میں بصرہ والوں پر رشک کرتا ہوں، ایک حسن دومرے ابن سیرین امام حسن کی ماں خیرہ حضرت ام سلمہ کی لونڈی اور ان کی خدمتگار تھیں، جب حسن شیر خوار تھے، اس وقت کبھی ان کی ماں کسی کام سے باہر چلی جاتی، اور یہ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہ ان کو چھاتی سے لگا کر ہلاتی تھیں خدا کے فضل سے دودھ بھی آجاتا تھا، اور حسن پینے لگتے تھے، حضرت حسن کے زمانہ کے لوگوں کا خیال تھا کہ ان کا علم و حکمت اسی دودھ کی برکت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے نسبت تھی، اس کے علاوہ ان کی مان اُن کو صحابہ کے پاس لیا کر دیا بھی کر یا کرتی تھیں، اُن میں حضرت عمر بھی تھے وہ اُن کے لئے ان الفاظ میں دعا فرماتے تھے:

اللہم تقہہ فی الدین وحبہ
اے اللہ اس کو دین میں نقیہ اور لوگوں

کی نظر میں اس کو محبوب بنا،
الی الناس،

اس دودھ کی برکت اور ان دعاؤں کے اثر سے حسن بصری کو علم و عمل میں پیشوائی نصیب ہوئی، اور فقہاء محدثین مفسرین اور زہاد و صوفیہ ہر طبقہ کے لوگوں نے اُن کی امامت تسلیم کی، وہابی نے بہت صحیح فرمایا کہ اس کی انواع الخیر یعنی خیر کی مختلف نوعوں میں ان کو تقدیم حاصل تھا،

خانوادہ نبوت کے امام حبیب محمد باقر حسن بصری کا ذکر کرتے تو فرماتے کہ اس کا کلام انبیاء کلام سے متا جلتا ہے، یونس بن عبید کہتے تھے کہ حسن کی شخصیت ایسی موثر ہے کہ اُن کے عمل کا مشاہدہ نہ کرے، اور اُن کا کلام بھی نہ سُنے تو صرف اُن کی صورت ہی دیکھنے سے نفع ہوتا ہے،

جب امام حسن بصری کہ غلط آئے تو اُن کے لئے ایک تخت بچھا گیا، وہ تخت پر بیٹھے اور اُن کے چاروں طرف علماء بیٹھے اور لوگوں کا بڑا زبردست اجتماع ہوا، اس کے بعد انھوں نے حدیث سنائی و عطا نہ کی یہ بھی وہ بہت ممتاز تھے، اُن کا وعظ بڑا موثر ہوتا تھا،

ان کا ارشاد ہے کہ پہلے ایک آدمی میں برس تک مسلسل عبادت کرتا تھا اور اس کے پڑوسی کو خبر نہیں ہوتی تھی، اور اب ایک رات یا آدھی رات کوئی عبادت کرتا ہے تو صبح کو اپنے پڑوسی پر اپنی نیت جتانے لگتا ہے، پہلے لوگ دین کی باتوں کا مذاکرہ کرتے تھے اور رقت طاری ہوتی تھی تو آنسو کو روکنے کی کوشش کرتے تھے، اب اگر بے اختیار ہو جاتے تھے، تو مجلس سے اُٹھ جاتے تھے، یعنی احتیاج حال کا یہ اہتمام تھا،

فرماتے تھے کہ بہت سے لوگ مغفرت و رحمت کی غلط طور پر توقع قائم کر کے دنیا سے بے عمل چلے گئے، ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم رحمت کے امیدوار ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کو حسن ظن ہے، اُن کا یہ کہنا غلط و حسن ظن ہوتا تو حسن عمل بھی ہوتا، اور اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوتے تو اعمالِ صالحہ

کی بدولت اس کے طلبگار بنے، ایک قیودق صحرا میں بے توشہ اور پانی لے کوئی سفر کرے گا تو ہلاکت کے
سو کیا انجام ہوگا،

امام بن دینار نے حسن بصری سے پوچھا کہ ایک عالم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جائے تو اس کو کیا
سزا ملتی ہے؟ فرمایا اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے، پھر جب دنیا کی چاہ پیدا ہو جاتی ہے تو اس کو آخرت کے
کاموں کے عوض میں حاصل کرتا ہے، اس وقت علم کی برکتیں اس سے رخصت ہو جاتی ہیں، اور وہ
عالم بن کے رہ جاتا ہے،

ایک دن ان سے کسی نے کہا کہ آپ روتے بہت زیادہ ہیں، فرمایا کہ بیٹے! مومن روئے نہیں تو
کیا کرے، رونے سے رحمت متوجہ ہوتی ہے، اس لئے تم سے جو سکے تو عمر بھر روتے رہو، ہو سکتا ہے کہ
حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو جائے، یہ اگر ہو جائے تو تم کو دوزخ سے رستگاری حاصل ہوگئی،
فرماتے تھے کہ یہ تمہارے یقین کی کمزوری ہے کہ جو خدا کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ تمہارا
تم کو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ میں ہے،

فرماتے تھے یقین کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا جس کا یقین کمزور ہوگا اس کا عمل بھی کمزور ہوگا،
امام حسن بصری کے حالات میں ملاحظہ ہوئے ہیں کہ ایک متعلک کتاب لکھی ہے جس کا نام الزخون
القصریٰ ہے جس کی پیدائش عہد فاروقی میں ہوئی اور وفات ۳۸۸ھ میں،

حضرت ابان بن عثمان

خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورین کے صاحبزادہ، اور تابعین کے اونچے طبقہ میں تھے
مدینہ منورہ کے ممتاز فقیہ و عالم تھے، عمرو بن شعیب کا کنا ہے کہ میں نے اُن سے بڑھ کر حدیث و فقہ
کا عالم نہیں دیکھا۔ عمر بن عبدالعزیز وغیرہ ان کے شاگرد تھے،
بنی امیہ کے عہد میں کئی سال تک آپ امیر مومنین رہے، اور لوگوں نے آپ کی سرکردگی میں بعض
اداکار کیا، مثلاً ۶۷ھ، ۶۸ھ، ۶۹ھ اور ۷۰ھ،

سنہ میں یا اس سے قبل آپ کی وفات ہوئی،

امام ابن شہاب زہری

جواز و شام کے ائمہ اعلام میں آپ کا شمار ہے، امام مالک، امام اوزاعی، عمر بن عبد العزیز اور عطاء بن رباح وغیرہم نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، ان کا حافظہ بے نظیر تھا جو چیز یاد کر لی، پھر اس کو کبھی نہیں بھولے، ایک دفعہ سننے سے حدیث ان کو یاد ہو جاتی تھی، کبھی دہرانے کی فرمائش نہیں کرتے تھے، ان کے ذریعہ سے احادیث کی ضمنی اشاعت ہوئی کم کسی نے ہوئی ہوگی، علم حدیث سے تعلق رکھنے والوں میں زہری کے نام کی ایسی شہرت اور ان کی عظمت کا سکہ قلوب پر ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ انہار کی حاجت نہیں معلوم ہوتی، مختصر آچند بابیں لکھی جاتی ہیں،

زہری کا بیان ہے کہ میں اپنے استاد و مربی عبید اللہ بن عبیدہ کی اس قدر خدمت گزاری کرتا تھا کہ ان کے گھر کی نوٹری مجھ کو ان کا غلام سمجھتی تھی، وہ دریافت کراتے کہ دروازہ پر کون انتظار کر رہا ہے، دروازہ پر میں ہوتا، تو جا کر کہتی کہ آپ کا غلام ہے، میں ان کا سب کام کاج کرتا تھا، حتیٰ کہ پانی بھی بھرا کرتا تھا،

وہ فرماتے تھے کہ ایک حدیث کو معلوم کرنے کے لئے تین دن تک میں سید بن المسیب کے پیچھے لگا رہا، تیر فرماتے تھے کہ ہم جب عالم کی خدمت میں جاتے تھے، تو جوشائستگی اور عمدہ اخلاق و عادات ہم اس سے سیکھتے تھے، اس کی قیمت ہماری نگاہ میں علم سے کہیں زیادہ تھی،

زہری کی اخیر عمر میں لوگوں نے ان سے کہا کہ اب آپ مسجد نبوی میں کسی جگہ بیٹھ کر تعلیم دیتے، دغظ و تذکیر فرماتے تو بہتر ہوتا، زہری نے جواب دیا کہ اگر میں یہ کروں تو لوگ میرے پیچھے پیچھے چلیں گے (اور غصہ و اذیت پیدا ہو جائے گی) اور یہ اس وقت تک مجھے کرنا زیبائیں ہی جب تک میں دنیا سے بالکل بیزار اور آخرت کا پورا راجع طلبگار نہ بن جاؤں،

اللہ اکبر! یہ اس شخص کا قول ہے جس کی نسبت عمرو بن دینار فرماتے تھے کہ وہ ہم دنیا و مافیہا کی

نگاہ میں میٹگنیوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے تھے،

زہری نے متعدد بار حج کی سعادت حاصل کی ہے، از انجملہ ایک دفعہ سلسلہ میں حضرت ابن عمر اور ان کے صاحبزادہ حضرت سالم کی میت میں حج کیا، خود زہری کا بیان ہے کہ اس سال میں عود کے دن روزہ سے نکلا، گرمی ہلاکی تھی، اس نے وہ دن مجھ پر نہایت سخت گزرا تھا، (تہذیب متفقہ) از انجملہ سلسلہ میں ہشام بن عبد الملک کی رفاقت میں انھوں نے حج کیا، (ابن کثیر متفقہ) از انجملہ ایک حج انھوں نے سلسلہ میں عبد الملک بن مروان کے مجاہد و سرفروش بیٹے مسلمہ کے ساتھ کیا، مسلمہ نے زہری کو صرف اس لئے ساتھ لیا تھا کہ وہ اس کو حج کے مناسک و مسائل بتاتے رہیں گے، (ابن کثیر ج ۹ ص ۴۲۲)

مسلمہ کی یہ بات بہت قابلِ قدر ہے، اور اس سے ہم کو بھی سبق لینا چاہئے، ہر حاجی کو اتنا کام کرنا چاہئے کہ وہ کسی متفق عالم کی رفاقت میں حج کرے تاکہ صحیح طور پر حج کے مناسک ادا ہو سکیں، امام زہری کی وفات سلسلہ میں ہوئی،

مسلمہ بن عبد الملک

اموی خلیفہ عبد الملک کے بیٹے اور اپنے بھائی زید کے عہد حکومت میں پہلے عراق عرب و عجم کے پھر آرمینیا کے گورنر تھے، بنی امیہ کے نامور افراد میں ان کا شمار تھا، ابن کثیر نے بہت صحیح لکھا ہے کہ

کان فی زمانہ فی الغزوات نظیر	وہ اپنے زمانہ میں مسلسل جہاد، کثرت
خالد بن الولید فی ایامہ فی کثرة	فتوحات، قوتِ غزم، شدتِ مقابلہ
مغازیہ و کثرة فتوحہ و قوۃ عز	حسن تدبیر و حسن سیاست کے لحاظ سے
و شدۃ باسہ و جودۃ تصرفہ	خالد بن ولید کی نظیر تھے، اور دیا
فی نقضہ و ابرامہ و ہذا مع	دل و نصاحت کی خوبی مزید برآں
الکر و الفصاحتہ	تھی،

رومیوں سے مسئلہ کے نہایت سخت سخت معرکے ہوئے، اور اس سلسلہ میں اُن کی خدمتیں بہت زیادہ قابلِ قدر ہیں۔ مسئلہ نے بہت سے قلعوں کو فتح کر کے ان پر اسلامی جھنڈا اُٹھرایا، قسطنطنیہ کا بھی انھوں نے محاصرہ کیا تھا، بلا دردم کے علاوہ ترکان میں ان کی فتوحات کا سلسلہ بابِ لابلاب تک پہنچ چکا تھا،

امام زہری کے ذکر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مسئلہ نے ۱۱۹ھ میں حج کیا، مناسک کی تعلیم کیے

امام زہری کو اپنا رفیق بنایا تھا۔

مسئلہ کی وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی،

ابو عثمان نندی

آپ فخرم تھے، یعنی عہدِ نبوی میں اسلام لائے تھے، اور تین سال تک آنحضرت ﷺ کے عاملوں کو زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہے، مگر باریابی کا شرف حاصل نہ ہو سکا، حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں مدینہ کی طرف ہجرت کی، اور حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے صحابہؓ کی خدمت میں بارہ سال تک حضرت سلمان فارسیؓ کی صحبت میں رہے، جنگِ یرموک و قادسیہ و جلولانہما و میں شریک تھے، مسلسل روزے رکھنا اور رات کا قیام اُن کی عادتِ مستمرہ تھی، اتنے نوافل پڑھتے تھے، کہ بیوش ہو جاتے تھے، اُن کے حج اور عمروں کی مجموعی تعداد ساٹھ تھی، انھوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا، اس زمانہ میں بھی انھوں نے دو حج کئے تھے،

وہ فرماتے تھے: "میں خوب جانتا ہوں کہ میرا رب مجھ کو کیا دے گا ہے" پوچھا گیا کہ آپ یہ کیسے جانتے ہیں تو فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فاذا کوذنی اذکو کہو دتم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا، لہذا جب میں اس کو یاد کروں گا تو وہ یقیناً مجھ کو یاد کرے گا،

اسی طرح جب لوگوں کو دعا کرنے دیکھتے تو فرماتے کہ بخدا اس نے ہماری سن لی، اس نے کہا اس کا ارشاد ہے: وقال ربکوا دعونی استجب لکم و اتھربکم رب نے کہا کہ تم مجھے پکارو

تھاری سنون تھا ان دونوں واقعوں سے ان کی ایمانی قوت کا اندازہ لگائیے انھوں نے ایک سو برس کی عمر میں سترہ میں وفات پائی۔
(ہدایہ ص ۱۹۱ جلد ۹)

امیر عبد الوہاب بن بخت محدث

ان کی سکونت شام میں تھی پھر مدینہ منورہ منتقل ہو گئے تھے، صحابہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں، امام مالک وغیرہ حدیث میں ان کے شاگرد تھے، امام موصوف ان کے بڑے تلامذہ تھے، فرماتے تھے کہ وہ حج و عمرہ اور جاد بہت کثرت سے کرتے تھے، آئنا کہ روم کی ایک لڑائی میں شہید ہوئے، صورت یہ ہوئی کہ جب دشمنوں نے نہایت بے بکری سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تو کچھ مسلمانوں کے پیر اکبر گئے، انھوں نے یہ دیکھ کر مسلمانوں کو ہلکا کر

ہلموا الی الجنة ویکو افراد من

الجنة، اتفرون من الجنة؟ الی

لا محاولکم فی الدنیا ولا بقاء، دنیا میں قیام و بقاء تو ہے نہیں،

یہ کہتے جاتے تھے اور اپنے گھوڑے کو دشمن کی صف کی طرف بڑھاتے جاتے تھے، آئنا کہ لڑنے لڑنے

جان دیدی، یہ سلسلہ کا واقعہ ہے، امام مالک کا ارشاد ہے کہ وہ بڑے دریا دل بھی تھے، سفر

میں ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا، وہ سب رفیقوں کے لئے وقف تھا، وہ رفیقوں سے زیا

اپنے کو اس کا حقہ نہیں سمجھتے تھے،
(ہدایہ جلد ۹ ص ۳۰۵)

امیر عبد اللہ ابو یحییٰ بطل

انطاکیہ کے رہنے والے تھے، عبد الملک بن مروان نے جس وقت اپنے لڑکے مسلمہ کو سپلا

مقرر کر کے اس کو رومیوں کی لڑائی پر مامور کیا تھا، تو بطل کو جزیرہ و شام کے روسا کا امیر مقرر

کیا تھا، اور سلمہ کے حکم سے دس ہزار سپاہی بطل کی ماتحتی میں رہتے تھے، بطل نے رومیوں کے

مقابلہ میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دے ہیں کہ رہتی دنیا تک ان کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، انھوں نے اپنی بہادری کا ایسا سکہ رویوں کے قلوب پر بٹھایا تھا کہ ان کا نام سن کر رومی لرزہ برآمد ہو جاتے تھے، رومی عورتیں روتے ہوئے بچوں کو یہ کہہ کر چپ کر یا کرتی تھیں، کہ چپ ہو جاؤ ورنہ تجھ کو بٹال کے حوالہ کر دوں گی،

جس وقت وہ مصیبت کے حاکم تھے اس وقت انھوں نے سرزمین روم کی طرف ایک لشکر روانہ کیا مگر وہ لشکر جا کر لاپتہ ہو گیا، ایک دن تنہا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بٹال پہل پڑے، عموماً یہ پوچھ گئے، رات کا وقت تھا، دروازہ پر دستک دی تو دربان نے پوچھا کون؟ انھوں نے جواب دیا میں رومی بادشاہ کا جلاؤ ہوں اور اس وقت اس امیر کبیر (جو عموماً یہاں مقیم تھا) کے پاس بادشاہ کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں اور بان نے دروازہ کھول دیا اور یہ بطریق (امیر کبیر) کے پاس پہنچ گئے اور جس تخت پر وہ بیٹھا تھا اسی کے ایک گوشہ پر بیٹھ گئے، اس کے بعد کہا کہ میں ایک پیغام لایا ہوں، یہاں جو لوگ ہیں ان سے کہئے چلے جائیں، جب لوگ چلے گئے اور بطریق اندر سے دروازے بند کر کے اپنی جگہ بیٹھا تو انھوں نے کہا کہ میں بٹال ہوں اور میں نے جو لشکر تمہارے ملک میں بھیجا تھا اس کا کوئی پتہ نہیں مل رہا ہے لہذا ٹھیک ٹھیک بتا دو کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے ورنہ ابھی تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ اُس نے کہا وہ اسی ملک میں ہے اور جہاں جہاں موقع ملتا ہے لوٹ مار کر رہا ہے۔ اور ابھی ابھی میرے پاس یہ خط آیا ہے جس میں یہ اطلاع ہے کہ وہ فلاں مقام پر ہے اس کے بعد بٹال نے اس سے کہا کہ امان کی سند لاؤ (یعنی وہ نشانی جس کو دیکھ کر کوئی شخص مجھ سے تعریف نہ کرے) اس نے امان کی سند دیدی، پھر انھوں نے کہا کھانا کھلاؤ، اُس نے کھانا منگو کر کھانا کھانے سے فارغ ہو کر جب انھوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اُٹاؤ کے قاصد کے آگے آگے جاؤ آدمیوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور یہ وہاں سے اٹھ کر سیدھے اس مقام پر پہنچے جہاں اُن کا لشکر تھا، اس کے بعد اس لشکر کو اپنے ساتھ مصیبت میں لائے، بٹال ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے کہ خداوند اچھے حج کی سعادت نصیب فرما، اس کے بعد

شہادت کی، چرکہ وہ ہمیشہ معروف جہاد رہتے تھے، اس لئے حج کا موقع نہیں ملتا تھا، تاہم کچھ سال
 اُن کی شہادت مقدمہ تھی، اسی سال حج کی زیارت بھی نصیب ہوئی، اُن کی شہادت کے سال یہ
 اختلاف ہے کسی نے سن ۱۲۱۲ھ اور کسی نے سن ۱۲۲۲ھ نقل کیا ہے، اور متعدد اشخاص نے سن ۱۱۳۲ھ میں علی بن
 بن بخت کے ساتھ اُن کا شہید ہونا بتایا ہے، (بدایہ ص ۳۳)

محمد بن عبد الجبار (سند دلا)

ہمدانی

حدیث کے راویوں میں نہایت ثقہ اور نیکو کار بزرگ تھے، ابن المبارک اور ابن عساکر وغیرہ
 سے حدیثیں سنی تھیں اور اُن سے امام ابو داؤد وغیرہ نے روایت کی ہے، انھوں نے ہتھیلیاں بارجا
 کیا ہے، اور چالیس سال سے اوپر حج کئے ہیں، ایک بار ذہاب نے جانے کے لئے سوار ہونے لگے تو امام بھی ابن
 معین نے ان کی رکاب تھام لی، کسی نے اُن سے کہا کہ آپ اُن کی رکاب تھام رہے ہیں تو فرمایا
 کہ کیا میں اس شخص کا برا احترام نہ کروں جسے ہم یا تو طلب علم کے لئے سفر کرتا ہو پاتے ہیں یا کسی درانی
 میں جاتا ہو، یا سفر حج سے واپس ہوتا ہو، امام بخاری کے استاد ابو نعیم انھیں دیکھتے تو فرماتے کہ
 یہ وہ آدمی ہے جس کی زین کے نیچے کاغذ نہ کبھی خشک نہیں ہوتا، جب بکھینے تو سفر حج میں ہے یا سفر
 جہاد میں، یہ بزرگ تیسری صدی میں تھے، (تہذیب)

حافظ ابو القاسم بنوی، ابو بکر آدمی قاری اور محمد بن عبد اللہ اسدی

ابو القاسم بنوی بے پایہ کے حافظ حدیث تھے، انھوں نے حدیث کی خوب شاعت کی
 تھی، ان کو مسند العالم کے لقب سے پکارا جاتا ہے، حدیث میں اُن کے تین سو سے زائد نسخ ہیں، اُن
 دوران سے روایت کرنے والوں کی تعداد حد سے فزوں ہے، وہ علی بن عبد العزیز شیخ الحرم بن
 ذکر پہلی جلد میں ہے، کے بھتیجے اور احمد بن منیع کے نواسے تھے، اُن کی وفات سن ۱۱۳۲ھ میں ہوئی،
 (تذکرہ)

ابو بکرؓ بہت خوش مکان قاری تھے، احادیث کے راوی بھی تھے، اُن کی وفات مسند
 میں ہوئی، (وہ شہید)۔

محمد بن عبد اللہؓ سی، قاضی بومحمد عبد اللہ کے والد تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ
 میں حج کو گیا، مانعہ ابو قحاصم اور قاری ابو بکر بھی اس سال حج میں تھے، جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو قحاصم
 ابو قحاصم میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ مسجد نبویؐ میں ایک اندھیلے نے ایک حلقہ قائم کر رکھا ہے
 اس حلقہ میں وہ بیٹھ کر دعا کرتا ہے، اور جھوٹی جھوٹی حدیثیں اور بے سرو پا واقعات بیان کرتا ہے، اگر آپ
 ساتھ دین تو ہم لوگ چل کر اس پر اعتراض کریں، اہل حدیث وہ دیکھیں، میں نے جواب دیا، کہ حوام کے اس
 عظیم نشان میں ہماری بات کا کوئی اثر نہ ہو گا، اس لئے کہ بندہ اکی طرح کوئی نرم سے اور ہماری ملی
 حیثیت نے واقف نہیں ہے، ہاں اس کی ایک دوسری تدبیر ہے، اور وہی ٹھیک ہے، آنا لکھ کر میں نے
 قاری ابو بکرؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ ابو ذہب اللہؓ کو ترغیب شروع کریں، پس جو یہی انھوں نے
 قرأت شروع کی، اندھیلے کے پاس سے جھڑپ لگئی، اعلانِ مادیات آدیوں نے ہم کو گھیر لیا، اُن
 قرأت بند کر دی، دعا اکیلا رہ گیا، تو اُس نے اٹھ کر پکڑنے والے سے کہا کہ چلو ہاتھ پکڑو، زوال اسی
 طرف آئے، (شہید)

حاج سلف اس سفر میں اپنے فرائض کو بخوبی نہیں تھے، جو عالم دین ہوتے تھے، حاج
 زیارات کے ساتھ شرعی منکرات کا ازالہ بھی محسن تدبیر سے کیا کرتے تھے،

میں نے کانہم پر بعض مروجہ تفارقات، ایسی کثیر و غیروہ کتبہ کہ وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا، تو پرچا
 کتب کے ساتھ کیا مصلحہ، ان کا مذاککہ نے کھرا ہونا پڑا اور نہایت ہونا ک امور پیش آئے، اور بڑی پریشانی
 میں اس نے کتاب کا اس خوش آوازی سے قرآن پڑھا کیا ہوا، جو بے دہی تو سب زیادہ مسخر چہرہ پر
 ہوئی، کہہ کہ وہ دنیا، دنیا، نیک نامی انھیں نہ اکے نے تھی، اُس نے کہا اچھا پھر آخری نبی کیا رہا انھوں
 نے کہا کہ وہی خدا نے کہا

..... نہ تم نہ اسے راہی ہم کے مسلمان، بڑھوں کو خطاب دوں گا۔

۶۰

55258

109/064

60/2037

حسن بن عیسیٰ بن ماسرح

امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ حدیث میں ہیں، صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں ان کی روایتیں ہیں۔ ابن مبارک وغیرہ کے شاگرد ہیں، بہت دیندار و پرہیزگار تھے، خطیب کا بیان ہے کہ وہ بہت دو تندرستی عیسائی تھے، ابن المبارک کے ہاتھ پر اسلام لائے، اور سفر کی صورتیں برداشت کر کے مشائخ حدیث سے ملے، اور علم حاصل کیا، حاکم نے ان کے اسلام کا قصہ یوں بیان کیا ہے کہ ایک بابا بن المبارک اس گلی کے نکر مار جس پر حسن کے باپ عیسیٰ کا مکان تھا، انعم ہوئے، اس زمانہ میں جب حسن سوار ہو کر نکلتے تو وہیں بٹا کی مجلس کی طرف سے گزرتے، حسن بہت خوش رو جوان تھے، ایک دن ابن المبارک نے کسی سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا ایک عیسائی ہے، ابن المبارک نے اسی وقت اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اس کو اسلام نصیب فرما، خدا نے ان کی دعا قبول فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے،

اسلام لانے کے بعد اللہ نے ان کو علم کی دولت سے نوازا اور ان کا پایہ ایسا بلند فرمایا کہ ان کی مجلس میں بارہ بارہ ہزار آدمیوں کی حاضری ہوتی تھی، جو ان سے حدیثیں سن کر لکھتے تھے، انھوں نے کئی جگہ کئے تھے ۲۳۹ ۲۴۰ میں آخری حج سے واپس آ رہے تھے، کہ مقام ثعلیبہ بنجران کا انتقال ہو گیا، ان کے پوتے کا بیان ہے کہ ہمارے دادا نے اپنے اخیر حج میں تین لاکھ درہم مرث کے لئے حاکم کا بیان ہے کہ میں نے حسن کے پوتوں (ابو بکر و ابو القاسم) کے ساتھ مقام ثعلیبہ میں ان کی قبر کی زیارت کی ہے، (متذیب)

علی بن المولٰی ابوبکر بن المولٰی اور امام حاکم

صاحب متدرک

علی بن المولٰی امام حاکم کے شیوخ حدیث میں تھے، اور حسن بن عیسیٰ سابق الاکر کے پوتے تھے، حاکم کہتے ہیں کہ ان کا شمار ہمارے ان مشائخ میں ہے، جو سب زیادہ پرہیزگار سمجھے جاتے تھے، حاکم

ہی کا یہ بیان بھی ہے کہ ہمارے شیخ علی بن المول کی عقل ضرب الشقی،

نیز حکم فرماتے ہیں کہ میں نے سلسلہ میں ان کے ساتھ حج کیا ہے، اس سفر میں میں نے دیکھا کہ وہ رات کے اکثر حصہ میں عمارت کے اندر طواف کرتے رہتے تھے، اور جب سواری سے اترتے تھے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا، اور مکہ میں جب بھی میں نے طواف کرنا شروع کیا ہے تو مجھے یاد نہیں کہ ان کو میں نے طواف کرتے ہوئے پایا ہو، ان کے رمل کے کا بیان ہے کہ ہمارے والد کی ایک آنکھ کی بنیائی کمزور ہوئی، تو انھوں نے تین سال تک ہم کو نہیں بتایا، تین سال کے بعد جب دوسری آنکھ بھی کمزور ہو گئی، اس وقت ہم کو خبر ہو گئی، بن المول کی وفات ۳۳۹ھ میں ہوئی، علی کے اس سفر حج میں حاکم کے علاوہ ان کے ساتھ ان کے بھائی ابو بکر بن المول بھی تھے جیسا

تہذیب التہذیب ص ۲۷۲ سے معلوم ہوتا ہے۔

امام حاکم کا نام محمد بن عبد اللہ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، بڑے پایہ کے حافظ حدیث اور مورخ و مصنف ہیں، فن حدیث میں ان کی کتاب مستدرک صحیح کر شائع ہو چکی ہے تذکرۃ الحفاظ، اور دوسری کتابوں میں ان کا ذکر شریعت و بسط کے ساتھ موجود ہے، انھوں نے ۳۲۱ھ میں علی بن المول کے ساتھ حج کیا ہے، اس وقت ان کی عمر صرف بین سال کی تھی، اس لئے کہ ان کا سال ولادت ۳۲۱ھ ہے، یہ بات بہت قابل تعریف ہے کہ اس کم سنی میں انھوں نے ایک بہترین فہم کے سفر حج کی جزئیات کا بنور مطالعہ کیا، اور اس سے فائدہ اٹھایا، ہر حاجی کو ان سے سبق لینا چاہئے، حاکم کی وفات ۳۵۵ھ میں ہوئی،

ابوالعباس ستی زاہ

آپ کا نام عبید اللہ بن محمد تھا، ان کو بڑی دولت وراثت میں ملی تھی، ساری کی ساری نیک کاموں میں صرف کر دی، نہایت عبادت گزار تھے، ہر سال تک نہ بستر استعمال کیا، ایکس چیز سے ٹیکہ لگا، نہ پور سے پیادہ پہنچا، حج کے بعد شام و رطل کا سفر کیا، چھ مہینے بیت اللہ میں

نھن کر مصر و بلاد مغرب کی سیر کی، مغرب سے دوبارہ حج کو آئے، حج کر کے اپنے وطن بستی واپس آئے اور جو کچھ ان کی ملکیت میں باقی رہ گیا تھا، اس کو خیرات کر دیا، ان حالات کے باوجود جب بیمار ہوئے تو نہایت بے چین تھے کسی نے پوچھا کیا درد ہے؟ انھوں نے کہا درد کیسا؟ آگے جہنم کی اور پشیمانی دے میں ان کی فکر ہے کہ نجات کیسے ہوگی،
مسئلہ میں ان کی وفات ہوئی،

دعبلج بن احمد سجستانی

بہت اونچے درجہ کے محدث تھے، امام دارقطنی وغیرہ ان کے شاگرد تھے، اس کے ساتھ بڑا دولت مند بھی تھے، ان کی فیاضی اور پروا مسان کا بڑا چرچا تھا، مکہ منظر، بغداد اور سجستان میں طلباء و علمائے حدیث کے لئے ان کے متعدد اوقات اور صدقات جاریہ تھے، مکہ منظر میں مدتوں مجاور رہے ایک دفعہ چند عرب ان کے پاس آکر کہنے لگے، اگر آپ کے ایک خراسانی بھائی نہ ہمارے ایک بھائی کو مار ڈالا ہے، لہذا اس کے بدلہ میں ہم آپ کی جان میں گئے، انھوں نے کہا خدا سے ڈرو خراسان کوئی ایک شہر نہیں ہے، وہ تو ایک ملک ہے، معلوم نہیں اس ملک کے کس شہر کا وہ آدمی تھا، غیر لوگوں نے بیچ بھاڑ کر کے ان کی جان بچائی، اور یہ کہہ سے بندہ منتقل ہو گئے، اور وہیں تسوٹن ہو گئے، ایک شخص کے ذمہ ان کے پانچ ہزار درہم باقی تھے، وہ ان سے چھپا چھڑا تھا، ایک دن وہ بہت سویرے جامع مسجد میں آیا، اور بہت اطمینان سے نوافل پڑھتا رہا، لیکن جب جماعت کھڑی ہوئی تو وہ شرمکین نہیں ہوا، ایک شخص جو شروع سے اس کو دیکھ رہا تھا، نماز کے بعد اس نے کہا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی، مقروض نے جواب دیا کہ یہاں ایک شخص ہے جس کا میں مقروض ہوں اور استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا سامنا نہیں کرتا ہوں، آج جب جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ یہاں موجود ہے، اہ اس نے مجھے دیکھ لیا اس کو دیکھتے ہی انھوں نے پراپنا خوش طاری ہوا، کہ میرے کپڑے خراب ہو گئے، اور میں نماز میں شرمکین نہ ہو سکا، یہ گفتگو دعلج کا ایک

دوست شن رہا تھا، اس نے وٹج سے یہ تصدیق کیا، وٹج نے اپنے دوست سے کہا کہ اس کو حمام بچاؤ
اور میرے کپڑوں میں سے اس کو ایک جوڑا کپڑا دیدو کہ وہ کپڑے بدل لے، اور اس کو میرے گھر بھاؤ
میں آنا ہوں، جب وہ جامع مسجد سے واپس آئے، تو اس کو بہت عزت سے کھانا کھلایا، اس کا حساب
نکال کر دیکھا تو اس کے ذمہ پانچ ہزار باقی تھے، پوچھا تھا مال ہی حساب ہے، اس میں کوئی بھول چوک
تو نہیں ہے؟ اس نے کہا نہیں، وٹج نے اس رقم پر وصولی کی علامت بنا دی، پھر پانچ ہزار باقی
رقم منگوا کر اس کو دی اور کہا کہ جو رقم تمہارے ذمہ اس کو ہم نے معاف کر دیا، اور یہ پانچ ہزار اس لئے
دے رہا ہوں کہ جامع مسجد میں محکمہ دیکھ کر تمہارے دل میں جو خوف سما گیا تھا، اور جو پریشانی
اور لذت تم کو ہوئی اس کو معاف کر دو،
وٹج کی وفات ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔

بدر بن حسنویہ

یہ ایک گروہی امیر اور غصہ اللہ ولہ کا پروردہ تھا، امدان و دینور و شادند وغیرہ پر اس کی
حکومت تھی، رعیت کے قلوب میں اس کی ہیبت تھی، اس کی حکومت و سیاست اور عدل و انصاف
کا سکہ بٹھا ہوا تھا، اس کی قلمرو میں راسر و اپنا سامان جان چاہتا چھوڑ کر چلا جاتا، اور پھر اگر
اس کو بیجا کسی دوسرے کی کوئی مجال نہ تھی، اگر اٹھائے، نہایت حسن تدبیر سے اس نے ظلم و تعدی کا
نام و نشان مٹا دیا۔ اس قسم کے واقعات تفصیل سے لکھے جائیں، تو بہت طول ہوگا،

تیموں ضیفوں اور علماء کے ہاں: وفات مقرر کر رکھے تھے، اس کے علاوہ سربجہ کو کمزور
اور بیمار کو دس ہزار، ہم خیال دیا کرتا، اس نے اپنی قلمرو میں تین ہزار مسجدیں اور مسافر خانے تعمیر کرائے
تھے، ہر سال حرمین شریفین کے معاجروں کی امانت امدج کے ماتہ کی حفاظت وغیرہ کے لئے ایک لاکھ
دینار صرف کیا کرتا تھا، اس کے سوا ماتہ کے کنوؤں کی صفائی، حضروں کی تیسرا اور حجاج کی سواروں
کے چارہ کے انتظام کے لئے ایک بھاری رقم دیا کرتا تھا، امدان سے بیکر نبیاد تک ماتہ میں جتنے عوجی

اور جوتے بنانے والے تھے، ان کے لئے سالانہ تین ہزار دینار اس واسطے مقرر تھے کہ جس ماہی کے پاس جوتے نہ ہوں تو بنادیں، یا بیٹ گئے ہوں تو درست کر دیں اس کا معمول تھا کہ ہر سال بیس آدمیوں کو دس ہزار دینار دیکر اپنی والدہ اور خضہ اللہ ورنہ کی طرف سے حج بدل کرنے کے لئے بھیجا کرتا تھا،

انفرض اس نے حجاج کی امانت دوسرے رشتہ کی حفاظت، پانی اور چارہ کی دستیابی اور راستے کے بدوؤں کی دل دہی اور بخشش کا ایسا خاطر خواہ انتظام کیا تھا کہ حجاج اسن واطینان اور آرام و راحت سے بچ کرتے تھے۔ بیس سال تک اس کا یہ انتظام جاری رہا۔ اس کے انتقال کے بعد جب یہ انتظام درہم برہم ہو گیا، تو یہ امام واطینان سلب ہو گیا، اور عراق و خراسان سے تقریباً چھ ہند ہو گیا، ان نیکوں کے ساتھ نمازین اور تہتجات بھی کثرت پڑھا رہا، اس کی وفات سن ۳۳۲ میں ہوئی، (مستطاب)

برہن حسویہ کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے خود بھی حج کیا تھا یا نہیں، مگر حج کے ساتھ اس کی دلچسپی و اہتمام عقیدت حجاج کے ساتھ اس کی ہمدردی، اس میں زہدیت کی اقامت کے لئے اس کے اہتمام و صرف زکریہ کو دیکھتے ہوئے طبیعت نے ڈالنا دیا، کہ حجاج کا یہ تذکرہ اس محسن حجاج کے ذکر سے خالی رہ جائے،

ابو عبد اللہ مغربی

محمد بن اسماعیل نام تھا، ابراہیم خواص کے استاد و مرشد تھے، اپنے پیادہ پاستاؤ سے حج گئے تھے، اندھیری راتوں میں ننگے پیر اس طرح بے دھڑک چلتے تھے، جیسے کوئی دن کی روشنی میں جھانک پیدل چلنے والے لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے، وہ ان کو راستہ بتاتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے تہ توں سے تاریکی دیکھی ہی نہیں، اس کثرت سے پیدل چلنے کے باوجود ان کے پیر ایسے نرم و نازک تھے جیسے دولہا کے پیر ہوں،

ان کا کلام نہایت صحیح و پرتاثر تھا۔ فرماتے تھے کہ درویش وہ ہے جس کا خدا کی طرف اتھا کے سوا کائنات میں کوئی دوسرا سہارا نہ ہو، نیز فرماتے تھے، سب ذلیل و خوار وہ فقیر ہے جو کسی دولت مند سے بدانت کرے، اور اس کے آگے جھکے، اور سب زیادہ عزت دار وہ دولت مند ہے جو کسی فقیر سے تواضع کے ساتھ پیش آئے، اور اس کی حرمت کا لحاظ کرے، ابو عبد اللہ مغربی نے ایک سو میں ہر کی عمریں ۲۹۹ میں وفات پائی، اکوہ طور پر اپنے پیر علی بن زین کے پہلو میں مدفون ہیں۔
(ابن کثیر و مستطعم)

محمد بن اسحاق بن ماحویہ

امام سختی بن ماحویہ کے لڑکے اور امام احمد کے شاگرد تھے، فقہ و محدث کے بڑے عالم تھے، نہایت پاکیزہ سیرت تھے، ۲۹۲ھ میں حج سے فراغت کے بعد واپس آ رہے تھے، کہ راستہ میں ہم خراسانی حجاج پر زکریہ قرطبی نے حملہ کر کے لٹایا، اور عورتوں کو قید کر لیا، اس قیامت خیز واقعہ میں ہمیں ہزار آدمی شہید ہوئے، انہیں شہداء میں محمد بن اسحاق بھی تھے، یہ محرم ۲۹۴ھ کا واقعہ تھا، جب اہل خبر غلیفہ عباسی کو پہنچی تو اس نے ربیع الاول ۲۹۳ھ میں ایک جوار فوج زکریہ کی کولہ اور قرطبیوں کے فتنے کے استیصال کے لئے بھیجی، زکریہ زخمی ہو کر گرفتار ہوا اور پانچ دن کے بعد مر گیا، اور بعد دوے چند کے سوا سارے قرطبیوں کا بھی اس فوج نے صفایا کر دیا، (ابن کثیر)

ابو محمد جریری

احمد بن محمد نام تھا سرسری قطیف کے محبت یافتہ تھے، اکابر ادویا میں ان کا شمار ہے، جنید بغدادی کی وفات کے وقت پوچھا گیا کہ ان کے بعد ہم کس کے پاس بیٹھیں تو انہوں نے فرمایا کہ جریری کے پاس، ۳۰۰ھ میں جریری نے کہ میں اعتکاف کیا تو مدت اعتکاف میں انہوں نے کھانا کھایا، سوئے اند و رات نیک لگائی، اور نہ پھر پھیدے، ابو بکر کثانی نے سوال کیا کہ آپ نے اس طرح اعتکاف پر کرنے کا کوئی دیکھا تو فرمایا کہ میں خدا کو میرا صدق باطن معلوم تھا، یعنی اس نے دیکھ لیا کہ میں سچے

دل سے یہ جفا کش دیانت کر۔ بابوں اس سے اس نے ان فحری انوکے بنائے پر یہی دستگیری
فرمانی۔

جیری کی وفات جبر کے راتوں میں ہوئی، روزی کے اذنوں نے ن کو کھل دیا تھا جس سے
وہ جاز کے درمیان ایک مقام ہے، سستہ میں جے کے بعد جب وہ جیوں کا قافلہ سے تھک رہا ہوتا تو وسیع
خزل نے اس پر دعا دے کر بول دیا، کچھ حاجی شہید ہوئے، باقی منتشر ہو گئے اور ابوسعد واپس چلا گیا۔ اس
کے بعد اس نے محرم سن ۸۰۰ میں دوبارہ نہایت سخت محمدر کے بڑی ہوناک خیریزی کی۔

جیری کی وفات ۸۰۰ میں ہوئی تھی، احمد دہلوی کا بیان ہے کہ سال بھر کے بعد اس
سے میرا گزر ہوا، تو میں نے دیکھا کہ ان کے گھٹنے سینے سے لگے ہوئے ہیں، دروازے لگائے ہوئے
نیچے ہیں، ان کی ایک ٹھلی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہے، منظم

شرافی نے ان کو بنیہ کے اکابر صاحب میں سے، وہ ان کا بانی تھے، اور یہ واقعہ
کہ ایک بار وہ کمرے سے واپس آئے تو یہ حضرت بنیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو وہ نے کیلئے
آنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی، دوسرے دن صبح کی نماز سے یہ فارغ ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ پیچھے صفت میں بنیہ
بندادی موجود ہیں۔ کہا کہ کل تو میں نے سی نے ماضی دی تھی کہ آپ زحمت نہ فرمائیں

بنیہ نے فرمایا کہ وہ آپ کا فضل و کرم تھا اور آپ کا حق ہے، شرافی نے یہ واقعہ بھی کھائے کہ
ایک دفعہ جب جیری یہ منورہ میں تھے، تو مسجد کی رات کو چاند میں سن لگا، جیری کہتے ہیں کہ چاند
سیاہ تو معلوم ہوتا تھا، اور اس کے بیچ میں مجھے دکھائی دیا، کہ بخدا نورانا وحدی (میں کتنا ہوں)
لکھا ہے، جیری فرماتے تھے کہ جو شخص جنت پانے کے لئے قرآن پاک پڑھے وہ بہت کم پرہیزی ہوگا
اس لئے کہ جنت مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق، قرآن پڑھنے کا مقصد و توفیق تعالیٰ کی ذات کو اور
اس کے خطاب کے سمجھنے کو بنانا چاہئے، (واقعہ صحت)

ابو جعفر محمد داؤد اور ابوالحسن داؤد

ابو عیسیٰ داؤد کا نام سعید بن محمد تھا، بندہ وطن تھا، ابراہیم خوص کے صحبت یافتہ تھے حضرت

زندگی بسر کرتے تھے، بے سرو سامانی کے ساتھ سفر میں، ہا کرتے تھے، ان کی وفات سننے میں
یا اس کے کچھ بعد ہوئی،

واقعہ کا بیان ہے کہ میں جب حج کو جاتا تھا، تو ایک جہت ساتھ جاتی تھی، یہ بات میرے
کام اور میری آنادی میں غفلت تھی، اس نے مجھ کو ان کے ساتھ ساتھ رہنا، اور ان کے بہتے کاموں
میں مشغول ہونا پڑتا تھا، لہذا ایک دفعہ وہ شخص مجھ میں بیٹھا ہوا ہے، اور وہ اپنے جذام کی وجہ سے بڑی آرمش
میں مبتلا ہے، اس نے مجھ کو دیکھ کر سلام کیا، اور پوچھا کہ ابو یحییٰ بنج کے امادہ سے بچے ہو،؟ میں نے
سخت ناگواری اور غصہ سے جواب دیا، ہاں، اس نے کہا مجھ کو بھی ساتھ لیتے چلو، میں نے جی میں کہا
تذرسوں سے بھاگتا ہوں اب مجھ دم کے ہاتھ میں پڑوں گا،؟ اس نے میں نے کہا جی نہیں، اس نے
پھر کہا نہیں لیتے چلو، میں نے کہا، لہذا نہ کروں گا، تب اس نے کہا ابو یحییٰ، حق تعالیٰ کمزوروں
سے وہ معاملہ کرتا ہے کہ درمندوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، میں نے (بانداز انکار و تحقیر) کہا جی
دست ہے، یہ لکھ میں اس سے الگ ہو گیا اور شام کو عصر کی نماز کے بعد وہاں سے آگے کو روانہ ہوا
دوسرے دن صبح کو نیشہ پونچا، تو وہ مجھ دم مجھ سے پہلے وہاں موجود تھا، اس نے مجھ کو دیکھ کر
سلام کیا، اور کہا کہ ابو یحییٰ حق تعالیٰ کمزور کے ساتھ وہ کرتا ہے جس کو دیکھ کر قوت والا حیرت
کرتا ہے، اب میں کھٹکا اور میرے دل میں مختلف قسم کے خیالات آنے لگے لیکن میں نے پھر بھی اس
کی طرف توجہ نہیں کی، اور اس منزل پر بھی مٹانے کے بعد آگے کو روانہ ہوا، جب دوسرے دن
فجر کے وقت قرما پہنچ کر مسجد میں گیا تو وہاں بھی دیکھا کہ بڑھا پیسے سے بیٹھا ہوا ہے، اب مجھ
سے نہ ہا گیا ایک کر میں نے انہما زیا زندی کیا، اور کہا پیسے اللہ کی بارگاہ میں پھر آپ کی خدمت میں
مصدق کرتا ہوں، میں نے کہا کیا ہے میں نے کہا خطا ہوئی، اس نے کہا مطلب کیا ہے میں نے کہا
وفات و محبت کا طلب گار ہوں، اس نے کہا تم قسم کھا چکے ہو، اور تم تمہاری قسم توڑنا نہیں چاہتے
میں نے کہا یہاں سے تم ہی حضور کیجئے کہ ہر منزل میں زیارت ہو جائے کر سے، اس نے کہا یہ ہو سکتا ہے

اس کے بعد نہ بھوک کی پروا بلکہ ہوتی تھی، نہ نیکان کی منزل پر پہنچنے کے بعد بس دھن لگی رہتی تھی کہ مسجد میں پہنچوں اور اس کی زیارت کروں، راستہ بھر ہی قصبہ آیا، مگر جب میں مدینہ پہنچا تو وہ بڑھانا ہو گیا، کسی دن غریب نہیں آیا، اس کے بعد جب میں کہ آیا، تو ابو بکر کثانی اور ابو حسن مزیں سے میں نے یہ قصبہ بیان کیا ان لوگوں نے فرمایا کہ ارے حق! وہ ابو جعفر مجتہد مہم تھے، ہم تو خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں، کہ ان کی زیارت نصیب ہو، دیکھ اب کس بل جائیں تو ان سے لپٹ جانا ممکن ہے کہ ہم بھی ان کو دیکھ پائیں، میں نے کہا بتا اچھا اس کے بعد وہ سختی میں ملے اور نہ عرفات میں لیکن جب میں کٹکری مار رہا تھا، اس وقت ایک شخص نے پیچھے سے مجھ کو کھینچا، اور کہا ابو حسین! السلام علیک، مڑ کر دیکھا تو وہی تھے، مگر اس مرتبہ ان کو دیکھ کر ایسی وحشت سوار ہوئی کہ میں چیخ مار کر بیوش ہو گیا، جب میں ہوش میں آیا، تو وہ جا چکے تھے،

وہاں سے میں مسجد خیف میں گیا، اور اپنے باروں کو اس واقعہ کی اطلاع کی، جب کہ سے روانگی کا دن آیا اور میں نے طواف و دعا کیا اور مقام ابراہیم کے پاس طواف کی دو رکعتیں پڑھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آج پھر کسی نے مجھ کو پیچھے سے کھینچا، اور کہا ابو حسین آج نہ چھینا، میں نے کہا نہ چھینوں گا، مگر میری درخواست ہے کہ آپ میرے لئے دعا کریں، انھوں نے فرمایا جو مانگا چاہتے ہو مانگو، میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں اور انھوں نے میری دعا پرائیں کسی، اس کے بعد غائب ہو گئے، آدمی نے ابو حسین سے پوچھا کہ وہ تین چیزیں کیا تھیں، انھوں نے کہا:

ایک یہ کہ اسے اللہ فقر کو میرے لئے محبوب بنا دے، چنانچہ فقر سے زیادہ آج مجھ کو کوئی چیز محبوب نہیں ہے،

دوسری یہ کہ اللہ میں کل کے لئے کبھی کچھ اٹھانہ رکھوں، چنانچہ ایک مدت گزرنے میں کل کے لئے کبھی کوئی چیز اٹھانہ رکھی،

تیسری یہ کہ اسے اللہ جب تو اپنے دوستوں کو اپنے دیار کی اجازت دے تو مجھ کو بھی ان میں شامل فرما، اس کا میں امیدوار ہوں،

جو حضرت زید و ماکا برادری میں تھے، ابو عباس بن عطاء کے ہم عصر تھے، غزوہ سے بالکل کٹ کر رہتے تھے، ان کی وفات ۳۲۵ھ میں ہوئی۔ (ابن جوزی)

ابو حامد بن الشری

اپنے زمانہ میں فن حدیث میں مکتب تھے، ابن خزیمہ فرماتے تھے کہ ابو حامد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انتر پر دانی کا راستہ روکے ہوئے ہیں، ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ کان کشی و الجھ کر وہ کثیر حج کرتے تھے، ۳۲۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ابو علی بن ابی صبرہ شافعی

ست ہند پایہ شافعی مذہب نقیب تھے، چونکہ ۳۱۶ھ سے ۳۲۲ھ تک عراق کے راستے کوئی شخص حج کے لئے نہیں جاسکا قرمطیوں کے ہوناک مظالم کی وجہ سے حج کا یہ مانتہ دس برس تک سدور رہا تھا، اس لئے بغداد کے ایک رئیس ابو علی عمر بن یحییٰ (جن کو قرمطی ان کی بہادری اور جو دشمنان کو بہ سے مانتے تھے)، نے قرمطیوں سے اس شرط پر بھجوتہ کر لیا کہ فی اونٹ پانچ دینار اور اگر اونٹ پر کچا وہ ہے تو فی کچا وہ سات دینار تم لوگ وصول کر کے حاجیوں کو حج کے لئے جانے دو انھوں نے اس کو منظور کر لیا، یہ پہلا دن تھا کہ حاجیوں پر ٹیکس لگا،

آفاق سے اس سال ابو علی بن ابی صبرہ خراسان سے حج کے لئے روانہ ہوئے، جب وہ اپنے جہاں ٹیکس وصول ہوتا تھا اور ان سے ٹیکس کی رقم مانگی گئی، تو انھوں نے اپنی سواری کا دست خراسان کی طرف پھیر دیا، اور یہ کہہ کر وطن واپس ہو گئے، کہ میں اس رقم کی محبت اور کنجوسی کی وجہ سے واپس نہیں مورا ہوں، بلکہ اجازت ٹیکس لگنے کی وجہ سے حج کی فرصت ساقط ہو گئی،

(ابن جوزی و ابن کثیر)

علی بن عیسیٰ وزیر مقتدر

خلافت عباسیہ کے دور میں مقتدر اور قاهر کے وزیر تھے، بکثرت احادیث کی سماعت کی تھی اور
 جہانی نے ان سے حدیث بھی روایت کی ہے، نہایت فاضل و باعفت اور قابل و ثوق و باعظمت شخص تھے،
 فصل روزوں اور نوافل کی کثرت کے ساتھ ملاوت بھی بہت کرتے تھے، اہل علم سے ان کو بہت محبت تھی
 اور ان کی صحبت میں بہت بیٹھتے تھے، خود ان کا بیان ہے کہ میں نے سات لاکھ دینار کمائے اور ان میں
 سے نیکی کے کاموں میں چھ لاکھ اسی ہزار دینار خرچ کئے،

لیکن جب ادب آیا اور اپنے منصب سے معزول ہوئے تو حکومت ان کو سبکی طرف جلا وطن کر دیا،
 جب یہ کہہ آئے ہیں تو موسم نہایت گرم تھا، گویا آگ پر رہی تھی، اسی حالت میں انھوں نے بیت المقدس کا
 طواف کیا اور مخارمہ کی سعی کی، فارغ ہوئے تو ہوش ٹھکانے نہ تھے، گھر پہنچ کر ایک دم بڑھ گئے اور
 کہا کہ آج اللہ سے برت کے ایک گلاس کا خواہشمند ہوں، خادم نے ٹھنڈی سانس پھر کر کہا کہ یہاں
 یہ کمان ممکن ہے، انھوں نے کہا مجھے معلوم ہے، اگر خدا چاہے گا تو میں پہنچا دے گا، شام تک سر
 کر دے، کہتے ہیں کہ دیر کے بعد ایک بادل اٹھا اور برشا شروع کیا بارش ساتھ خوب بڑے بڑے
 نہایت کثرت سے اوٹے بھی گرے، خادم نے بہت سے ادبے جمع کئے، اور چھپا کر رکھ دیئے، اس دن
 وزیر موصوف روزہ سے تھے، جب شام ہوئی، تو مسجد میں ان کا خادم مختلف قسم کے شربت برت
 ڈال کر لایا، وزیر نے سارے شربت صوفیوں اور حرم کے مجاہدوں کو پلا دیئے، خود کچھ نہیں پیا، نماز
 کے بعد گھر آئے، تو خادم نے جو ادبے چھپائے تھے ان سے دوسرا شربت تیار کیا اور انکو قسم دے کر پلا
 چاہا تو بڑی مشکلوں سے انھوں نے پیا اور کہا جس وقت برت کی تمنا کی تھی، کاش اس وقت برت
 کے بجائے اپنی مغفرت کی تمنا کی ہوتی، وزیر موصوف کی وفات ۳۲۵ھ میں ہوئی، (ابن کثیر)

محمد بن عبد اللہ بن دینار نیشاپوری

ان کا لقب زاہد تھا، حنفی مذہب کے فقیہ تھے، ابن شاہین نے ان سے حدیث بھی روایت

کی ہے عبادت کی شغولیت کی وجہ سے فوے کے کام سے بھی کنارہ کش تھے، موسمِ دوام اور شب بیداری کے سخت پابند تھے، ناواری پر صابر تھے، اپنے ہاتھ کی کائی کے سوا کچھ نہیں کھاتے تھے، ان کا التزام تھا کہ ہر دسویں سال حج ادا کر تھے سالِ جہاد میں شرکت کرتے تھے ہشتادویں حج سے واپس ہو رہے تھے، کہ یکم صفر کو بغداد میں انتقال کیا۔

ابوالقاسم زجاجی نحوی

عبدالرحمن بن اسحاق نام تھا، خود سنت کے امام تھے، نحو میں ان کی کتاب اہل بہت نافع و مفید ہے، یہ کتاب انھوں نے مکہ منظمہ میں تصنیف کی ہے، اس کا ایک باب لکھ لیتے تو خاد کعبہ کا طواف کر کے دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو نفع پہنچائے، اسی طرح پوری کتاب لکھی و زجاج داہن الانباری و ابن ورید وغیرہ کے شاگرد تھے، مگر ابوالقاسم زجاج سے زیادہ خصوصیت تھی اس نے نجاشی کے جانتے تھے، سلسلہ میں ان کی وفات ہوئی، (داہن کثیر و بلیہ)

محمد بن ابراہیم ابو عمر زجاجی

نیشاپور کے رہنے والے ضعیف و دوس، داہن عثمان مغربی کے صحبت یافتہ تھے، مگر میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہاں کے شیخ القنویہ تھے، انھوں نے ساٹھ حج کئے تھے، چالیس سال کہیں رہنے کے باوجود کبھی انھوں نے حرم کے اندر پیشاب پاخانہ نہیں کیا، جب ضرورت ہوتی حرم کے باہر جا کر ضرورت پوری کرتے تھے، سلسلہ میں ان کی وفات ہوئی، (داہن کثیر و ابن جزی)

حافظ ابوالقاسم زجاجی نیشاپوری

ابراہیم بن محمد نام تھا، ابن خزمیہ و ابن ابی حاتم وغیرہ کے شاگرد تھے، کثیر الروایہ، ثقہ تھے، علم حدیث کی تعیین میں بڑا رو بہ خرج کیا تھا، صرف ایک سفر میں مائیں ہزار

درہم صرف ہوئے تھے، اس کے ساتھ ساتھ نہایت عبادت گزار تھے، لگاتار حج کرنا ان کا معمول تھا۔
امام حاکم نے ان کا امتیازی وصف یہ بتایا ہے،

كان ابراهيم بن محمد المزمكي
من العباد المجتهدين الحاجين
المنفقين على العلماء،
ابو اسحاق مزمكي جفاکش ما بہ کثرت سے
حج کرنے والے اور علماء پر خرچ کرنے والے
لوگوں میں تھے،

(ابن الجوزی)

ان کی وفات ۳۶۳ھ میں ہوئی،

ابو احسن سہمتانی

محمد بن اسحاق نام تھا، محدث تھے، اور نہایت جفاکش مابہ، ان کی عادت تھی جب حج
کے لئے جہاد میں جاتے، تو شہزادوں کو خبر نہیں ہونے دیتے تھے، واپسی کے بعد کوئی پوچھتا کہ کیا
غائب ہو گئے تھے، جب بھی نہیں بتاتے تھے، ان کی وفات ۳۷۳ھ میں ہوئی،

(ابن الجوزی)

ابوزید مروزی شافعی

محمد بن احمد نام تھا، اپنے زمانہ میں شیخ الشافعیہ، اور فقہ کے ملاوہ زہد و عبادت تقویٰ
و عبادت میں امام تھے، بزار کا بیان ہے کہ میں نیشاپور سے کہ تک سفر حج میں شیخ ابوزید مروزی
درہم رکاب رہا ہوں، اس دوران میں مجھے علم نہیں کہ فرشتہ نے ان کا کوئی گناہ لکھا ہو
آپ کی وفات ۳۸۳ھ میں ہوئی،
(ابن کثیر و ابن الجوزی)

ابو احسین بن الرافار اور ابو عبد اللہ الدجاجی

یہ دونوں بزرگ بغداد کے بہترین قاری تھے، اور خوش آوازی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے،

۳۹۳ میں عورتی حاجیوں کا قافلہ بڑے تعجب کے ساتھ ایک عظیم الشان شہر کی صورت میں ابھرا۔
 علوی کی قیادت میں روانہ ہوا، اس زمانہ میں اسیفرائی بدوؤں کا ایک مشہور سردار تھا، جو حاجیوں
 کا راستہ روک کر ایک معقول رقم وصول کرتا تھا اور پھر اس کی حفاظت میں حجاج حج کے لئے جاتے
 تھے چنانچہ اس قافلہ کو بھی اسیفرائی نے روک کر محاصرہ کر لیا، اور چاہا کہ اس کو لوٹ لیں، قافلہ والوں
 نے اسے کی کہ کوئی رقم ملے کر کے اس کو دیدی جائے، اور وہ ہمارا راستہ چھوڑ دے، اس کام کیلئے
 ابو عیسیٰ اور ابو عبد اللہ کا انتخاب ہوا، یہ دونوں جب اسیفرائی کے پاس پہنچے، تو انھوں نے نہایت
 کیفیت اور رقت انگیز اور دل ہلا دینے والی آواز سے قرآن پاک کی دس آیتوں کی تلاوت کی، اسیفرائی
 کو ان کی قرأت بیدار پئی، اور اس کے تاثر کی کوئی انتہا نہ رہی، اس نے پوچھا بلند میں آپ
 لوگوں کی کیسی گزرتی ہے، انھوں نے کہا اچھی گزرتی ہے، لوگ ہمارا بڑا اکرام کرتے ہیں، سونا،
 چاندی اور قیمتی تم کے تحفوں سے ہماری عزت افزائی ہوتی ہے، اسیفرائی نے کہا کسی نے وہاں آپ
 دن میں دس لاکھ درہم بھی آپ لوگوں کی خدمت کئے ہیں، انھوں نے کہا ایک دن میں ایک ہزار
 درہم بھی کسی نے نہیں دیا ہے، اسیفرائی نے کہا کہ اچھا آج میں آپ لوگوں کو دس لاکھ دینا اس طرح
 دے، ہاں میں کہ آپ لوگوں کے طفیل میں اس قافلہ کو آگے بڑھنے کی اجازت دیتا ہوں، آپ سب
 تو دس لاکھ دینا سے کم ہیں راضی نہ ہوتا، یہ حضرات شکر یہ ادا کر کے واپس ہوئے، اور قافلہ امن
 اطمینان کے ساتھ روانہ ہو کر حج و زیارت سے بہرہ یاب ہوا۔

نویں ذی الحجہ کو جب سارے عالم اسلامی کے حجاج عرفات میں وقوف کے لئے اکٹھے
 ہوئے تو ان دونوں قاریوں نے جبل رحمت پر نہایت بلند آواز سے ایسی خوش الحانی کے ساتھ
 کلام پاک کی تلاوت کی کہ حاجیوں کے دل ہل گئے، اور گریہ و بکا کا ایک شور مچ گیا، اور
 کہ دس ہزار شام کے حجاج نے بندادیوں سے کہا کہ تمہارے اسرافت بیجا کی اس سے بڑھ کر
 دوسری مثال ہمارے علم میں نہیں ہے کہ ان دونوں قاریوں کو ساتھ ساتھ لاسے ہوا خدا نخواستہ
 منہ منور رہا، یہ سب اسکی وفات شہد میں ہوئی،

کوئی بات پیش آجاتی اور دونوں ہلاک ہو جاتے، تو پھر بغداد کی زینت کس چیز سے ہوتی، اور بغدادیوں کے پاس کیا ایذا فرد مباہات رہ جاتا، تم کو یہ چاہئے کہ ایک سال ایک قاری کو لاؤ اور دوسرے سال دوسرے حج سے فراغت کے بعد امیر قافلہ کا کادش علوی کو معلوم ہو کہ مدینہ کا راستہ خطرناک ہو اور بدوں کی ایک جماعت قافلہ کی تاک میں جمی ہوئی ہے، اس لئے اس نے زیارت مدینہ کو ملتوی کر کے سیدھے بغداد واپس جانے کا ارادہ کر لیا، ان قاریوں کو معلوم ہوا تو قافلہ سے آگے نکل کر اس مقام پر بیٹھ گئے، جہاں سے مدینہ کی طرف کو راستہ مرتا ہے اور بیٹھ کر قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کرنا شروع کی:-

وما کان الا ہل المدینۃ ومن	نہ چاہئے مدینہ والوں کو اور ان کے گرد کے
حولہم من الاعراب ان یتخلفوا	گنواروں کو کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ
عن رسول اللہ ولا یرقبوا	سے اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو زیادہ چاہیں
بأنفسہم عن نفسہ	رسول کی جان سے،

(۱۱-۴)

ستے ہی قافلہ والوں نے چلا چلا کر روانہ شروع کیا، اور بے اختیار اونٹنیوں کی گردنیں مدینہ کی طرف کو مڑ گئیں، قافلہ اور قافلہ سالار سب مدینہ کی راہ پر چلے گئے، اور نہایت امن و راحت کے ساتھ مدینہ پہنچ کر زیارت کی سعادت حاصل کی، اور وہاں سے بخیر و خوبی بغداد واپس آئے، خدا کے فضل سے کیس کوئی خطرہ پیش نہیں آیا،

ابو یحییٰ بن زہار کی وفات سنہ ۳۳۵ میں بغداد میں اور ابن الدجاجی کی وفات سنہ ۳۳۷ میں ہوئی، (مستظلم و ابن کثیر)

ابو الحسن محمد بن ابی اسماعیل علوی

محدث اور شافعی المذہب فقیہ تھے، تصوف میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، انھوں نے کئی بار تنہا حج کیا تھا، سنہ ۳۹۵ میں ان کی وفات ہوئی،

محمد بن محمد بن عمر ابو اسحاق شعلوی

کو فیہ مطبوع کے نقیب تھے، حجاج کے قافلہ کی قیادت ان کے سپرد تھی، دس سال یہ خدمت انھوں نے انجام دی، کہ عراقی حجاج کو اپنی نگرانی و انتظام میں حجاز لیجاتے، اور وہاں سے واپس لاتے،
۳۰۳ھ میں ان کی وفات ہوئی، (مستظلم صفحہ ۲۶۵)

حافظ ابن الفرغی قرطبی،

حدیث کے حافظ اس فن کے امام اور تاریخ الانس کے مصنف تھے، اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد تصنیفات ہیں، حافظ ابن عبد البر نے ان کی نقابت اور جامعیت کی تعریف کی ہے، ابو مردانہ کا بیان ہے کہ ہم نے ابن الفرغی صیاد وسیع، راویہ، حافظ حدیث، رجال کا عارف اور مختلف علوم و فنون کا جامع، اولیٰ بنین دیکھا،

دو مسئلہ میں حج کے لئے کوتاہی، اور وہاں متعدد شیوخ حدیث سے حدیثوں کی سماعت کی، ان کا خوب بیان ہے کہ میں جب حج کو گیا تو کعبہ کا پرہہ پہن کر میں نے دعا کی کہ خداؤ! مجھ کو شہادت نصیب فرما، جب دعا کر کے چلا تو قتل کی ہول کی کو سوچنے لگا، مجھ کو ہشمانی ہوئی، اور جی چاہا کہ لوٹ چلوں اور اللہ سے معافی مانگوں لیکن مجھ کو خدا سے شرم معلوم ہوئی، اور اس ارادہ سے باز رہا۔

ان کی اس دعا نے شرف قبولیت پایا، اور ۳۰۳ھ میں ہجریوں نے ان کو قتل کر دیا، نہایت سخت فتنہ کا وقت تھا، اس لئے تین دن تک اپنے گھر میں بے گور و کفن پڑے رہے، اس کے بعد غسل و کفن مہنون ہوئے، عربی زبان میں ان کی مناقبات کیفیت و اثر میں ڈوبی ہوئی ہے،

اسیر الخطایا عند بابک واقف	علی وجہ ہمایہ انت عارف
اسیر گناہ قیرے در پہ کھڑا ہے	ان باتوں کی وجہ سے سہا ہوا ہے جو تجھے معلوم ہیں
خداوند نہ تو لایف غلغ غلبہا	دیو جو کہ فیما فہو راج و خائف

ومن ذا الذي يرحي سواك ويتقى ومالك في فصل القضاء مخالف

فيا سيدى لا تخزنى فى صحيفتى اذا نشرت يوم الحجاب صحائف

دكن مونسى فى ظلمة البحر عند ما يصد ذوو القربى ويخفوا لوالف

لئن ضاع عسى عفوكم الواسع الذى ارجى - لاسرا فى - فانى لما لفت

(ابن كثير و تذكرة)

(ابن كثير و تذكرة)

ابو عبد اللہ بن حنیف شیرازی

کبار مشائخ صوفیہ میں سے ہیں، روئے کم ابو علی رودباری، ابو بکر کانی، ابو یعقوب نر جوہری اور ابو الحسن مزین وغیرہم کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے ہیں، عبداللہ بن احمد شاروانی، اور عبداللہ بنغرا زہ کانی وغیرہما سے حدیثیں سنیں،

بچپن ہی سے آپ کی مادیت تھی کہ وقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہونے دیتے تھے، صبح سویرے نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے، جب آفتاب خوب بلند ہو جاتا تو اشرق کی نماز پڑھ کر اپنے معاش کے کام میں لگ جاتے، ظہر کا وقت آتا تو ظہر کے فرض اور اس کی سنتوں سے فارغ ہو کر عصر تک نوافل پڑھتے رہتے، عصر سے فارغ ہو کر شام تک علم حدیث کی تحصیل میں مشغول رہتے، مغرب کے بعد عشاء تک اوراد و وظائف پڑھتے، عشاء کی نماز کے بعد جن اوراد کا التزام تھا

ان کو پرار کے گھر جاتے اور کھانا کھانے کے بعد چالیس حدیثیں لکھ کر بہت بخوشی دیر سوتے، اس کے بعد اٹھ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہتے۔

آپ شریعت و طریقت کے جامع تھے، فرماتے تھے، کہ جزا ہر اپنے زہد کے درخت کو علم کا پانی نہ دے گا، بہت جلد اس کا درخت سوکھ جائے گا، اور جو عارف اپنی معرفت کو شریعت کے ذریعہ درست نہ کرے، اور شریعت سے اس کا مقابلہ نہ کرے، عنقریب بے معرفت ہو جائے گا۔ نیز فرماتے تھے کہ مشائخ تصوف میں سے جنید بغدادی، رستم ابوالعباس عطار، عمر دین عثمان کی پیروی کرنی چاہئے، اس نے کہ یہ لوگ علم اور حقیقت دونوں کے جامع تھے، دوسرے مشائخ اباب مال تھے، ان سے استغفر کی حالت میں بعض ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں کہ استغفرانی کیفیت زائل ہونے کے بعد وہ ان باتوں سے توبہ و استغفار فروری سمجھتے تھے۔

آپ نے سچ جج کے ہیں چوتھے جج میں اپنی والدہ کو بھی ساتھ لے گئے تھے، پہلے جج میں ان کا قافلہ رات بھول گیا، اور سخت تکلیف و مصیبت کا سامنا ہوا، زاد راہ ختم ہو جانے کے بعد اضطراب کی ذہن آہنچی مجبوراً ان کے ساتھیوں نے کتے کا گوشت کھا کر جان بچائی، انھوں نے پیادہ پٹا بھی جج کیا ہے،

ایک مرتبہ قریبیوں نے ان کو گرفتار بھی کر لیا تھا، مگر قریبیوں کو شکست ہوئی، اور یہ بچ نکلے، کم مغفہ میں سعد و مشائخ تصوف کے ملاقات و صحبت، ہا کرتی تھی، مثلاً ابو الحسن، ابو یحییٰ، راج ذہیر ہماستہ میں سفر حج سے واپس ہوتے تھے، ابو نفصل حمزی سے حدیثیں بھی سنی تھیں، آپ کی وفات سنہ ۷۱۰ میں ہوئی۔

ابو عثمان مغربی سعید بن سلام

مشائخ صوفیہ میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے، دراصل قیران کے رہنے والے تھے، وہاں شہر آباد و غیرت رستہ میں رہے، پھر مدینہ منورہ میں مقیم رہے، ان کا معمول تھا کہ حج کے

موسم میں جلدی ظاہر ہوتے تھے، روپوش سے رہتے تھے، تاکہ ان کے پاس متقدمین کا ہجوم نہ ہو
 پائے، ان کا حال و مقام بہت بلند تھا، بڑے صاحب کرامات تھے، ابوسلمان خطابی محدث اہل
 ان کے سوا دوسرے علمائے ظاہر بھی ان کے تلامذہ تھے، سنہ ۳۲۰ھ میں وفات پائی،
 (ابن کثیر وغیرہ)

ابوالقاسم نصرآبادی

ابراہیم بن محمد نام تھا، حفظ حدیث و علم تاریخ وغیرہ کے علاوہ تصوف میں شیخ وقت تھے
 بڑے بڑے مسائخ مشائشی درودباری کی صحبت میں رہے تھے، نیشاپور وطن تھا، اخیر عمر میں حج کے
 لئے آئے، اہل حرم کے جاوید ہو گئے، سنہ ۳۲۰ھ میں حج کیا تھا، اور سنہ ۳۲۰ھ میں وفات پائی، فرماتے تھے،
 کہ جب کوئی شخص زاہد مشہور ہونے لگے، تو ادب یہ ہے کہ دنیا کا کچھ سامان لوگوں کو دکھانے کیلئے
 اپنے پاس رکھنے دے تاکہ اس کی یہ شہرت ختم ہو جائے، کام کا مدار تو دل پر ہے، فرماتے تھے کہ بعض لوگ
 عورتوں کی مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں، یا اپنی مجلس میں ان کو بیٹھنے دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم ان کو
 دیکھنے میں گناہ سے محفوظ ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، جب تک جسم باقی ہے، اس وقت تک بندہ اورو
 تنسی کا فحاطب ہے، بالخصوص مجرد لوگ،

فرماتے تھے کہ اصل تصوف کتاب و سنت کی پابندی، بدعتوں اور خواہشوں کا ترک
 شائخ کی حرمتوں کا پاس دکانا، مخلوق کے لئے خدمت و تلاش کرنا، اور اذیت و امت اور خستوں اور
 (تاریخوں سے پتہ چاہے) (تاریخ جلد ۱ ص ۱۰۵)

ابن خضر ابو وزیر

جعفر بن یفضل نام تھا، کافر و خشیہ کے وزیر تھے، محدث بھی تھے، مصر میں ائمہ حدیث
 کی ایک مجلس قائم کی تھی، اس میں شرکت کے لئے امام تطنی بغداد سے سفر کر کے معر گئے تھے، دار

اور دوسرے اکابر نے ان سے رویت کی ہے، انھوں نے مدینہ منورہ میں پونہ خاک ہونے کیلئے دہر
 پر ایک گھر خریدا، جب ان کی وفات ہوئی، وہاں کی نقش مدینہ پہنچی، تو چونکہ وہاں کے سادات
 و اشراف پر ان کے بہت احسان تھے اسلئے وہ لوگ ان کی نقش کو لئے کر گئے، اور اس کو بت، شد کا
 طواف کرایا، پھر اپنے ساتھ ساتھ عرفات لے گئے، اس کے بعد مدینہ منورہ لاکر اس کو دفن کیا،
 ان کی وفات ۳۹۷ھ میں ہوئی،

قاضی القضاۃ ابو محمد ناصحی

آپ کا نام عبد اللہ بن یحییٰ تھا، فقہائے اخاف میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا،
 عبد اللہ بن فارسی، ان کو نام الاسلام کہا ہے، سلطان الاسلام محمود غزنوی کی طرف سے اس کے
 مالک محروسہ کے قاضی القضاۃ تھے، آپ کی وفات ۴۳۷ھ میں ہوئی،

۴۳۷ھ ہجری کے، ہم واقعات میں مورخین نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ اس سال علماء
 امام مسلمانوں کی ایک جماعت نے محمود غزنوی کے حضور میں ایک عرضداشت پیش کی کہ آپ
 سلطان الاسلام ہیں، اس وقت آپ سے بڑا کوئی سلطان بادشاہ نہیں ہے، آپ کی ہمت و قہر
 سے ہر سال کفار کے نئے نئے شہروں میں اسلامی ظلم نصب ہوتا ہے، یہ آپ کا عظیم الشان کارنامہ جو اگر
 بے انصاف کی بات ہے کہ کئی سال سے عراق و حجاز کا حج کے لئے جانا تقریباً بند ہے، بلکہ
 گزشتہ ۱۰ سالوں میں کوئی ایک حاجی بھی نہیں جاسکا ہے، بدر بن حنیہ زندہ تھا، تو اس نے
 بیدار بن دولت مرث کر کے بیس سال تک حجاز کی روانگی کا انتظام کیا، جو اس کی وفات کے بدختم
 ہو گیا، آپ کے ملازمان دولت میں ہر امیر و حاکم ہر مذکور سے برتر ہے، آپ کے ادنیٰ اشارہ سے حج کا
 راستہ کھل سکتا ہے، اور اس میں بھی کچھ ثواب نہیں ہے، اس لئے خدا کے واسطے اس طرف بھی توجہ
 کیجئے، اور اس کا اہتمام فرماتے،

محمود غزنوی نے عرضداشت سن کر اپنے مالک محروسہ کے قاضی القضاۃ ابو محمد ناصحی کو حکم دیا کہ

وہ حج کی تیاری کریں، اور خراسان میں اعلان کر دیا، کہ جو حج کے لئے جانا چاہے وہ تیار ہو جائے
اس کے بعد ابو محمد نامی کو تیس ہزار دینار دے کر راستہ میں جہاں جہاں بد و مزاحمت کریں ان کو دے
دے کر راضی کیا جائے،

الغرض ابو محمد نامی کی قیادت میں حجاج کا قافلہ روانہ ہوا، خلیفہ ہند ا کی جانب ابو حسن
بھی ہمیشہ امیر حج اس قافلہ میں تھے، جب قافلہ فید میں پہونچا تو بد دؤں نے اس کو گھیر لیا
پہلے نامی نے پانچ ہزار پیش کئے کہ یہ رقم لے کر وہ قافلہ کو آگے بڑھنے دیں، مگر بد و راضی نہیں ہوئے
اور قافلہ کو لوٹنے کی ٹھان لی، ان کے سردار کا نام جہاز تھا، پہلے اس نے ایک گھوڑے پر سوار
ہو کر نیرۃ مانے ہوئے قافلہ کو مرعوب کرنے کے لئے قافلہ کا ایک چکر لگایا، سمرقندیوں کی جماعت
میں ایک لڑکا عفان نامی بڑا تیر انداز تھا، اس نے جو تاک کر تیر چلایا تو وہ جہاز کے دل میں پست
ہو گیا، جہاز چکر کر گرا اور ختم ہو گیا، بد و یہ نقشہ دیکھ کر بھاگے، اور قافلہ آگے کو روانہ ہوا، اور ان
دعائیت کے ساتھ مکہ پہنچ کر حج کیا، پھر امن و اطمینان کے ساتھ واپس بھی ہوا،
(ابن ابجوزی و ابن کثیر)

حافظ ابو ذر سہروردی

ان کا نام عبد بن احمد تھا، ہرات وطن تھا، حدیث کے زبردست حافظ اور اس کے بہت بڑے
راوی تھے، اس کے لئے بہت سے شہروں کی خاک چھانی تھی، خلیف کا بیان ہے کہ ابو ذر جب ہند
سے گزر رہے تھے، تو وہاں انھوں نے لوگوں کو حدیثیں سنائی تھیں، مگر میں اس وقت ہند اسے
باہر تھا، وہ وہاں سے حج کو گئے، اور مکہ میں مجاور ہو گئے، پھر انھوں نے عرب ہی میں شادی کرنی
اور سمرۃ بنی شباہ (طائف کے نواح) میں مقیم ہو گئے، مگر ان کا دائمی معمول تھا کہ ہر سال حج کو آتے،
اور حج کے موسم میں ملا، و طلبہ حدیث کو حدیثیں سناتے، پھر سمرۃ چلے جاتے، ذہبی نے ان کو شیخ
کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی وفات ۳۳۵ھ میں ہوئی،

(تذکرہ ابن کثیر، ابن ابجوزی)

ابو عبد اللہ محمد بن محمود شہی

میشاپور کے رہنے والے تھے، متنازعہ تھے، اُن کا بیان ہے کہ جب میں نے سفر حج کا ارادہ کیا تو علماء حدیث نے مجھے تاکید کی کہ بغداد میں ابو علی تمیمی سے منہ احمد ابو طالب بن خیلان سے فائدہ لو، بکر شافعی کی سماعت کر کے سند خود لے لینا، بغداد پہنچ کر بن خیلان سے حدیث سننے کا خیال جب میں نے ظاہر کیا، تو مجھے بتایا گیا کہ وہ تو سخت بیمار ہیں، میں نے پوچھا علم کیا ہے، معلوم ہوا، ایک سو پانچ سو برس کی عمر ہے، میں نے کہا تب تو عہد ہی کرنی چاہئے، مگر میرے مشینے بامرار کہا کہ پہلے چک کر لو، اور اطمینان دلایا کہ ان شاء اللہ وہ مرین گئے نہیں، بہر حال میں کہہ رہا نہ ہو گیا، اور حج سے فارغ ہو کر لوٹا تو واقعی وہ زندہ تھے، اور میں نے اُن سے حدیثیں سنیں، رشیدی کی وفات ۳۹۴ھ میں، اور ابن خیلان کی سند میں ہوئی، (ابن ابی عمیر و ابی ابی)

شیخ الاسلام ابو عثمان صابونی

اسامیل بن عبد الرحمن نام اور میشاپور وطن تھا، تفسیر، حدیث اور فقہ میں امام تھے، اعلیٰ درجہ کے خطیب و اعظم بھی تھے، ساٹھ برس تک وعظ فرمایا، اور تقریباً بیس برس تک میشاپور کے خطیب رہے، ابن خزیمہ و حاکم کے شاگرد اور بقی کے اساذ تھے، ابن عساکر محدث نے اپنی تاریخ میں دل کھول کر ان کا ذکر کیا ہے، سفر حج میں وہ دمشق سے گزرتے تو وہاں حدیثیں بھی سنیں اور وعظ بھی فرمایا، امام بحرین جن کا ذکر آئے گا، فرماتے تھے کہ میں جب کہ میں تھا، تو عقائد کے باب میں متردد تھا کہ کس مسلک کو اختیار کرنا چاہئے، ایک دن خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، تو آپ نے فرمایا علیک باعتبار الصابونی (تم صابونی کے عقائد اختیار کرو)، (ابن کثیر و ابی ابی) امام صابونی کا عقیدہ چھپ کر شائع ہو گیا ہے، اُن کی وفات ۳۹۴ھ میں ہوئی،

امام بیہقی

احمد بن حسین نام ابو بکر کنیت تھی، بیہقی (سبزوار) وطن تھا، فقیہ، محدث، اصولی اور مشہور مصنف و حافظ حدیث ہیں، حاکم صاحب مستدرک کے شاگرد تھے، بڑے عابد و پرہیزگار تھے، زادانہ زندگی گزارتے تھے، سنن کبریٰ، معرفۃ السنن والآثار، دلائل النبوة اور شعب الایمان کے ناموں کے کون واقف نہیں ہے، یہ انھیں کی تصنیفات ہیں، امام الحرمین (شافعی) کا مقولہ ہے کہ امام شافعی کا ہر شافعی پر احسان ہے اور بیہقی کا امام شافعی پر احسان ہے، امام الحرمین کا یہ قول ان کتابوں کے پیش نظر ہے جو بیہقی نے امام شافعی کی تائید و حمایت میں لکھی ہیں۔ آخر عمر میں ائمہ علم کی درخواست پر بیہقی سے نیشاپور آگئے، وہاں ان کیلئے ایک خاص مجلس درس قائم ہوئی اور انھوں نے اپنی تصنیفات سنائیں اس مجلس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے۔

آپ کا سفر حج بڑا ممتاز سفر تھا، اس لئے کہ اس میں شیخ الصوفیہ امام ابوالقاسم قشیری اور امام الحرمین بھی ساتھ تھے، آپ کی وفات ۴۵۰ھ میں ہوئی۔ (ابن کثیر و تذکرہ)

خطیب بغدادی

احمد بن علی نام تھا، نہایت مشہور حافظ حدیث ہیں، ان کی تصنیفات میں تاریخ بغداد کو مالگیر شہرت حاصل ہے، جو چودہ جلدوں میں مصر سے شائع ہو چکی ہے، اصول حدیث ان کی کتاب الکفایہ حیدرآباد میں چھپی ہے، ان کے سوا تقریباً سو کتابوں کے وہ مصنف ہیں، شافعی آئندہ تھے، فقہ میں ابو غالب جہری کے شاگرد تھے، نیشاپور و اصفہان اور شام و حجاز وغیرہ میں انھوں نے حدیثیں سنیں، ۴۵۰ھ میں انھوں نے دمشق کا سفر کیا تھا، اسی سال حج کیا، حج میں اس سال قضاعی محدث بھی آئے ہوئے تھے، خطیب نے ان سے حدیثیں سنیں، وہ وہیں کریمیت احمد کے پاس جو مسجد بخاری کی مشہور راوی تھیں، پانچ دن میں مسجد بخاری سنا کر ختم کی،

خطیب بغدادی فرماتے تھے کہ میں نے اب زمرہ مچنے وقت نیت کی تھی کہ میں بغداد
 پہنچ کر اپنی تاریخ بغداد اور کون کون سے لوگوں کو دیکھوں اور یہ کہ میں بغداد پہنچ ہی میں دوں اور مرنے کے بعد بغدادی
 کے پاس مجھ کو جگہ سے دو باتیں تو پوری ہو چکیں کہ بغداد پہنچ گیا اور تاریخ بغداد میں ایک کتا مولیٰ
 کو تیسری بات بھی پوری ہوئی۔ وہ اس طرح سفر میں کامیاب رہا کہ سفر میں ہم خطیب بغدادی
 کے ساتھ تھے، اس سفر میں ہم نے ان کو دیکھا ہے کہ زمرہ ایک ختم قرآن پاک پر سارے تھے پتلیا
 کے ساتھ پڑھتے تھے، ان کے ہاتھ میں ختم قرآن تھا، اس کے بعد لوگ سواری کی حالت
 میں ان کے گرد اکھاموتے تھے، اور ان کے شانے کی دھواں سے گزرتے تھے، وہ سنا سنا کر دنا
 کراتے تھے۔ دیکھ کر

خطیب بغدادی میں کلام نہیں، مگر بن ابی حزمی وغیرہ نے ان کے مذہبی تعصب کا سخت
 شکوہ کیا ہے۔ بغدادی کا اصل کسی نے تو یہاں تک کہ یہ ہے کہ مجھے قدیمین میں ان میں شخصوں
 سے ان کی شدت تعصب اور بے اندیشی کو دیکھتے ہوئے کہ وہ ان کو بالکل پسند
 نہیں کرتے۔ ایک حکم دوسرے ابو نعیم تیسرے خطیب

خطیب بغدادی کے توجہ میں خطیب کا اندر کیا ہے، بن ابی حزمی نے اپنی تاریخ میں
 اس کی کچھ تفصیل دی ہے۔ درجہ خطیب کا زور دار کیا ہے، ابن کثیر شافعی نے، بن ابی حزمی کا
 ان باتوں کا ذکر تو کیا ہے مگر خطیب کی حمایت میں انہوں نے ایک غلط فہمی نہیں لکھا ہے خطیب
 کی وفات ۳۵۰ھ میں مولیٰ، اور بنی بصریہ کے مطابق بشرحانی کے پہلو میں۔ دونوں مولیٰ
 ان کے جنازہ کو گھر دھار دیتے دیتے لوگوں میں شیخ ابو سید شیرازی بھی تھے، اور اس میں
 کچھ شبہ نہیں کہ خطیب اس حدیث کے ہے بغیر، لم، اور خاتمہ، حفاظت تھے، مومن ساجی نے
 بیچ لکھی ہے کہ دقطنی کے بعد خطیب بمقامت بغداد میں پیدا نہیں ہوا، خطیب بغدادی
 ۳۵۰ھ میں وفات پائی بن ابی حزمی کے بیان سے مختلف ہے، وہی نے ان باتوں میں سے ایک بات
 بیان کی ہے۔

میں مذکورہ بالا کمالات کے سوا یہ کہ ل بھی تھا کہ وہ دمشق کی جامعہ اموی میں اتنی بلند آواز سے حدیث پڑھتے تھے کہ ان کی آواز جامع کے آخری حصہ تک پہنچتی تھی اور پورے اعراب کے ساتھ نہایت صحیح پڑھتے تھے،

ان کمالات کے باوجود ان میں بڑوں کا احترام اور تواضع بھی اس درجہ تھی کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ابوہریرہ حافظ آپ ہی ہیں، انہوں نے کہا میں احمد بن علی خطیب ہوں حفظ حدیث کا تو دارقطنی پر فائز ہو چکا،

اعلم السنۃ حافظ ابو نصر سجری

عینہ بن سید نام تھا، سجتان کے ایک گاؤں دہل کے رہنے والے تھے، سنہ ۳۵۰ کے بعد طلب علم کی نیت سے دہل کو خیر باد کہا اور خراسان و عراق و شام و مصر میں حدیث کا علم حاصل کیا اس کے بعد حرم مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی جہاں کا بیان ہے کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں تھا کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی میں نے ٹھکر دو روزہ کھولا تو ایک عورت داخل ہوئی اور اس نے ایک ہزار دینار کی قمیضی شیخ کے سامنے رکھ کر کہا کہ آپ اس کو جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں، شیخ نے پوچھا تمہاری تمنا کیا ہے؟ اس نے کہا میری تمنا ہے کہ آپ مجھ سے عقد کر لیں، اور یہ تمنا صرف اس واسطے ہے کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں ورنہ مجھ کو شادی کی قطعاً خواہش نہیں ہے، شیخ نے اس سے کہا قمیضی ٹھکرا دو، اور سمجھ بیچ کر اس کو رخصت کر دینے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں سجتان سے تحصیل علم احادیث کی نیت رکھنے نکلا ہوں، اگر شادی کروں تو طلب علم کی فرست سے میرا نام خارج ہو جائے گا، اور میں طلب علم کے ثواب پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا،

مسئلہ قرآن میں ان کی کتاب الامارۃ النبویۃ کی امامت بن پرشاد عدس ہے، حبال کا قول کہ ابو نصر حافظ صورت کی جیسے پچاس مانتوں پر بھاری میں، محدثین میں ایک حدیث

مسلسل بلاویہ کے نام سے شہرت رکھتی ہے، اس کے راوی بھی ابو نصری دنیا میں جتنے لوگوں نے اس حدیث کی سند لی ہے ان میں سے ابو نصر کا نام آتا ہے، آپ کی وفات کو مسئلہ میں ۳۴۷ھ میں ہوئی، قرشی نے طبقات حنفیہ میں ان کا ذکر کیا ہے،

شیخ الاسلام امام القراء ابو عمرو دانی

عثمان بن سعید نام، در قرطبہ (اسپین) وطن تھا، دانیہ میں سکونت کی وجہ سے دانی کہلاتے تھے، ۲۹۳ھ میں انھوں نے مشرق کا سفر شروع کیا، چار ماہ قیروان میں رہ کر مصر پہنچے، وہاں ایک سال قیام کرنے کے بعد حج کیا اور حج کے بعد ذی قعدہ ۳۹۹ھ میں واپس آگئے، اس سفر میں ہر جگہ انھوں نے حدیث اور قرأت کا علم حاصل کیا تا آنکہ شہ نے ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا کہ ان کے زمانہ سے سیکر آج تک کے تمام قراء ان کے مرہون سنت اور سب کی گروین ان کے آگے غم ہیں، از ہی نے سچ کہا ہے کہ انی ابی عمر والہنتھی فی اتفاق القراءت یعنی قراءتوں کا مضبوط و مستحکم علم ابو عمرو دانی پر ختم ہے، ۳۴۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی، (ان ذکرہ)

امام ابو القاسم قشیری

آپ کا نام علیہ کرم بن ہوزن تھا، ابو علی وفاق کی صحبت میں رہے تصوف اور ابو بکر طوسی سے فقہ شافعی، اور ابو بکر بن زک سے عہد کلام حاصل کیا، مشائخ تصوف میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے، ان کی کتاب الوصال للفقہ الشافعی یہ حقائق تصوف کی بہترین شرح ہے، سچے صوفیوں کے لئے مشعل راہ ہے،

آپ کا شاگرد بھی ہے، اس نے کہ آپ کا یہ سفر شیخ ابو محمد جوینی، امام الحرمین اور امام ہمدانی کی معیت میں بہت تشریف سرائی صوفیہ اور اس اشاعت ابو محمد جوینی مثنی الانام والامام

تفسیر فقہ امام احرین اس عہد کے سب سے اشرافیٰ تکلم اور امام ہقی اس زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث و امام فن تھے، امام قشیری نے اس سفر میں ہقی و امام احرین کے ساتھ بغداد و حجاز میں حدیثیں بھی سنی ہیں،
آپ کی وفات ۳۶۵ھ میں ہوئی،

امام احرین اور ان کے والد ابو محمد جوینی

عبد الملک بن عبد اللہ نام ابو المعالی کنیت تھی، نیشاپور کے گاؤں جوین کے رہنے والے تھے، مگر میں چار برس مجاور رہے، اس نے امام احرین کے لقب سے پکارے جاتے تھے، اپنے والد ابو محمد جوینی اور قاضی حسین کی خدمت میں فقہ شافعی میں کمال پیدا کیا، شیوخ حدیث سے حدیثیں سنیں، اس کے بعد چار برس مکہ میں رہے، جب نیشاپور واپس آئے، تو مدرس اخلاقیات اور غنا کا منصب ان کے سپرد ہوا، ان کی مجلس درس میں اطراف و کناف کے طلبہ حاضر ہوتے تھے، جن کی تعداد تین سو تک پہنچ جاتی تھی، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے ان کی کتاب فی تلابیب المطلب فی درایۃ المذہب کی نسبت کیا گیا ہے، کہ اسلام میں دوسری ایسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، امام ابو اسحاق شیرازی ان کو خطاب کر کے کہتے تھے:

انت الیوم ما ہذا کا مئے (آج آپ اماموں کے امام ہیں)

تاریخ ابن کثیر کے محشی نے لکھا ہے کہ ابن خلکان نے ان کی تصنیفات میں منیٰ غلق کا نام بھی لیا ہے، مگر ابن کثیر نے ابن خلکان کے حوالے سے تصنیفات کے نام نقل کرتے ہوئے منیٰ غلق کا نام نہیں لیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک بھی اس کی نسبت امام احرین کی طرف صحیح نہیں ہے، دراصل وہ کسی دوسرے کی تصنیف سے اور ازراہ فریب امام احرین کی طرف منسوب کر دی گئی، فقیر مؤلف کتاب ہے کہ جس طرح کتاب الامامۃ والایاتہ ابن قتیبہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے،

امام حرمین کی وفات شمس میں ہوئی ان کے انتقال پر وہاں بندہ ہی گئیں۔
ان کے متنازعہ گروہوں نے جن کی تہا و پارسو تھیں، اپنے قلم اور دواتیں توڑ ڈالیں،

(ابن اثیر)

شیخ ابو محمد جوینی، انھیں، اور بیٹے (امام حرمین) کے باپ تھے، ان کو کربلا کے سلام
و نفی الزام کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی سال میں دو بار
زکوٰۃ نکالتے تھے، نقد و اصول و دین و دنیا کے تمام تھے، ان کی وفات شمس میں ہوئی،
ان باپ بیٹوں نے، امام خیر و امام بقی کی میت میں حج کیا ہے،

کریمہ بنت احمد مروزیہ

مرو کے ایک گاؤں کشمیر کی رہنے والی تھیں، نہایت جید علم و محدث سے آراستہ خانو
تھیں، انھوں نے ابوہشیم کشمیری وغیرہ سے سنی بخاری وغیرہ کی سعادت کی تھی، بڑے بڑے
ائمہ محدث مثلاً خطیب بغدادی، سعدی، اور ابوطالب زہبی نے ان کے پاس بخاری پڑھی تھی،
ان کو اس کتاب کی سند کریمہ سے حاصل تھی، کریمہ نے مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، ۳۳۵ھ
میں کہیں انھوں نے وفات پائی کہ جس نے ان کے قیام کی مدت بہت طویل ہے، خبیث کے تذکرہ میں
آپ پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے ۳۳۵ھ میں کریمہ کے پاس کتب میں صحیح بخاری کی قرأت کی تھی،

(ابن بخاری)

نفی نے لکھا ہے کہ انھوں نے ترمذی، معزکاح نہیں کیا حرم کی مجاہدات میں زندہ لگی گذر گئی
سورس کی عمر پائی، ابن دؤکات و قلم و فرست میں مروی سے کم نہیں تھیں،

نسیہ حرم و نفی، اب کہ بیاج بن بئید

کھش مکہ بندہ تھے، بودہ دی وغیرہ سے علم و یت، اور دوسرے ساتھ سے

فقہ کی تحصیل کی تھی، مکہ میں، اگر مقیم ہو گئے تھے، اپنے زمانہ میں زہد و فقہ و کثرت عبادت میں منفرد تھے، تین دن کا صوم وصال اس طرح رکھا کرتے تھے کہ دو دن صرمت زہرہ کے پانی سے انتظار کر لیتے تھے، اور تیسرے دن کچھ مل جاتا تو کھا لیتے تھے، کمال یہ کہ روزانہ پیدل چل کر تین عمرے کرتے تھے، اور شاگردوں کو کنسی سبق بھی پڑھاتے تھے،

جب سے حرم میں قدم رکھا، کبھی جوئے پینے، ان کا معمول تھا، کہ ہر سال مکہ و یوں کے ساتھ ننگے پاؤں پیدل مدینہ جا کر مزار نبوی کی زیارت کرتے اور اسی طرح واپس آتے، چلنے وقت جو ان کا ہاتھ پکڑ لیتا، اس کے آدھورفت کے جہد معارف خود ادا کرتے، اسی طرح ابن عباس کے مزار کی زیارت کے لئے ہر سال حائف جاتے تھے، مکہ سے کھانا کھا کر نکلے تو حائف پہنچ ہی کر پھر کھاتے، کوئی چیز دوسرے وقت کے لئے ہی کر نہیں رکھتے تھے، پینے اور ڈھننے میں بھی صرمت ایک کپڑے پر اکٹھا کرتے تھے، ایک بار مکہ میں سنی شیعہ جھگڑا ہوا، شیعہوں نے امیر مکہ کے پاس جو انفضی و باطنی تھا، شکایت کی کہ سنی ہم کو گالیاں دیتے ہیں، امیر نے بلا تحقیق سیاح کو سخت زد و کوب کی، اس کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکے، چند دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا، وفات کے وقت اسی برس سے زائد ان کی عمر تھی، علیہ السلام کا واقعہ ہے، (ابن کثیر، ابن بخاری، مرآۃ)

حافظ ابو القاسم زنجانی

آپ کا ذکر اس کتاب کی پہلی جلد ص ۱۱۲ میں ہو چکا ہے، مگر وہاں پر آپ کا ذکر نامی ترتیب کے لحاظ سے بے موقع ہے، پھر سبب مختصر بھی ہے، اس لئے مناسب موقع پر آپ کے فکر کا اعادہ کیا جا رہا ہے، آپ کا نام سعد بن علی تھا، حدیث کے نہایت جید حافظ تھے، مختلف شہروں کی سیاحت کے بعد حرم مکہ کی زیارت اختیار کر لی تھی اور مجاہدات کے بعد شیخ احرم ہو گئے تھے، ان حدیث کی امت کے ساتھ ولی کامل بھی تھے، عبادت میں نہایت جفاکش تھے، آپ کی

کراہیں نہ تھیں، ہوان کے لئے آتے تھے تو مطا ان کے لئے خالی کر دیا جاتا تھا، اور لوگ حجر سے زیادہ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے، ابواسحاق اور محمد بن ابوالفضل کہتے تھے کہ دنیا میں بلانا فضیلت سعد بن علی کا ہم پد کوئی نہیں ہے، سیاح بن عبیدہ جو ہر روز تین عمرے کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جس دن سعد بن علی کی زیارت نہیں ہوتی، اس دن میں سمجھتا ہوں کہ کوئی نیکی کا کام نہیں کیا، جس زمانے میں یہ کہہ میں تھے، اس وقت مکہ پر مصر کے باطنی حاکم کا تسلط تھا اور وہ بقول حافظ ذہبی بڑے خبیث و نفیسی اور حدیث کے دشمن تھے، اس لئے کوئی محدث حدیث کے اہل کی ہمت نہیں کرتا تھا، مگر سعد بن علی اپنے گھر کے اندر اہل کیا کرتے تھے، جب آپ نے مکہ میں قیام کا ارادہ کیا تو بامیں قسم کی عبادت و دیانت کا عہد کر کے قیام کیا، اس کے بعد چالیس برس وہاں رہے مگر ان میں سے کسی میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی، اسی سعد بن علی کے کچھ واقعات ابوالمظفر سمانی اور محمد بن طاہر مقدسی کے تذکروں میں آپ پڑھیں گے اپنے ساتھ میں انتقال کیا، (تذکرہ - داہن جزی)

ابوالمظفر سمانی

منصور بن عبد بنجام تھا، سمانی مصنف اشبا کے واداس تھے، پہلے اپنے والد کے پاس فقہ حنفی میں کمال پیدا کیا، پھر شافعی میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے بغداد آئے، اور یہاں شیخ ابواسحاق شیرازی اور ابو نصر بن صباح کی صحبت نصیب ہوئی، تو شافعی مذہب اختیار کر لیا، اصول فقہ شافعی میں ان کی تین کتابیں البران، الاصلام، اور کتاب لغواطع بڑے سر کی کتابیں ہیں، حافظ حدیث بھی تھے، اور حدیث کا اہل کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ جب میں حج کو گیا اور وہاں، ابو تقاسم زنجانی کی بابرکت صحبت نصیب ہوئی، تو میرا ارادہ ہوا کہ میں بھی ان کی صحبت میں مجاہدہ جو جاؤں، اس ارادہ کے بعد ایک مائت میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ سر نہوئے ہوئے ہیں، اور مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں اپنے حقوق کا واسطہ دلا کر تم سے

کہتی ہوں کہ تم مرد چلے آؤ، تمہاری جدائی میرے لئے ناقابل برداشت ہے،
 صبح کو میں اٹھا تو اس خواب کی وجہ سے بہت مغموم تھا دل میں کہا لاؤ چل کر ابو افاکم
 زنجانی سے مشورہ کریں، یہ ارادہ کر کے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا مگر کثرت
 ازدحام کی وجہ سے بات نہ کر سکا، جب مجلس ختم ہوئی اور وہ جانے کو کھڑے ہوئے
 تو میں پیچھے ہو لیا ایک بیک وہ مڑے اور مجھ سے کہا کہ ابو النضر بڑھیا تمہارا انتظار کر رہی ہے،
 یہ کہا اور اندر چلے گئے، میں نے سمجھ لیا کہ ان کو مکاشفہ ہوا اور انھوں نے میرے سوال کا جواب
 دیا ہے، لہذا اسی سال میں مکہ سے مرد روانہ ہو گیا (تذکرہ ص ۲۳۲ و ابن الجوزی)
 آپ کی وفات ۳۸۹ھ میں ہوئی

قَاضِي ابُو الْوَلِيدِ بَاجِي

سلیمان بن خلف نام تھا، اندلس وطن تھا، حدیث کے حافظ اور مالکی مذہب کے فقیہ تھے،
 موطاے مالک شرح منتهی کے مصنف جو ان کی علمی و فنی کمالات کی آئینہ دار ہے، علامہ ابن خزم ظہر
 نے جب اندلس میں ظاہریت اور اپنے انفرادی خیالات و افکار کی اپنی پرزور تقریر و تحریر کے ذریعہ
 اشاعت شروع کی اور بہت سے کم علموں اور نادانوں کو اپنا ہم خیال بنایا تو کسی عالم و فقیہ کو
 ہمت نہ ہوئی کہ ان سے ٹکر لے سکے، لیکن جب ابو الولید بلاد مشرق کے سفر سے واپس آئے اور
 لوگوں نے واقعات سنائے تو انھوں نے ابن خزم کی جاے قیام پر پہنچ کر مناظرہ کیا، اور ان
 کے خیالات کا ناحق ہونا آشکارا کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۵۲)

ابو الولید نے ۳۸۹ھ میں بلاد مشرق کا سفر کیا، اور ان بلاد میں ائمہ وقت سے
 مل کر استفادہ کیا، پہلے انھوں نے حج کیا اور حج کے بعد تین سال مکہ میں حافظ ابو ذر ہرود
 کی خدمت میں رہ کر حدیث میں کمال حاصل کیا، وہ اس مدت میں حافظ ابو ذر کے خدام
 کی حیثیت سے برابر ساتھ رہے، وہ حج کے لئے مکہ آتے تو یہ ساتھ ہوتے اور جب

وہ اپنی جائے سکونت (سراۃ بنی شباہ) کو واپس ہوتے تو یہ بھی وہیں ان کے ساتھ چلے جاتے اور ان کی خدمت بجالاتے، اسکے بعد انھوں نے شام و بعد ادا کا سفر کیا، اور مختلف مشائخ حدیث سے حدیثیں سنیں، بغداد میں قاضی ابوالطیب طبری اور قاضی ابوعبد اللہ صمیری وغیرہما کے پاس فقہ میں کمال پیدا کیا، اور موصل میں ابوجعفر سمّانی کی خدمت میں عقلیات میں مہارت پیدا کی، تیرہ برس کے بعد ظلم کی دولت سے مالا مال ہو کر وطن واپس ہوئے ابوالولید کا یہ زمانہ نہایت عسرت و تنگی کا زمانہ تھا مگر کبھی انھوں نے دستِ بوال دراز نہیں کیا، بغداد میں انھوں نے ایک کوچہ کی پہرہ داری کر کے اوقات بسر کئے، اندلس واپس ہونے کے بعد بہت دنوں تک محنت مزدوری کر کے کام چلاتے تھے، اس کے بعد زمانہ بے کردی اور وہ قضا کے منصب پر پہنچے، اور اکابر و اعیان کی طرف سے سفارت کی خدمت انجام دینے لگے۔ اب وہ وقت آیا کہ کوئی دوسرا ان کی عزت و جاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ابوالولید باجی کی وفات شکمہ میں ہوئی، باجی کے یہ دو شعر بہت مقبول ہوئے ہیں

اذا كنت اعلم علما يقينا بان جميع حياتي كساعة

جب میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ میری پوری زندگی کی حقیقت ایک ساعت سے زیادہ نہیں

فلولا اكون ضئلا بھصا واجعلها في صلاح وعلما

نہیں اسکے باوجود میں بے کام نہ رہتا صرف یہ کہ جو بچاؤ کیوں نہیں ہو سکتی طاعت میں صرف کیوں نہیں کرتا

باجی نے چارج کئے، (ابن کثیر و تذکرہ و مرآۃ)

شیخ الصوفی ابو سعید نیشاپوری

نیشاپور وطن اور احمد بن محمد بن دوست نام تھا، یہ توں شیخ ابوسعید ابوالخیر کی صحبت میں رہے ہیں بے سرو سامانی کے ساتھ انھوں نے متعدد حج کئے ہیں، جس زمانے میں حکومت کی کڑا نما اور اعزاب وغیرہ کی شورش کیوجہ سے حج کا عراقی راستہ بند ہو گیا تھا

پرداز ملنے سے پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی، اور یہ خود مقتدی عباسی کے وزیر تھے اور نہایت نیک نام وزیر تھے، انیس لاکھ بالکل نہیں تھی، جب وزیر ہوئے تو چھ لاکھ دینار کے مالک تھے، سب کو خیرات و صدقات میں خرچ کر دیا۔

انہوں نے بہت سی جائیدادیں وقف کیں، متعدد مسجدیں بنوائیں اور یتیم خانے بنوائے۔
 پر انعامات کی خوب بارش کی، ایک مرتبہ شہر میں کوئی بیماری پھیل گئی تو نہایت کثیر مقدار میں دوائیں اور شربت تیار کر کے سارے شہر میں مفت تقسیم کرائے۔

ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ ایک عورت اور اس کے چار یتیم بچے، بھوکے اور ننگے ہیں، وزیر نے بہت کھانا اور کپڑا اور نقدی دیکر اسکو بھیجا اور اپنے کپڑے اتار کر کہا کہ ادب تک کر یہ خبر نہ کرو گے کہ تم نے ان کو کھلا پہنا کر خوش کر دیا اسوقت تک میں سردی میں اسی طرح ٹھہرتا ہوں گا، جب وہ لوٹ کر آیا تو وزیر سردی سے کانپ رہا تھا، اس نے جب خبر دی کہ ان سب نے کھا پہن لیا تو وزیر نے کپڑے پہنے۔

خاکساری اس میں اتنی تھی کہ اس نے دربان نہیں رکھے تھے، عورت بچے اور عوام بے روک ٹوک اس کے پاس پہنچتے تھے اور وہ سب باتیں کرتا تھا۔ اپنے دربار میں وہ علما و فقہاء کو ساتھ بٹھا کر کام کرتا تھا، اور ان کے مشورہ کے مطابق فیصلے اور احکام نافذ کرتا تھا۔
 اس نے اپنے عہد وزارت میں ہر قسم کے ٹیکس معاف کر دیئے تھے۔

اس نے سنہ ۳۸۶ میں جب منصب وزارت پر تہا جج کیا، تو راستہ میں تمام اہل قافلہ پر دوائیں اور کھانے پینے کی چیزیں خرچ کرتا ہوا گیا، اور حرمین میں بلا امتیاز روپے وغیرہ بانٹے، اور فقرائے دوش بدوش مساد یا نہ حیثیت سے تمام مناسک و اعمال حج ادا کئے۔

اس عروج کے بعد زمانہ نے پلٹا کھایا اور وہ وزارت کی کرسی سے ہٹا دیا گیا، پھر اس کو بغداد سے نکل جانے کا حکم دیدیا گیا تب اس نے حج کیلئے جانے کی اجازت مانگی جو اسکو مل گئی اور حج کیلئے چلا گیا، ایک صاحب بیان ہے کہ اس زمانہ میں میری اس کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی۔

تو اس نے میرا ہتھوں کو بوسہ دیا، میں نے اس پر بڑا اظہار تعجب کیا تو اس نے کہا کہ تم زمانہ وزارت میں میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسکی مکافات کر دوں۔

بہر حال وہ مدینہ میں مجاور ہو گیا، جب آخری دفعہ بیمار ہوا، تو اس نے اپنے کو اٹھوا کر وہاں پہنچوایا جہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جاتی ہے اور سلام پڑھا جاتا ہے وہاں پہنچ کر وزیر کھڑا ہوا اور رو کر کہا یا رسول اللہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

تو میں حاضر ہو گیا ہوں اور اپنے جرائم اور گناہوں کا اقرار کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش فرمائیں گے، یہ کہہ کر پھر ردیا اور روٹا ہوا واپس ہوا، اسی دن اس کی وفات ہوئی، یہ شہید کا واقعہ ہے (ابن الجوزی وابن کثیر مختصراً)

قاضی ابوبکر حموی شامی

محمد بن المنظر نام تھا، پہلے اپنے وطن میں اسکے بعد بغداد آ کر ابو الطیب طبری کی خدمت میں فقہ کی تحصیل کی اور وہیں شیوخ حدیث سے حدیثیں سنیں، قاضی ابو عبد اللہ دامغانی کی وفات کے بعد قضاء کے منصب پر فائز ہوئے، بہت محتاط اور حرص و طمع سے پاک تھے، حکام یا احباب کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے، بغداد کی ایک مسجد میں پچیس سال تک امامت، اور حدیث وغیرہ کے درس کی خدمت انجام دی، قاضی ہونے کے بعد کوئی تنخواذ نہیں لی، نہ اپنی خوراک و پوشاک میں کوئی تبدیلی کی، کسی کو اپنا نائب بنا کر بھی کام نہیں لیا، نہ کسی کے ساتھ کوئی رورعایت کی، ایک مرتبہ ایک فقیہ ان کے سامنے گواہ کی حیثیت سے پیش ہوا تو چونکہ وہ ریشمی لباس میں ملبوس تھے اس لئے انکی شہادت رد کر دی، مدعی نے اعتراض کیا کہ ریشمی کپڑا تو ملک شاہ اور اسکا وزیر نظام الملک بھی پہنتا ہے، انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم وہ بھی میری شہادت دینے آئیں تو انکی شہادت رد کر دوں گا۔ انھوں نے شہد میں حج کیا، اور شہد میں وفات پائی۔

طراد بن محمد زینبی

ابوالفوارس کینت تھی، زینب بنت سلیمان کی اولاد سے تھے، بہت مشہور بلندیہ محدث تھے۔ اطراف و اکناف عالم سے سفر کر کے لوگ سماع حدیث کیلئے انکے پاس آتے تھے جامع منصور (بغداد) میں وہ حدیث اٹھا کرتے تھے ابوعلی بردانی انکے مستملی تھے، ان کی مجلس اٹار میں تمام محدثین و فقہاء شرکت کرتے تھے، حتیٰ کہ قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ دامغانی بھی اس میں شریک ہوتے تھے، انھوں نے ۳۸۹ھ میں حج کیا تو مکہ و مدینہ میں بھی اٹھا کیا، بصرہ میں وہ عباسیوں کے نقیب تھے پھر بغداد چلے آئے اور دربار خلافت سے مختلف بادشاہوں کے پاس سفارت کی خدمت انجام دی، حنفی المذہب تھے، ۴۱۳ھ میں وفات پائی۔

عبد الرزاق صوفی غزنوی

رباط عتاک کے شیخ تھے، ساہا سال انھوں نے بے سرو سامانی کے ساتھ اکیلے حج کیا، سو برس کی عمر میں وفات پائی، مرنے لگے تو بی بی نے کہا آج بڑی رسوائی کا سامنا ہے پوچھا اسکی وجہ؟ بی بی نے کہا کفن تک کے لئے بھی کچھ نہیں ہے، فرمایا اگر کفن کیلئے کچھ ہوتا جب ہی تو رسوائی ہوتی رکھ دنیا سے بیزاری کا دم بھرتے تھے اور گھر میں کچھ چھوڑ کے مرے ہیں، ۳۹۳ھ میں وفات پائی۔

عبد الملک بن محمد سامری

موت تھے، اور بغداد کے دو شفا خانوں اور متعدد جامع مسجدوں کے نگراں تھے، بہت کثرت سے حج کیا کرتے تھے، خلیفہ بغداد کی طرف سے غلات کعبہ پہنچانے، اور حرمین کی تعمیرات کا اہتمام ان کے پردھان تھا، نہایت صاحب خیر تھے، ۳۹۳ھ میں ان کی بھی وفات ہوئی۔

محمد بن ہبۃ اللہ ابو نصر بن دینجی

امام ابوالفتح شیرازی سے فقہ شافعی کی تحصیل کے بعد مکہ چلے گئے اور چالیس سال تک وہاں درس افتاء اور روایت حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے اور ہر سال حج کی سعادت بھی حاصل کرتے تھے، نابینا تھے، ۵۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

احمد بن علی ابوبکر علی

نوعمری میں دیواروں پر چڑھ گیا کرتے تھے، مگر ایسے محتاط تھے کہ تصویر بنانے سے انکار کر دیتے تھے، یہی ذریعہ معاش تھا، کسی سے کچھ لیتے نہ تھے، پھر جو جائیدادیں ان کو وراثت میں ملی تھیں انکو بیچ بیچ کر کام چلاتے تھے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، قاضی ابویعلیٰ سے کچھ فقہ کا علم حاصل کیا اور انھیں حدیثیں بھی سنیں تھیں، وہ جب حج کو جایا کرتے تھے تو مکہ معظمہ میں بزرگوں کے مزارات کی زیارت بھی کرتے تھے، جب حضرت فضیل کے مزار پر پہنچتے تھے تو مزار کے پہلو میں اپنی لائٹی سے ایک خط کھینچ کر کہتے تھے کہ خداوند اسی جگہ اللہ کی شان کہ جب ۵۶۰ھ میں حج کیلئے گئے تو دو دن دعاؤں سے گرے، مگر پھر بھی احرام باندھ کر عرفات میں وقوف کیا اور اسی دن عرفات میں انتقال کر گئے، اسکے بعد انکی نعش مکہ لائی گئی اور اسکو بیت اللہ کا طواف کرا کے حضرت فضیل کے پاس ٹھیک اسی جگہ جہاں وہ خط کھینچا کرتے تھے انکو دفن کیا گیا، جب انکے مرثیہ خبر بغداد پہنچی تو انکی غائبانہ نماز جنازہ (جو شافعیوں کے مذہب میں جائز ہے) پڑھنے کیلئے اس کثرت سے لوگ اکٹھا ہوئے کہ اگر وہ بغداد میں مرتے تو بھی اس سے بڑا مجمع نہ ہوتا۔

امام غزالی

محمد بن محمد نام تھا، احیاء العلوم انکی کتاب تمام آفاق میں مشہور ہے، پہلے درس و تدریس

و مناظرہ و تصنیف تالیف میں برسوں مشغول رہے، اور ان چیزوں میں وہ اپنے وقت کے یکتا مانے گئے، پھر ن مشاغل کو بالکلیہ ترک کر کے حج کیا اور حج سے فراغت کے بعد بیت المقدس میں مقیم ہو کر احیاء العلوم تصنیف کی اور آخر عمر تک مجاہدہ و تزکیہ نفس و تربیت مریدین کے سوا کسی دوسری چیز کی طرف ملتفت نہیں ہوئے، ششہ میں وفات پائی، آپ کی مستقل سوانح عمری چھپ چکی ہے، تطویل کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

امیر الحاج یمن بن عبد اللہ

خلیفہ مستظہر باللہ کا خادم تھا، چونکہ نہایت خوش تدبیر و ماسب الرأے و روشن دماغ تھا، اس نے ترقی کر کے بڑے اونچے عہدوں پر پہنچ گیا، یہاں تک کہ حاج کی امارت و قیادت بھی اسکو سپرد کی گئی، اس نے شہید و غیرہ میں حج کیا، ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے اسکی قیادت میں حج کیا وہ اسکے شکر گزار تھے، (ابن کثیرؒ، ۱/۱۰۳ و ابن الجوزی) اس نے حدیثوں کی سماعت بھی کی تھی، جب وہ خلیفہ کے سفیر کی حیثیت سے اصفہان گیا تو وہاں حدیثوں کی روایت بھی کی، اصفہان ہی میں شہید ہوئے اس نے وفات بھی پائی۔

قرۃ العین ارجوان

ایک رمنی لونڈی تھی، حرم خلافت میں داخل ہونے کے بعد اسکے بطن سے مقتدی باللہ پیدا ہوا، اس نے اپنے بیٹے مقتدیؒ، پوتے مستظہرؒ اور پڑپوتے مسترشد تینوں کو تخت خلافت کا وارث ہوتے ہوئے دیکھا، اور مسترشد کے ایک بچہ کو بھی اس نے دیکھنے کے بعد آنکھ بند کی، وہ بہت نیک سلوک اور خیر خیرات کرنے والی خاتون تھی۔

اس نے تین حج بھی کئے تھے، شہید ہوئے اس کی وفات ہوئی۔

نور الہدیٰ ابوطالب بنی

حسین بن محمد نام اور نور الہدیٰ لقب تھا، طراز بنی کے بھائی اور نظام الحضر بن کے
 داد کے تھے اور طراد سے پہلے عباسیوں کے نقیب تھے، بہت سے محدثین سے حدیث کی سماعت کی
 تھی، بغداد میں کریمہ مروزیہ (جنکا ذکر پہلے آچکا ہے) سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے تہا یہی
 تھے، ابو عبد اللہ و امغانی کی خدمت میں فقہ حنفی کی تحصیل کی تھی، اور اس میں اتنا کمال پیدا کیا تھا
 کہ انکے زمانہ میں حنفیہ کی ریاست ان پر ختم تھی، بہت دنوں تک شہد ابی حنیفہ میں درس و افتا
 کی خدمت انجام دی، اور وہاں کے اوقات کے نگران رہے ۳۵۵ھ میں انھوں نے امیر حج کی
 حیثیت سے حج کیا اور مکہ میں مجاور ہو گئے (ابن کثیر ص ۹۴) اور اسی زمانہ قیام مکہ میں انھوں نے
 کریمہ مروزیہ سے صحیح بخاری سنی اور اس کی سند لی، نور الہدیٰ کا بیان ہے کہ کریمہ سے صحیح بخاری کا
 سماع میں نے اس قصد سے نہیں کیا تھا کہ میں اسکی روایت کروں گا اور لوگوں کو سناؤں گا، اور
 چونکہ سماع بخاری میں مختلف ملکوں کے بیشمار لوگ شریک تھے اس لئے یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا
 تھا کہ یہ سب مر جائیں گے اور نہا میرے اوپر اسکی روایت کا دار و مدار رہ جائیگا۔

لیکن چونکہ میں حرم شریف میں درس دیتا تھا اس لئے کریمہ کے حلقہ سماع کی طرف سے
 میرا گذر ہوتا تھا، تو میں بھی بیٹھ کے سن لیتا تھا، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ سارے سننے والے یکے بعد
 دیگرے انتقال کر گئے اور مجھ کو اللہ نے لمبی زندگی عطا کی، لہذا سب کا مجموعہ میری طرف ہو گیا،
 کچھ دنوں کے بعد بغداد آ گئے، اور پھر ۳۶۵ھ میں امیر حج ہو کر نہ گئے، اور حج کی سعادت
 حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خلیفہ مقتدی کیلئے اہل حرمین سے بیعت لی، (ابن کثیر ص ۱۱)

قرشی نے لکھا ہے کہ ساٹھ سال بلکہ زیادہ سے خلیفہ بغداد کے زیر سرپرستی بغداد سے حجاج
 کے قافلہ کی روانگی بند تھی، اس سال ابوطالب کی سرکردگی میں قافلہ گیا،
 ۳۵۵ھ میں بانوے سال کی عمر میں انتقال کیا، نور الہدیٰ نے صحیح بخاری کی سند کریمہ

مروزیہ سے (جو مکہ میں مجاور تھیں) حاصل کی تھی، اور اسی سند سے انھوں نے کئی بار صحیح بخاری سنائی۔
(شذرات)

حسین بن علی لامثنیٰ

سمرقند کے نقیض و محدث تھے، قوت مناظرہ میں ضرب الثقل تھے، نہایت دیندار و سلف صالحین کی روش پر تھے، امر بالمعروف کا بڑا اہتمام تھا۔ ایک بار ماوراء النہر کے بادشاہ کے سفیر بنکدار الخرافت آئے تو کسی نے کہا (موقع تو اچھا ہے) اس سال حج کیوں نہ کر لیجئے تو فرمایا کہ میں حج کو ان لوگوں کی سفارت کا تابع نہ بناؤں گا، اسکے بعد وطن پہونچ کر اسی سال رمضان ۵۲۲ھ میں انتقال کر گئے (ابن کثیر) قرشی نے انکا ذکر طبقات حنفیہ میں کیا ہے۔

محمد بن علی مقدم الحاج

ہمدان کے رہنے والے تھے، بہت کثرت سے حج کئے تھے، قرآن پاک نہایت خوش آوازی سے پڑھتے تھے، ہر سال ایک دفعہ ایک رات میں پورا قرآن روضہ شریف میں کھڑے ہو کر ختم کرتے تھے، ۱۸۵ھ میں ان کی وفات ہوئی (ابن الجوزی)

احمد بن محمد ابوالعباس خراسانی

واعظ و صوفی تھے، حدیثیں بھی سنیں تھیں، مکہ میں سعد زنجانی سے بھی انکو سماع حدیث حاصل تھا، انھوں نے پانچ حج کئے تھے اور بہت دنوں تک مکہ میں مجاورت بھی کی تھی۔
۱۸۵ھ میں ان کا انتقال ہوا (ابن الجوزی)

سہیل بن محبوب برانی

نقیض و محدث تھے کثرت سے حدیثیں سنیں تھیں، ایک قافلہ کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے

راستہ میں بدوؤں نے لوٹ لیا، اب کسی کے بدن پر کپڑے تھے نہ پاؤں میں جوئے کسی کسی مصیبت سے مکہ پہنچے تو وہاں ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا یہ مکہ میں مقیم ہو گئے۔
پھر کچھ دنوں کے بعد یمن آئے اور وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر کرمان اور کرمان سے خراسان پہنچے، بڑے فاضل مناظر اور واعظ تھے، امامت کا درجہ ان کو حاصل تھا، سخت عبادت گزار تھے، ۵۲۴ھ میں وفات پائی۔

محمد بن عمر ابو بکر حنفی بخاری

ان کا عرف کا ک تھا، طلب علم کے سلسلہ میں بہت سے شہروں کی سیاحت کے بعد سمرقند میں سکونت اختیار کی پھر حجاز گئے اور مکہ و مدینہ میں حدیث کی اشاعت کی نہایت کثیر الروایۃ محدث تھے اور بڑے فاضل ادیب بھی تھے ۵۲۵ھ میں انکی وفات ہوئی (ابن جوزی)

محمد بن علی ابو شید شافعی

گوشہ نشین زادہ تھے، جب حج کے لئے گئے تو ایک مدت تک مکہ میں قیام کر کے حدیث جمع کیں اور معمولی طور پر روایت بھی کی۔ غالباً واپسی میں تبار کے ایک قافلہ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے، ایک جزیرہ کے پاس پہنچے تو کشتی سے اتر گئے اور ساتھیوں سے کہا کہ میں یہیں اقامت کروں گا، ان لوگوں نے ساتھ چلنے کیلئے بہت کہا مگر وہ راضی نہ ہوئے تو مجبوراً کشتی اگے بڑھائی مٹھوڑی دور جانے کے بعد ہوا کا رخ بدل گیا اور کشتی لوٹ کر پھر اسی جزیرہ کے پاس آگئی، ساتھیوں نے دوبارہ اصرار کیا لیکن وہ اب بھی آمادہ نہ ہوئے تو ان کو چھوڑ کر کشتی اگے بڑھائی، اس دفعہ بھی وہی قصہ ہوا اسی طرح تین بار ہوا تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہماری ہلاکت کے درپے کیوں ہیں، ہمارے ساتھ در بندہ تک چلئے جب وہاں سے واپسی ہوگی تو ہم آپ کو یہاں لاکر چھوڑ دیں گے، چنانچہ وہ راضی ہوئے اور در بندہ میں کچھ دن قیام کرنے

کے بعد واپسی میں ساتھیوں نے ان کو اسی جزیرہ میں چھوڑ دیا، یہ وہاں دو سال رہنے کے بعد آمل آئے اور از زندگی وہیں مقیم رہے ۳۵۵ھ میں ان کی وفات ہوئی (ابن جوزی) ابن کثیر نے ان کا ذکر محمد بن عبد الواحد کے عنوان سے کیا ہے۔

محمد بن الفضل فراوی

مشہور محدث ہیں، اسکے علاوہ فقیہ مفتی اور مناظر و اعظ بھی تھے، بہت بلند ہنس مکھ اور سخی تھے، بڑھاپے کے باوجود حدیث کے غریب الوطن طلبہ کی خدمت خود کرتے تھے ایک ہزار سے زائد مجلسوں میں حدیث کا املار کیا، اتنی یا میں دندہ لوگوں کو صحیح مسلم سنائی، رمضان ۳۵۵ھ میں لوگوں کا اصرار ہوا کہ امام مسلم کے مزار پر چل کر صحیح مسلم کی قرأت ختم کیجئے، فراوی نے اس پر عمل کیا، اور ختم کے بعد اتار دئے کہ دوسروں کو بھی رلا دیا، اسکے بعد فرمایا کہ شاید اسکے بعد یہ کتاب میرے پاس نہ پڑھی جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، اسی سال ماہ شوال میں انکا انتقال ہو گیا للفرادی الف مادی کا الطیف انھیں کے حق میں مشہور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فراوی کے ہزار راوی (شاگرد) ہیں۔ فراوی جب حج کیلئے نکلے تھے تو بغداد میں ابو نصر زینی اور عاصم سے حدیث سنیں تھیں، اور مدینہ منورہ میں سماع حدیث انکا مشغل تھا (ابن جوزی و ابن کثیر)

کمال الدین حمزہ بن طلحہ ابو الفتوح

شاہی خزانہ کے نگراں تھے، اس لئے صاحب الخزن کہے جاتے تھے، انھوں نے بغداد میں سب کمال تعمیر کرایا، جو ۳۵۵ھ میں بنکر تیار ہوا، اور شیخ ابو الحسن علی نے سب سے پہلے اس میں درس دیا، انھوں نے ۳۵۵ھ میں حج کیا، اور وہیں سے زاہدانہ زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر کے لوٹے اور اپنے منہ سے دستکش ہو گئے، بیس برس تک خانہ نشین رہے، اس گوشہ نشینی کے زمانہ میں بھی انکی بڑی عزت تھی، مرے دولت انکے پاس حنفی میتے تھے ۳۵۵ھ میں انکی وفات ہوئی۔ (ابن جوزی)

امام زرخشری

مؤمن عزام تھا، تفسیر میں ان کی کتاب کشف اور غم میں مفصل عالمگیر شہرت رکھتی تھی۔ نحو و ادب و لغت کے امام تھے، حدیث و تفسیر و فقہ میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، فروع میں حنفی المذہب تھے، مگر عقیدہ معتزلی تھے، ان کے بے نظیر علمی کمالات کے ساتھ یہ ایک ایسا بد نما وارغ تھا کہ ان کی قدر و منزلت گھٹادی، وہ دونوں مکہ معظمہ میں مقیم رہے، اسی لئے جاراشر کے لقب سے مشہور ہیں، حانظ ابو طاهر سلفی نے ان کے زمانہ قیام مکہ میں حجاج کے ہاتھ دو بار خط لکھ کر حدیث کی اجازت طلب کی،

زرخشری حج کے ارادہ سے چل کر حیب بغداد پہنچے تو امالی ابن الشجری کے مصنف اور نحو و لغت کے امام ابو السعادات علوی ان کی قیام گاہ پر ملے کیلئے آئے، جب بیٹھے تو ابن الشجری نے مثنوی کا یہ شعر پڑھا

داستکبر الاجار قبل لقائه فلما التقينا صغر الخبر الخبر

میں اسکی ملاقات پہلے تو لوگوں کے بیانات مبالغہ آمیز سمجھتا تھا، لیکن جب ملاقات ہوئی تو شاید نے بیانا کو لکڑ ٹھہرایا

اس کے بعد ابن الشجری نے یہ شعر پڑھے

كانت مسأله الركب ان تخبرني عن جعفر بن زلاح احسن الخبر

حتی التقينا فلا والله ما سمعت اذني بالحبيب مما قد رآی بصري

زرخشری نے شکر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب زید الخیل آئے تو آنحضرت نے فرمایا کہ زید! جس کسی کو لوگوں نے بحالت کفر و کھکر اسکی تعریف مبالغہ سے کی جب وہ مسلمان ہو کر میرے سامنے آیا تو میں نے اسکو اس سے کتر یا اجتناب لوگوں نے بیان کیا، بس ایک تم البتہ مستثنیٰ ہو۔

راوی کہتا ہے، یہ جرا دیکھ کر ہنکوحیرت ہوئی کہ ایک عربی سید را بن الشجری اشعر سے سند پکڑتا ہوں

اور ایک عجمی (زرخشری) حدیث رسول سے! — زرخشری کی وفات ۳۳۵ھ میں ہوئی۔

احمد بن محمد بن محمد بن سعد بن داؤد بن صفہانی

کثیر الروایت محدث تھے صحیح العقیدہ شیریں خصلت اور سلف صالحین کی روش پر تھے مزاج میں بے تکلفی تھی، سر پر صرف ٹوپی دینے سے موئے بازار نکل جاتے تھے، گھیر میں صرف تہہ باندھے ہوئے لوگوں سے ملتے،

سنت کی پابندی کا ان کو بہت اہتمام تھا، ایک دفعہ حج سے واپس ہوئے تو اصفہان شہریوں نے انکا استقبال کیا، یہ انکے ساتھ ساتھ معمولی چال سے چلتے رہے، جب شہر قریب آیا تو گھوڑے کو ایک بڑ لگانا اور لوگوں سے آگے ہو گئے، لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ سفر سے واپسی میں جب مدینہ کی دیواریں نظر آنے لگتی تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو تیز کر دیتے تھے۔

انھوں نے گیارہ حج کئے تھے، اور مکہ و مدینہ میں حدیث کا املا کیا تھا، کُری کے دنوں میں نفل روئے رکھتے تھے، بغداد کی وفد آئے، اور جب آتے تو جانے کے وقت اہل بغداد سے ضرور کہتے کہ میرا ارادہ پھر آنے کا ہے، اور میں مایوس نہیں ہوں، ۵۳۹ھ میں انھوں نے آخری حج کیا حج سے واپسی میں نہایت پرہیزگار کا انتقال ہو گیا، ابن جوزی نے انکے محاسن اخلاق کو بہت سراہا ہے۔ (ابن جوزی و ابن کثیر)

شیخ الاسلام قوام السنۃ حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن

آپ اپنے زمانہ کے استاذ العلماء و امام الائمہ تھے، بغدادی ائمہ کا قول ہے کہ امام احمد کے بعد حافظ ابوالقاسم سے بڑا حافظ حدیث بغداد میں وارد نہیں ہوا، علم حدیث کے سوا تفسیر، فقہ اور عربیت میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، ساڑھے تین ہزار مجلسوں میں انھوں نے احادیث اور احادیث کی شرح، تفسیر کا املا کیا ہے، اس علم کے ساتھ صلاح و تقویٰ میں بھی ضرب الشل تھے،

بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے، انکی ایک نفیس تصنیف میر السلف ہے جس کا ناچیز نے مطالعہ کیا ہے، اور اس کتاب کی پہلی جلد میں اس سے استفادہ بھی کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے کتب خانہ میں تھا، جواب علی گڑھ میں ہے۔

حافظ ابوالقاسم نے ایک سال مکہ میں مجاورت کی ہے، آپکی وفات ۵۲۵ھ میں ہوئی (تذکرہ)

زَرِّینُ بنِ مُعَاوِیَہ عُبَیْدِیّ

مشہور محدث ہیں، مشکوٰۃ کا ہر طالب علم ان کے نام سے واقف ہے، اندلس وطن تھا، مگر وہاں سے منتقل ہو کر مکہ میں مجاور ہو گئے تھے، اور مدت دراز تک مکہ ہی میں رہے، ابو ذر ہرودی کے فرزند ابو مکتوم سے صحیح بخاری کی اور حسین طبری سے صحیح مسلم کی سند لی تھی، بحریہ الصحاح، دیباقول ذہبی جامع الصحاح کے مصنف ہیں، ان کی یہ کتاب اپور کے کتب خانہ میں میں نے دیکھی ہے، ان کی وفات بھی ۵۲۵ھ میں ہوئی۔

مُسْنَدُ النُّبَا قَاضِی ابوبکر محمد بن عبدالباقی حنبلی

درس اشاعت حدیث کے لحاظ سے انکا ذکر جبہ تھا کہ ذہبی نے انکو مسند النبیاء کے لقب سے یاد کیا ہے، حدیث کے علاوہ کم کوئی فن ہوگا جس میں انکو دخل نہ رہا ہو، سمعانی کا قول ہے ما را آیت اجمع للفنون منه (میں نے تمام فنون کا جامع ان سے بڑھ کر نہ پایا)

ایک فہرست میں انکو بزرگ قید کر لیا، اور انکے پیروں میں بیڑی اور گلے میں لوہے کا طوق ڈال کر ان سے کہا کہ حضرت مسیح کو ابن اللہ کہو، پانچ مہینہ تک انکی قید میں اسی تکلیف کیساتھ ہے مگر مسیح کو ابن اللہ نہیں کہا، اسی زمانہ میں انھوں نے رومی خط میں لکھنا سیکھا، ابن ناصر محدث کا قول ہے کہ وہ اپنے علوم کا کوئی ایسا وارث چھوڑ کر نہیں گئے جو ان کی جگہ لے سکے۔

قاضی موصوف کا بیان ہے کہ میں ایک فہرست میں مجاور تھا، ایک دن فاقہ کی سخت

تکلیف تھی اور میں ڈالنے کی کوئی چیز نہ تھی کہ اتفاق سے ایک شیشی تھیلی جو شیشی جی بندھن سے بندھی ہوئی راستہ میں مجھے ملی، گھر لاکر اسے کھولا تو اس میں موتیوں کا ایسا الجواب مار تھا جس کی مثال میں نے نہیں دیکھی۔ اسکے بعد مجھے بازار جانے کا اتفاق ہوا تو دیکھا ایک بڑھا منادی کر رہا ہے کہ کسی کو ریشم کی ایسی ایسی تھیلی ملی ہو تو دیدے اسکو پانچ سو دینا، انعام دیئے جائیں گے۔ اس وقت میں نے جی میں کہا میں حاجت مند بھی ہوں بھوکا بھی ہوں تھیلی واپس کر کے ان دینا رو سے میں فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں، چنانچہ میں نے اس کے کہا میرے ساتھ آؤ، وہ میرے ساتھ ہو گیا، گھر پہنچ کر میں نے تھیلی، بندھن اور موتیوں کی پہچان اور تعداد وغیرہ پوچھا پورا اطمینان حاصل کیا اور تھیلی اسکے حوالہ کر دی، اسکے بعد اس نے حسبِ عدد پانچ سو دینا مجھے دینے چاہے مگر میں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا، کہ یہ لفظ ہے، اور لفظ داما عاوضہ مالک کو دینا واجب ہے، میں اسکا کوئی بدلہ نہ لوں گا، اس نے بہت اصرار کیا مگر میں نے نہیں لیا۔ اچار وہ چلا گیا، اسکے بعد میں مکہ سے روانہ ہو کر واپسی کے ارادہ کے کشتی میں سوار ہوا، اتفاق سے کشتی شکستہ ہو گئی اور تمام مسافر اور انکا مال و اسباب ڈوب گیا، صرغہ کھٹکھٹانے لگا، کشتی کے ایک تختہ پر بدلتوں میں دریا میں رہا یہ مجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں، جاتے جاتے ایک جزیرہ کے پاس پہنچا، اس میں آبادی تھی، میں دریا سے نکل کر ایک مسجد میں جا کر قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا، اب جو آتا تھا وہ کہتا تھا مجھ کو قرآن پڑھا دیجئے، میں نے بہتوں کو پڑھایا۔ اور انہوں نے مجھ کو بہت کچھ دیا۔ پھر ایک جگہ مجھے قرآن پاک کے کچھ اوراق نظر پڑے تو میں نے ان کو اٹھالیا، لوگوں نے پوچھا تم لکھنا بھی جانتے ہو، میں نے کہا ہاں! تو وہ لوگ اپنے بچوں اور جوانوں کو میرے پاس لائے کہ ان کو لکھنا سکھا دیجئے، میں نے ان کو لکھنا سکھایا، اور اس عنوان سے بھی مجھے بہت زیادہ یافت ہوئی، اسکے بعد لوگوں نے کہا یہاں ایک لڑکی ہے اور اس کے پاس کافی مال و دولت ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ سے نکاح کریں، پہلے میں نے انکار کیا لیکن جب انہوں نے مجھ کو کیا تو میں نے نکاح کر لیا۔ نکاح کے بعد جب وہ لڑکی میرے ساتھ آئی اور میں نے سبکی دینا لگا، اللہ ہی تو وہی ہمارو کہ میں لانا تھا اسکے نکلے میں دیکھ کر میری حیرت کی

کوئی اتہانہ رہی، میں نکلی باز ہوا اسکو دیر تک دیکھتا رہا تو لوگوں نے کہا حضرت! آپ نے اس روکی کا دل توڑ دیا، اسکو دیکھنے کے بجائے آپ گئے کاہر دیکھ رہے ہیں تو میں نے سارے قصہ سنایا، قصہ سنا کر ان لوگوں نے تہلیل و تبکیر کے نعرے لگانے شروع کئے جس سے ساری آبادی کو خبر ہو گئی، لوگوں نے مجھکو بتایا کہ وہ بڑھا جس نے آپ سے ہار لیا وہ اسی رڑکی کا باپ تھا، اور وہ کہتا تھا کہ جس مسلمان نے یہ ہار پا کر واپس کیا ویسا کوئی دوسرا مسلمان دنیا میں نہیں ہے، وہ دعا کرتا تھا کہ وہ مجھے مل جائے تو اپنی یہ رڑکی اسکو بیاہ دوں، آج اللہ نے اسکی دعا کو شرف اجابت بخشا۔

قاضی موصوف فرماتے تھے کہ وہ عورت میرے پاس کئی سال رہی اسکے دو بچے ہوئے، اسکے بعد مر گئی، اور بچے اس ہار کے وارث ہوئے، اتفاق سے بعد میں وہ دونوں بچے بھی قضا کر گئے اور میں اس ہار کا وارث ہوا، آج میرے پاس جو مال و دولت ہے، اسی ہار کی بدولت ہے۔
اس واقعہ کو حافظ ابن رجب محدث کی طبقات کے حوالہ سے صاحب شذرات الذہب نے نقل کیا ہے (شذرات طہ)

ابن مندہ

حافظ ابو زکریا یحییٰ بن عبد الوہاب فن حدیث کے مشہور امام ہیں، حافظ ابو القاسم اسمعیل تیمی شیخ عبد قادر جیلانی، ابن ناصر اور ابو منصور خیاط وغیرہ اکابر محدثین نے ان سے حدیثوں کی سماعت کی ہے، وہ اپنے بڑھاپے میں حج کے لئے نکلے اور بغداد میں پہنچے تو وہاں حدیثوں کا اہل کیا، ان کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی (شذرات)

منظف بن علی وزیر

اسکے باپ اور دادا وزیر تھے اور خود بھی خلیفہ عباسی مقتدی کا وزیر تھا، علم سے بھی اسکو لگاؤ تھا، حدیثوں کی سماعت کی تھی اور روایت بھی کی تھی۔ اس نے ۳۴۵ھ میں حج کیا تھا، اسی سال محدث ابن الجوزی نے بھی اپنی بیوی بچوں سمیت حج کیا تھا، ان کا بیان ہے کہ میں نے مکہ کے رستے میں

وزیر کو خاکسار و متواضع پایا، ابو نصر کرخی وزیر کیساتھ سوار تھے (ابن جوزی ص ۱۳) اس وزیر کی وفات ۵۴۹ھ میں ہوئی۔

ابو المعالی عبد الملک بن ابی نصر حبلی

فقیر و عالم باعمل اور نہایت صالح و عبادت گزار تھے، ان کے پاس رہنے کا گھر نہیں تھا، جہاں اتفاق ہوتا وہیں رات گزار لیتے، دجلہ کے کنارے غیر آباد مقامات کی مسجدوں میں رہ کرتے تھے ۵۴۵ھ میں حج کیلئے روانہ ہوئے راستہ میں بدوؤں نے قافلہ کو لوٹ لیا، مجبوراً یہ فیڈائے اور وہیں انکی وفات ہوئی، فیڈہ کے لوگ انکے زہد و تقویٰ کے بڑے مداح تھے، اسی سال سلطان مسعود کی ہمیشہ خاتون بھی حجاج کے قافلہ میں تھیں، ان کا دولاکھ دینار کا مال و اسباب بدوؤں نے لوٹ لیا (شذرات ص ۱۳)

ابو الفتح بن ابی القاسم کرخی

عبد الملک بن عبد اللہ نام تھا، جامع ترمذی کی اسناد و روایت انکے واسطے سے امام ترمذی تک پہنچتی ہے، ابن اب جوزی نے ان سے ترمذی کی سماعت کی ہے بہت صالح اور مخلص تھے، ایک فوجیہ میں بیمار ہو گئے اور کسی شاگرد نے علاج کیلئے کچھ دینا چاہا تو یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ اب جبکہ سرریس کی عمر ہو چکی اور موت کا وقت قریب آپہنچا ہے حدیث رسول سنانے کی اجرت لوں گا، جامع ترمذی کی کتابت کرتے تھے اور اسکو فروخت کر کے اپنے اخراجات پورے کرتے تھے ترمذی کا ایک نسخہ لکھ کر وقف بھی کیا، بغداد سے مکہ جا کر مجاور ہو گئے اور ۵۴۷ھ میں بیاہ ذی الحجہ مکہ سے حجاج کی روانگی کے تین دن بعد انتقال فرما گئے (ابن جوزی)

محمد بن یحییٰ زبیدی

نحوی و ادیب تھے، ۵۴۸ھ میں بغداد آئے، اور وعظ کیا، فادست تھے مگر کسی سے اپنا حال نہ ہر نہیں کرتے تھے ایک صاحب بیان ہے کہ میں صبح سے ظہر تک ایک دن انکے پاس بیٹھا رہا

وہ منہ میں کچھ لئے ہوئے چباتے رہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو فرمایا کہ خرمال ایک گٹھلی ہے اس نے دل بیلا رہا ہوں، حق بات کہنے میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، ایک وزیر کو خلعت وزارت عطا ہوئی اور لوگ مبارکباد کے لئے پہنچے تو انھوں نے کہا کہ یہ تعزیت کا دن ہے یا تہنیت کا، کہی نے کہا اسکا کیا مطلب تو فرمایا کہ بھلا ریشمی پوشاک پہننے پر مبارکباد دینا چاہئے، خود ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں تن تہا نہ نہ منورہ جارہا تھا ایک پہاڑ کے دامن میں پہونچا تو رات ہو گئی، میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور پکار کہا کہ خدا یا آج میں تیرا مہمان ہوں۔ پھر پہاڑ سے اتر کر ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ رہا تو میں نے ایک منادی کو یہ آواز دیتے سنا کہ مرحبا اے اللہ کے مہمان! تم دن نکلتے وقت ایک کنویں پر پہونچو گے وہاں کچھ لوگ روٹی اور کھجوریں کھا رہے ہونگے، تم سے کھانے کو کہیں تو قبول کر لینا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سو بج نکلنے کے وقت ایک کنویں پر میں پہونچا وہاں واقعی روٹی اور کھجوریں کچھ لوگ کھا رہے تھے ان لوگوں نے مجھے بھی بلایا اور میں نے ان کے ساتھ کھالیا، زبیدی کی وفات ۷۷۷ھ میں ہوئی۔

یحییٰ بن جعفر

خليفة عباسی مقتفی کے عہد میں خزانہ کے نگران تھے، پھر مستنجد مستغنی نے بھی اس عہد پر انکو برقرار رکھا لیکن مستغنی کے زمانہ میں جب کرسی وزارت خالی ہوئی تو خلیفہ نے وریار میں انکو اپنا نائب مقرر کر لیا، ان عہدوں پر وہ بیس برس رہے، قرآن پاک کے حافظ تھے، حدیثیں بھی سنیں تھیں، انھوں نے بکثرت حج کئے تھے، ۸۷۷ھ میں انکی وفات ہوئی (ابن جوزی)

ملکہ زمرہ خاتون

بوری بن طغتلین حاکم دمشق کی بیوی تھی، قرآن پاک پڑھتے تھی، حدیثیں بھی سنیں تھیں، حنفی مذہب کی پابند تھی، علما و صلحا کی محبت و معتقد تھی، بوری کے بعد نور الدین شہید کے والد زنگی حاکم حلب نے اس سے نکاح کر لیا تھا، زنگی کی وفات کے بعد وہ دمشق چلی آئی، اسکے بعد

بغداد گئی اور وہاں سے حجاز پہنچ کر ایک سال مکہ میں مجاور رہی پھر اگر مدینہ میں مقیم ہو گئی اور آخر
 دم تک وہیں رہی اور وہیں چوہن خاں ہوئی۔
 آخر میں اسے پاس جو کچھ تھا ختم ہو گیا تو لوگوں کے گھروں اور جو لیکر بھٹکتی اور
 آگاہی تھی، اور اسی پر اسکی گذراوقات ہوتی تھی، ابن کثیر نے کہا کہ یہ اس کی سعادت
 کی تکمیل اور حسن خاتمہ کی دلیل ہے۔ ۷۷۷ھ میں اسکا انتقال مدینہ میں ہوا۔

ملکہ خاتون عصمت الدین

نائب مشق معین الدین کی صاحبزادی اور سلطان شہنشاہ الدین بن زنگی حیدر اللہ کی
 حرم اور منکوحہ بیوی تھیں، نور الدین شہید کے بعد سلطان صلاح الدین نے ان سے نکاح کر لیا تھا
 نہایت خوبصورت اور پاک امر تھیں، اور بے حد خیرات کرتی تھیں، دمشق میں مدرسہ خاتونہ جوانیہ
 اور خانقاہ خاتون انھیں کے وقف میں شامل ہے، اسکے علاوہ ان کے بہت اوقاف ہیں۔

ملکہ عصمت الدین خاتون مندل خدام کی نگرانی میں خدم و حشم کے ساتھ شوال ۷۶۳ھ
 میں حج کے ارادہ سے وارد بغداد ہوئیں، اور وہاں خلافت عباسیہ کی طرف سے انکا شادمانہ راکہ
 ہوا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر اسی سال انھوں نے حج کی سعادت حاصل کی، ابن کثیر ۷۶۴ھ

یہ خاتون اپنے شوہر سلطان نور الدین کی طرح نماز تہجد کی بڑی پابند تھیں، ایک است
 ایسی نیند آئی کہ صبح سے پہلے آنکھ نہیں کھل سکی، اسدن وہ نہایت غصہ میں تھیں سلطان نے سبب
 پوچھا تو انھوں نے تہجد کے فوت ہونے کا قصہ بیان کیا، اسدن سے سلطان نے قلعہ میں سحر کو قوت
 جگھانے کیلئے پھل بجائے کا حکم دیا (ابن کثیر ۷۶۵ھ)، انکی وفات ۷۷۷ھ میں ہوئی۔

شیخ البلاغہ قاضی فاضل

میراجہ بن علی عسقلانی ثم المصطفیٰ سلطان صلاح الدین ایوبی کے کاتب تھے، انکی نعمت

وانشا پر وازی ضرب الشل ہے سلطان مذکور کے دربار میں ان سے زیادہ کوئی مقبول و محترم نہیں تھا۔ انکی سالانہ آمدنی پچاس ہزار دینار تھی، لیکن اس ثروت کے باوجود وہ نہایت غنیف و تہجد گزار تھے، کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، دنیاوی لذتوں سے دل چسپی انکو نہ تھی، علم کا ایسا شوق اور کتابوں سے ایسا عشق تھا کہ متعدد کاتب اور جلد سازان کے یہاں ملازم تھے جو ہر وقت کتابت اور جلد سازی کرتے رہتے تھے، وفات سے بیس سال پہلے ان کے کتب خانہ کے ملازم نے بتایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کتابیں ان کے کتب خانہ میں ہیں، صرف حاسہ کے ۲۵ نسخے ان کے پاس مختلف خوشنویسوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔

سلطان صلاح الدین فرماتے تھے کہ میں نے کثرت افواج سے ملکوں کو فتح نہیں کیا، بلکہ قاضی فاضل کے زور کلام سے فتح کیا۔ ان کے اشعار کی تعداد دو لاکھ پچاس ہزار ہے، قاضی فاضل نے متعدد حج کئے تھے، از انجملہ ۵۷۵ھ میں انھوں نے دمشق سے حج کیا اور حج کر کے مصر گئے تو راستہ میں بڑی تکلیف اٹھائی، اور اس سے پہلے ۵۷۴ھ میں مصر سے حج کیا تھا اور حج کے بعد دمشق آئے تھے تو اسکے مقابل میں کچھ بھی تکلیف نہیں ہوئی۔

ایک بار وہ مصر سے حج کیلئے چلے تو ان کا گزران زرخیز زمینوں کی طرف سے ہوا جو ان کی ملک میں تھیں اور بہت بڑی رقم کے عوض اجارہ پر ویدی جاتی تھیں، وہاں پہونچ کر وہ رکے اور رک کر کہا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ یزیدین مجھے اپنی مملوکہ اشیاء میں سب سے زیادہ محبوب ہے تو اسے خدا میں تجھ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اسکو مسلمان قیدیوں کی رہائی کیلئے وقف کر دیا۔

قاضی فاضل کی وفات ۵۹۶ھ میں ہوئی (شذرات و ابن کثیر)

مبارک عین علی ابو محمد بن الطباخ

بغداد وطن تھا، مگر مکہ میں مقیم و مجاور ہو گئے تھے، اس وقت میں مکہ کے حافظ حدیث اور جنابیوں کے امام وہی تھے، مقامی و آفاقی لوگ حدیث کا استفادہ انھیں سے کرتے تھے،

۵۶۵ء میں مکہ ہی میں وفات پائی، سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ وہ چالیس برس مکہ میں رہے، حلیم میں امامت کرتے تھے، سوائے حرم کے دوسری جگہ دکھائی نہ دیتے تھے، روزانہ عمرہ کرتے تھے اور اس طرح عبادت کرتے تھے کہ کوئی ان کو دیکھ نہ پاتا تھا (مرآۃ)

ملک معظم توران شاہ

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بڑے بھائی تھے، نہایت بہادر و باغری تھے، ساتھ ہی بڑے فیاض بھی تھے، انکا خرچ بڑا لبا تھا، صلاح الدین کی نیابت میں ایک مدت تک دمشق کے حاکم رہے، پھر مصر چلے گئے تو سلطان نے انکو اسکندریہ کی حکومت تفویض کی مگر وہاں کی آب و ہوا انکو راس نہ آئی بار بار در دق و لچ کے دورے پڑتے تھے تا آنکہ شہر میں انکا انتقال ہو گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے عہد میں یمن کی حکومت باطنیوں کے قبضہ میں تھی عبد بنی نامی ایک باطنی محمد بن کا حاکم تھا وہ مہدویت کا داعی اور باطنی دعوت میں بہت سرگرم تھا، صلاح الدین نے اسکی سرکوبی اور یمن کو باطنی اثرات سے پاک کرنے کے لئے توران شاہ کا انتخاب کیا، انھوں نے خوشی سے منظور کیا اور جب ۵۶۵ء میں یمن پر فوج کشی کے ارادہ سے نکلے، پہلے مکہ معظمہ میں حاضری دی اور عمرہ کیا اسکے بعد زبیدہ کا رخ کیا، جب فوج یمن میں داخل ہوئی تو عبد بنی نے نکل کر مقابلہ کیا، مگر اسکو ہزیمت ہوئی اور زندہ گرفتار کیا گیا اس کے قتل کر دیا گیا، اور یمن بھی سلطان نور الدین شہید کے ممالک محروسہ میں داخل ہو گیا اور خلیفہ عباسی کے نام کا خطبہ وہاں بھی دیا جانے لگا۔

سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ جس وقت توران شاہ مکہ پہنچا تو امیر مکہ کعبہ کا دروازہ بند کر کے اور کنجیاں اپنے قبضہ میں کر کے جبل ابو قیس پر جو قلعہ اس نے بنوایا تھا اس میں جا کر قلعہ بند ہو گیا، توران شاہ نے حرم میں داخل ہو کر طواف کیا اور طواف کی دو کھینچیں پڑھیں، اسکے بعد کعبہ کے دروازہ پر پہنچ کر اس نے یوں دعا کی کہ اللہ اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ میں ان

بلا میں تیرے بندوں کی خبر گیری اور ان کے اصلاح حال کیلئے آیا ہوں تو میرے لئے اس دروازہ کا کھلنا آسان کر دے، اور اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ میں کسی دوسرے مقصد سے آیا ہوں تو تو اسکو نہ کھول، یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر قفل کو ایک جھٹکا دیا، قفل کھل گیا، اور اس نے اندر جا کر نماز پڑھی اور دعائیں کیں

امیر مکہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ کنجیاں لئے ہوئے حاضر ہوا اور محدث کی کہیں ڈر گیا تھا اور اب میں آپ کا مطیع ہوں، یہ کنجیاں حاضر ہیں،
تو ان نے کہا کہ اگر میں کنجیاں لے لوں گا تو پھر دوں گا نہیں، اس نے کنجیاں نہیں لیں
اور امیر مکہ کو اور اسکے اویسوں کو خلعتیں دیکر دل خوش کیا اور بن روانہ ہو گیا (مرآۃ چہ ۳)

شیخ الاسلام علامہ حافظ ابو طہا ہر سلفی

احمد بن محمد نام اور اصفہان وطن تھا، پہلے اپنے وطن کے شیوخ حدیث سے حدیثیں سنیں
اسکے بعد ۴۹۲ھ میں طلب علم کیلئے گھر سے نکلے، اور دس بارہ برس تک بلاد خراسان و فارس و
مصر و شام و حجاز وغیرہ کی خاک چھانتے رہے اور اس طرح شہروں میں پھر کر اس قدر حدیثیں سنیں
جو حدیث بیان سے باہر ہیں، اسی کے ساتھ علوم قرآن و فقہ و عربیہ کی تحصیل اور مختلف کتابوں کی،
نہایت تیزی سے مگر صحیح کتابت بھی کرتے تھے، اسی سلسلہ میں حج و زیارت کی سعادت بھی حاصل
کی، مکہ میں انھوں نے حسین بن علی طبری سے اور مدینہ منورہ میں ابو الفرج قزوینی سے حدیثیں سنیں
حافظ سلفی علم حدیث میں اپنے زمانہ میں سب سے بڑے ماہر، اور قوانین روایت کے سب سے بڑے عالم
تھے، ان کو شیخ العلماء اور احفظ الحفاظ کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا، وہ حدیث پاک کا احترام
بہت زیادہ کرتے تھے، جب حدیث سنانے کیلئے بیٹھتے تھے تو درمیان میں نہ پانی پیتے تھے، نہ ٹھوکتے
تھے، نہ پاؤں پھیلاتے تھے، حالانکہ ان کی عمر سو برس کی ہو چکی تھی،
۵۱۱ھ میں حافظ سلفی نے اسکندریہ میں سکونت اختیار کر لی، مصر میں اس وقت

فاطمی (باطنی) حکومت تھی، اسکے باوجود حکومت ان کا احترام کرتی اور ان کا بڑا رعب تھا، ایک بار ان کی مجلس حدیث میں سلطان مصر بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کرنے کیلئے آیا، درمیان میں وہ اپنے بھائی سے باتیں کرنے لگا تو انھوں نے ڈانٹ کر کہا کہ ہم اس لئے حدیث نہیں پڑھ رہے ہیں کہ آپ لوگ باتیں کریں۔

رات دن اپنے علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے، سیر و تفریح کو بھی نہیں نکلتے تھے، فرماتے تھے کہ میں ساٹھ برس سے اسکندریہ میں ہوں مگر اسکندریہ کا منارہ (مسکودیکھنے کیلئے دور دورے لوگ آتے ہیں) میں نے نہیں دیکھا، گھر کی گھر کی سے نظر آنے کی اور بات ہے۔
حافظ سلفی نے اپنے زمانہ قیام میں اپنے جوار کی بہت سی، مشروع باتوں کا ازالہ کیا۔
اس کا ان کو بہت اہتمام تھا، مشہد میں ان کی وفات ہوئی۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی

محدثین کی اصطلاح میں جو آل محدث تھے، طلب علم کے سلسلہ میں بکثرت سیر و سیاحت کی تھی، حدیث کے اتنے بڑے حافظ تھے کہ ابو الحسن کرجی شافعی کہتے تھے کہ روئے زمین پر ان کی مثال نہیں تھی، سلفی نے ابن طاہر کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا تھا کہ میں نے شیخین اور سنن ابو داؤد کو اجرت پر سات بار لکھا ہے اور ابن ماجہ کو دس بار، ابن طاہر یہ بھی کہتے تھے کہ حدیث کی تحصیل و طلب میں دوبار مجھے خون کا پیشاب ہوا۔ ایک فوجیہ واقعہ بعد میں پیش آیا اور ایک فوجیہ مہم میں سخت گرمی کے دنوں میں ننگے پاؤں چل رہا تھا کہ یہ عارضہ پیش آیا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ طلب حدیث کی غرض سے میں کبھی کسی سواری پر سوار نہیں ہوا۔ کتابوں کا گٹھڑ چڑھ پر لا دے ہوئے پیدل راستہ طے کرتا تھا۔ میں نے طلب سلفی کے زمانہ میں کبھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ خدا نے ان کو اتنی طاقت عطا کی تھی کہ وہ دن رات میں میں فرسخ (۶۰ میل) برابر چلتے تھے۔

تاج الاسلام حافظ ابو بکر سمعانی

محمد بن منصور نام تھا ابو سعد سمعانی مصنف کتاب الانساب کے والد تھے۔ باپ بیٹے دونوں کا لقب تاج الاسلام تھا۔ شافعی مذہب کے بہت بڑے فقیہ اور حافظ حدیث تھے مروی جامع مسجد میں ایک سو چالیس مجلسوں میں اپنے حدیث کا اعلا کیا جو لوگ ان مجالس میں شریک ہوئے تھے ان کا بیان ہے کہ اس سے پہلے ایسا اعلا نہیں ہوا، حکام و ملوک بھی ان سے عقیدت رکھتے تھے تاج الاسلام نے حافظ سلفی کی میت میں حج کیا تھا، اس وقت حافظ ابو ذر ہروی کے صاحبزادہ ابو مکتوم سے لوگ حدیثوں کی سند لیتے تھے وہ بھی حج میں تھے اور ان دونوں صاحبوں کو اسکی اطلاع بھی تھی مگر ان کے پاس پہنچنے میں ذراستی ہوئی اور وہ حج سے فارغ ہو کر فوراً اپنے والد کی جاکھانہ قیام سراؤ بنی شبابہ کو روانہ ہو گئے، تاج الاسلام کو معلوم ہوا تو برا قلق ہوا، حافظ سلفی نے انکو تسلی دیا کہ خیر ابو مکتوم کے پاس صحیح بخاری کے سوا کچھ تھا بھی نہیں، اور اسکی سند تو ابو مکتوم کے برابر آپ کے پاس موجود ہی ہے، آپ کی وفات ۳۵۷ھ میں ہوئی (تذکرہ)

ابن الجوزی محدث و عظیم

عبد الرحمن بن علی نام تھا، محدث و مفسر و مورخ تھے، تاریخ میں ان کی کتاب المقطع حیدر آباد میں طبع ہو چکی ہے، وعظ میں یکتاے روزگار تھے، ذہبی کا بیان ہے کہ اس باب میں جو قبولیت ان کو نصیب ہوئی دوسرے کسی کو نصیب نہ ہوئی، ان کے وعظ میں بادشاہ، وزیر و بر سر عام اور خلفائے عباسیہ پس پردہ شریک ہوتے تھے، کئی بار شرکائے وعظ کا اندازہ ایک لاکھ کا کیا گیا اور دس ہزار آدمی تو معمولاً شریک ہوتے تھے، وہ کثیر التالیف بھی تھے، اس باب میں بھی ذہبی کا قول ہے ما علقت احدا من العلل و صنف ما صنف هذا الرجل یعنی اس شخص نے مختلف علوم میں جو تصنیفیں کی ہیں وہ دوسرے کسی عالم کی نسبت مجھے معلوم نہیں، خود ابن الجوزی رح کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دس ہزار جلدیں لکھی ہیں، اور ایک لاکھ آدمیوں نے میرے

ہاتھ پر توبہ کی، اور بیس ہزار آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ان مشاغل کے ساتھ ہر وقت قرآن پاک ختم کرتے تھے، جمود اور مجلس درس و وعظ کے سوا گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، علم کا ایسا شوق تھا کہ اسی برس کی عمر میں فن قرأت کے مشہور امام ابن ابی قحافہ کو پورا قرآن پاک سنا کر قرأت عشرہ کی اجازت لی۔

ابن ابی جوزی نے متعدد حج کئے تھے، ایک فوجی خدمت میں انھوں نے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ حج کیا تھا (غالباً ہی ان کا پہلا حج تھا)، اس سال خلافت عباسیہ کے وزیر مظفر بن علی بھی حجاج میں تھے (ابن ابی جوزی ص ۱۲) پھر انھوں نے ۵۵۲ھ میں حج کیا اس دفعہ حرم میں انھوں نے دوبارہ وعظ کیا، حج کے بعد جب مدینہ جا کر زیارت کی تو معلوم ہوا کہ راستہ میں بدو حاجیوں کی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں اس لئے واپسی میں راہبر نے مشہور راستہ کو چھوڑ دیا اور خمیر کے راستہ سے ان کو عراق پہنچایا (ابن ابی جوزی ص ۱۸۲) ابن ابی جوزی نے حافظ معمر بن عبد الواحد سمرقندی مدینہ منورہ میں حدیث سنیں (تذکرہ ص ۱۱۱) ابن ابی جوزی کی وفات ۵۹۰ھ میں ہوئی۔

حافظ ابو القاسم ابن عساکر

مشہور معروف و جلیل القدر حافظ حدیث ہیں، علی بن الحسن نام تھا، دمشق مولد و مسکن ۵۲۰ھ میں طلب علم کیلئے سفر شروع کیا، مشرق میں ہرات تک کا سفر کر کے مدینہ سے حدیث سنیں ۵۷۱ھ میں حج کیا اور وہاں بھی حدیث سنیں، فقہ میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، اشعریت کے علمبردار تھے، فن حدیث میں کتاب الاشراف فی معرفۃ الاطراف و مسند ابی حنیفہ وغیرہ انکی تصنیفات سے ہیں، شام کی تاریخ استی جلدوں میں لکھی ہے، بقول ابن کثیر کے شام کی ایسی تاریخ نہ پہلے کسی نے لکھی نہ آئندہ کسی کو ہمت ہوگی، ابن کثیر نے یہ بھی کہا ہے کہ اسکے مطالعہ کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ وہ تو تاریخ میں اپنے عہد کے یکتا آدمی تھے، ان کے شیوخ حدیث کی تعداد تیرہ سو بتائی جاتی ہے، اس علم کے ساتھ انکی عملی سرگرمیاں بھی قابل رشک ہیں، نماز باجماعت اور تلاوت کلام پاک کے سخت پابند تھے، ہرات

ایک ختم کرتے تھے، رمضان میں روزانہ دن کو ایک ختم پڑھتے تھے، نوافل اور اذکار بھی بکثرت پڑھتے تھے
ابن عساکر فرماتے تھے کہ جب میرا ابا وہ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچاؤں
اور حدیث کے نشر و اشاعت میں حصہ لوں تو پہلے میں بے استخارہ کیا پھر اپنے ممتاز اساتذہ سے
مشورہ لیا جب انھوں نے اجازت دی تو میں حدیث سنانے بیٹھا، حافظ ابوالقاسم کی وفات
۵۱۵ھ میں ہوئی، انکی نماز جنازہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی شرکت کی تھی
(ابن اثیر و تذکرہ و رآۃ)

امام شاطبی

فن قرأت کے امام اور اس فن کی مشہور و بے مثل کتاب الجملہ کے مصنف تھے، شاطبی کی
نسبت ابن کثیر کا قول ہے کہ اس سے پہلے اس فن میں ایسی کتاب لکھی گئی اور نہ آئندہ اسکی میت
اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ امام موصوف نامی تھے، ان کے وطن شاطبہ (اندلس) میں
لوگوں نے انکو خطیب مقرر کرنا چاہا تو اس وجہ سے انکار کر دیا کہ آج کل خطیب لوگ بادشاہوں کی
تعریف وغیرہ میں بہت بالذم سے کام لیتے ہیں۔

امام شاطبی حج کیلئے مکہ آئے تو ۵۲۵ھ میں اسکندریہ جا کر حافظ سلفی سے حدیث سنیں
قاضی فاضل نے اپنے سر میں انکو شیخ القراءات کا عہدہ تفویض کیا، انھوں نے بیت المقدس کی زیارت
کی اور وہیں رمضان گزار کر قاہرہ لوٹ آئے بہت دیندار متواضع اور نہایت باوقار تھے، بے
ضرورت گفتگو نہیں کرتے تھے، ۵۴۵ھ میں قاہرہ میں وفات ہوئی۔

ابو الوفاء علی بن عقیل حنبلی

مختلف علوم و فنون کے جامع علامہ تھے، مدرس مفتی، مناظر، مصنف اور واعظ تھے
ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ان امام دھرم و فربلہ عصرا (وہ اپنے زمانہ کے امام اور اپنے
عصر میں یکتا تھے) ان کی کتاب الفنون بقول سبط ابن الجوزی دو سو جلدوں میں ہے اور

بعض موصوفین نے چار سو جلدوں میں بتایا ہے، ابن عقیل کا بیان ہے کہ میں نے جس بات کو حق سمجھا اس کے اظہار سے کوئی چیز مجھے مانع نہیں ہوئی، میں نے کتابت کر کے گذراوقات کی مگر کسی عہد و کا طالب نہیں ہوا۔ اللہ نے جوانی ہی کے وقت سے جملہ فضولیات و لغویات سے مجھ کو محفوظ رکھا، سوائے علم و اہل علم کے دوسری کسی چیز سے مجھ کو محبت نہ ہوئی کھیل کود والوں کی صحبت میں نے کبھی اختیار نہیں کی،

ابن عقیل نے اپنی کتاب الفنون میں لکھا ہے کہ ایک سال جب میں حج کو گیا تھا تو ایک دن حرم میں مجھ کو ایک چمکتی ہوئی چیز نظر آئی، میں نے جو اس کو ہاتھ میں لیا تو وہ بوتیوں کا ایک بڑا قیمتی ہار تھا، جو ایک سرخ دھاگے میں گنڈھا ہوا تھا، میں اس کو الٹ پلٹ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک نابینا بڑھے کو میں نے یہ آواز لگاتے سنائے جس نے بارہا بوتیوں کا ارباب یا بودیدے اس کو سو دینار انعام میں ملیں گے۔ میں نے اسے کہا اسکی پہچان کیا ہے؟ اس نے کہا وہ سرخ دھاگے میں گنڈھا ہوا ہے، میں نے اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا یہ اپنا بار لو۔ تو اس نے کہا تم یہ سو دینار انعام کے لو، میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ لوں گا، اس کے بعد اتفاق سے میرا شام جانا ہوا بہتیت القدس کی زیارت کر کے دمشق آیا اس وقت میری والدہ زندہ تھیں اس لئے دمشق سے میں بغداد روانہ ہو گیا، راستہ میں حلب کی طرف سے میرا گذر ہوا وہاں میں شام کے وقت پہنچا اور ایک مسجد میں پناہ لی، بھوک اور سردی سے میرا برا حال تھا، جب نماز کا وقت ہوا تو مسجد کے متولی نے مجھ سے امامت کرنے کو کہا، میں نے نماز پڑھا دی، ان لوگوں نے مجھے کھانا کھلایا۔ وہ رمضان کا مہینہ تھا ان لوگوں نے مجھ سے کہا یہاں کے امام صاحب بہت بزرگ شخص تھے چند دن ہوئے ان کا انتقال ہو گیا ہے ہماری درخواست ہے کہ آپ یہاں مہینہ بھر رہ جائیں، میں نے بھی منظور کر لیا اور نماز پڑھانے لگا، ایک دن لوگوں نے کہا کہ سابق امام کی ایک لڑکی ہے ہمارا خیال ہے کہ آپ کا اس سے نکاح کر دیں، میں نے اس کو بھی قبول کیا اس کے بعد میں وہاں سال بھر رہا اور میرے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اسی کی پیشکش کے سلسلہ میں میری بیوی ہمار ہو گئی، ایک دن میں اس کو دیکھ رہا تھا تو اسکے گلے میں ایک لال

دھاگانظر آیا، غور کیا تو وہی ہار تھا جو میں نے مکہ میں پایا، میں نے اسکا پورا قصہ سنی، جو کی کو
سنایا تو وہ رونے لگی اور کہا تم وہی شخص ہو، مجھ امیر سے والد ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ اسے
اللہ میری رزق کو دیا ہی شوہر سے جیسا ہار واپس کرنے والا تھا، اللہ نے انکی دعا سن لی،
اسکے بعد اسکا انتقال ہو گیا، میں وہ ہار اور اسکے دوسرے متروکات لیا، بغداد چلا آیا۔

ابن عقیل کی وفات ۱۲۳ھ میں ہوئی (ابن جوزی و مرآۃ)

ناپزیر کہنا ہے کہ اسی قصہ کے مشابہ ایک قصہ محمد بن عبدالباقی کو بھی پیش آیا تھا جو انکے حال میں مذکور ہے

حضرت غوث پاک شیخ المشائخ سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ

آپکی اعلیٰ شخصیت تعریف و تعارف سے بالاتر ہے، ہندوستان کا بچہ بچہ آپکو غوث اعظم
اور پیران پیر کے لقب سے یاد کرتا ہے، طبرستان کے نواح میں جیلان آپکا وطن تھا، بغداد میں اپنے
ابن عقیل اور ابو الحسن بن ابی علی اور ابو الخطاب سے فقہ مذاہب کی تحصیل کی اور اس میں کمال پہنچا
کیا، اور محدثین کی ایک جماعت سے حدیثیں شمس علوم ادبیہ کی بھی دیکھیں کی، اسکے بعد حضرت
حماد دباس کی خدمت میں سلوک و تصوف کی منزلیں لے کیں، اور مجاہدات و ریاضات کئے۔

حق تعالیٰ نے علوم دین میں برتری کے ساتھ آپکو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی، آپکے
کلمات کے ظہور کیلئے اللہ نے یہ سامان پیدا کر دیا کہ آپکے استاد ابو سعد مخرمی کے مدرس میں آپ کو
مستند مدرس تفویض ہوئی آپنے اس کی مرمت اور اس پاس کی زمینوں کو حاصل کر کے اس کی
عمارتوں میں بہت زیادہ اضافہ کیا، مالداروں نے پیسہ سے اور فقراء نے محنت و مشقت سے مدد کی
اور ۳۵۰ھ میں وہ مکمل ہو گیا، آپنے اس میں مدرس کے علاوہ وعظ و تذکیر کا سلسلہ قائم فرمایا، اور
تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی دین کی خدمت انجام دینا شروع کی، تھوڑے ہی دنوں میں آپکے علم و فضل
اور بزرگی و ولایت کا شہرہ دور دور پہنچ گیا، اور لوگ آپکو مجمع الفرقین و موضح الطریقین کے لقب
سے یاد کرنے لگے، اکثر فقہاء آپکے حلقہ شاگردی و ارادت میں داخل ہوئے، بغداد کی اکثریت

آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئی، اور لاتعداد یہودی و نصرانی آپ کے وعظ سے متاثر ہو کر ملتے جلتے
اسلام ہوئے، شیخ موفق الدین مصنف مغنی کا بیان ہے کہ ہم نے آپ کا آخری زمانہ پایا تھا،
ہم نے جس قدر آپ کی کرامتوں کا چرچا سنا ایسا چرچا دوسرے کسی کا نہیں سنا نہ دین کے
نام پر ویسی کشتی کی تعظیم ہوتے دیکھی،

آپ کے زمانہ میں ایک فوج بغداد میں ایسا قحط پڑا تھا کہ اس زمانہ میں خود آپ کا بیان
کہ میں خس کی پتیاں وغیرہ جباروں کا کٹا تھا، راستہ کی پھینکی ہوئی چیزیں اٹھا کر فاقہ شکنی کرتا تھا
ایک دن ایسا ہوا کہ دروازے کے کنارہ چلا گیا کہ کوئی پی یا گھاس ملے تو جباؤں مگر جیاں گیا دیکھا تو
مجھ سے پہلے وہاں کوئی فاقہ کش موجود تھا، راستہ میں پھینکی ہوئی چیزوں کا بھی یہی قصہ تھا، آخر
چلتے چلتے جب تھک گیا اور ضعف سے میں اپنے کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہا تو ایک مسجد کے کونہ
میں جا کر بیٹھ رہا اتنے میں ایک عجمی آیا اور مسجد میں بیٹھ کر روٹی کباب کھانے لگا، میرا اس وقت برا
حال تھا آخر وہ عجمی بھانپ گیا اور اس نے مجھ کو شریک کرنا چاہا مگر میں نے قسم کھالی اس پر اس نے
بھی قسم کھالی کہ میں بغیر کھلائے ہوئے نہ مانوں گا، مجبوراً میں شریک ہوا اب جو میری اسکی گفتگو شروع
ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ میری والدہ کا فرستادہ تھا، اسکے ہاتھ میری ماں نے آٹھ دینار میرے لئے بھیجے
تین دن سے مجھ کو تلاش کر رہا تھا مگر یہ نہیں چلا، اور اسکے پاس ذاتی جو کچھ تھا وہ سب خرچ ہو گیا
اور اضطراب کی نوبت پہنچ گئی تو اس نے میری والدہ کے دئے ہوئے روپیہ سے یہ کھانا خرید لیا تھا،
یہ سنکر میں نے اسکو تسلی اور دلاسا دیا اور باقی کھانا اسکو کھلا کر انھیں دیناروں میں سے راہ خرچ
دے کر اس کو رخصت کیا۔

ہوا،
آپ فرماتے تھے کہ میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا تو مجھ کو کھانا کھانا سب سے افضل معلوم
اس لئے میں تنہا کرتا ہوں کہ ساری دنیا میرے قبضہ میں آجائے اور میں اسے جو کوں کو کھلا دوں
حضرت شیخ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک سال حضرت شیخ حج کیلئے گئے ہوئے
تھے تو لوگوں نے دیکھا کہ حرم کعبہ میں کنکریوں پر پیشانی رکھے ہوئے آپ کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ

مجھے بخش دے اور اگر میں سزا کا مستحق ہوں تو قیامت کے دن مجھے اندھا اٹھاتا کہ نیلوں کے
روبرو شمسار نہ ہونا پڑے، اسکے بعد شیخ سعدی نے یہ قطعوں لکھا ہے

روے بر خاک بجز میگویم ہر کمر کہ باد می آید
اے کہ ہرگز فرامشت نہ کنم ہیچت از بندہ یار می آید

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو حضرت شیخ سے والہانہ عقیدت ہے، انھوں نے اخبار الاخبار
میں لکھا ہے کہ ایک بار اس وقت جب آپ کی ولایت کا شہرہ دور دور پہنچ چکا تھا حج
کے ارادہ سے چلے جب مقام حلہ میں پہنچے تو فرمایا کہ یہاں جو سب سے زیادہ گناہم و بیکس
و محتاج ہوگا اسی کے گھر قیام کریں گے، آخر بڑی تلاش کے بعد ایک ایسا گھر ملا اپنے گھر والوں
سے اجازت لیکر وہیں قیام فرمایا، باوجودیکہ حلہ کے تمام رؤسا و اکابر نے نہایت عمدہ اور
آرام دہ وسیع مکانات پیش کئے مگر آپ نے ان کو قبول نہ کیا، اسکے بعد لوگوں نے بکثرت مذاہب
پیش کیں جس میں روپے، جانور اور غلہ ساری چیزیں تھیں، آپ نے فرمایا کہ اس میں جو میرا حق
ہے وہ میں اس گھر کے مالک کو بہہ کرتا ہوں، آپ کے بعد پھر ان مذہبوں میں کون حصہ لگا سکتا تھا
آخر سب نے اپنے اپنے حق اسی گھر والے کو بخش دیا، آپ کے قدم کی برکت سے اس دن سے اس بستی میں
اس سے بڑا دولت مند کوئی دوسرا نہ تھا، حضرت شیخ کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی (شہادت وغیرہ)

شیخ الاسلام ابوالبرکات الدین مرغینانی

علی بن ابی بکر نام تھا، فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب ۴۱۰۰ کے مصنف ہیں، آپ
نجم الدین عمر نسفی کے شاگرد تھے، اللہ نے علم میں انکو وہ درجہ دیا کہ وہ اپنے اساتذہ سے بڑھ
گئے تھے، انکے علمی تفوق و برتری کی سب سے بڑی دلیل انکی کتاب ۴۱۰۰ ہے جسکو کچھ کر پڑھا
آج عالم بونہی کی دلیل ہے، شمس الامم کردی آپ کے شاگرد تھے، ۸۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔
آپ نے ۸۵۰ھ میں حج کیا تھا، جیسا کہ ابن عبدالمومن جو اداری کے حال میں معلوم ہوگا

شیخ الاسلام ابو حفص کبیر ادری

عمر بن محمد المومنا: سنا آپ ور صاحب ہدایہ ۵۴۴ھ میں حج کیلئے ساتھ روانہ ہوئے وطن سے مکہ تک اور مکہ سے مدینہ تک اور وہاں سے ہمدان تک برابر ساتھ رہا، صاحب ہدایہ نے اسی سفر میں آپ کے کچھ حدیثیں پڑھیں اور بہت سے مسائل میں علمی گفتگو کی (جواہر مضمینہ)

مفتی الثقلین نجم الدین نسفی

عمر بن محمد نام تھا، سمعانی شافعی نے لکھا ہے کہ وہ فقیہ فاضل تھے، فقہ و حدیث میں صاحب تصنیفات تھے، ادیب بھی تھے انھوں نے جامع صغیر کو نظم کیا ہے اور ابن النجار شافعی نے انکا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ فقیہ فاضل، مفسر، محدث، ادیب اور مفتی تھے، صاحب ہدایہ کا بیان ہے کہ ان کے مشائخ حدیث کی تعدد اس قدر تھے پانچ سو تھے، ان کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب وہ حج میں گئے تو مکہ میں زعفرانی سے جو اس وقت مکہ میں مجاور تھے ملنے کیلئے گئے، دروازہ پر پہنچ کر دستک دی تو زعفرانی نے پوچھا کون ہے انھوں نے کہا عمر زعفرانی نے کہا منصرف ہو جا (یعنی اس وقت بوٹ جائے) انھوں نے کہا حدیث با عمر تو منصرف نہیں ہوتا، زعفرانی نے جواب دیا کہ نکرہ (بے جانا پہچانا) ہوتا ہے تو منصرف ہو جاتا ہے، اس سوال و جواب کی لطافت کو خوب جاننے والے لوگ ہی محسوس کر سکتے ہیں، آپ کی وفات ۵۲۲ھ میں ہوئی (جواہر)

علامہ شرف الدین عقیلی بخاری

عمر بن محمد نام تھا، ذہبی نے لکھا ہے کہ بخارا کے اکابر علماء احناف میں تھے، فرادی محدث سے حدیثیں ۱۰۰ کرتے تھے ۵۵۴ھ میں بارادہ حج وارد بغداد ہوئے اور بغداد سے حج کیلئے گئے، ان میں سے ایک گروہ کو بخارا میں ان کا انتقال ہوا (جواہر)

عمر بن محمد خوشنامی

سمعی نے کہا ہے کہ وہ فقیہ فاضل و مناظر و ادیب تھے، انھوں نے ابو بکر جعفری بخاری سے اور ان سے ابو حفص نسفی نے حدیثیں سنیں، سمعی کہتے ہیں کہ ان کے ایک لڑکے تھے وہ بھی فقیہ تھے، مگر ان پر زہد کا غلبہ تھا، تنہا سفر کر کے مکہ پہنچے اور مکہ میں مجاور ہو گئے، ہر تین دن کے بعد تھوڑا سا کھانا کھاتے تھے۔

ابو الیث نسفی

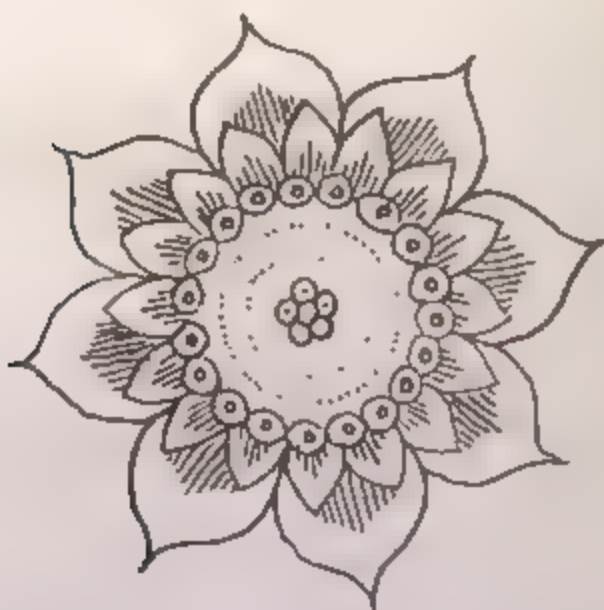
احمد بن عمر نام تھا ابو حفص نجم الدین نسفی کے لڑکے اور صاحب دیکھے محترم استاد تھے سمعی کا بیان ہے کہ وہ محدثین و ائمہ کی اولاد میں تھے فقیہ فاضل و اعلا کمال تھے ۳۵۰ھ میں حجاز جاتے ہوئے مروا آئے تھے مگر نیشابور پہنچ کر معلوم ہوا کہ سلطان مسعود کی وفات ہو گئی اور سلاطین خطر ہو گیا اس لئے وطن واپس لوٹ گئے پھر جب میں ۳۵۵ھ میں سمرقند گیا تو دوبارہ میری انکی ملاقات ہوئی وہ عاریت میں مجھے اپنی کتابیں دیتے تھے اور میری ملاقات کو بھی آتے تھے میں بھی ان سے ملنے جاتا تھا۔ اسکے بعد ۳۵۷ھ میں وہ بخارا میں باسے پاس حج کیلئے جاتے ہوئے آئے، اسد فغانوں نے بغداد میں دو ماہ قیام جاتے ہوئے کیا اور آتے ہوئے چند دن ٹھہرے اس لئے کہ اس وقت خلیفہ متقی اور سلطان محمد شاہ میں جنگ چھڑی ہوئی اور لوگ سخت پریشانی میں تھے صفر ۳۵۷ھ میں وہ بغداد اپنے وطن روانہ ہوئے جب قوس پہنچے اور بسطام سے آگے بڑھے تو قلعہ والوں میں سے کچھ لوگوں نے قافلہ پر ڈاکہ ڈالا اور ستر سے زیادہ حجاج و علما کو شہید کر دیا، انھیں میں ابو الیث نسفی بھی تھے، ۲۷ جمادی الاولیٰ ۳۵۷ھ کو یہ خونیں واقعہ کوفہ نامی گاؤں میں جو بسطام کے قریب ہے پیش آیا۔

یہ ساری تفصیل محدث سمعی نے ذکر کی ہے (جو اہر)

قاضی ابوالعلاء صاعد بن سیار ہروی

حافظ ذہبی نے آپ کا ذکر حفاظ حدیث میں کیا ہے اور سمعانی نے بھی آپ کو حافظ حدیث کہا ہے اور ان کی بختگی و وسعت روایت و معرفت رجال کی تعریف کی ہے ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ جب حج کے ارادہ سے چل کر وارد بغداد ہوئے تو وہاں اپنے شاگرد ابو اسماعیل انصاری وغیرہ کے واسطے سے حدیثیں سنائیں، اور سمعانی نے لکھا ہے کہ وہ ۳۵۷ھ میں حج کے ارادہ سے بغداد آئے تھے اور پوری کتاب ترمذی پڑھ کر لوگوں نے ان سے سند لی تھی، ذہبی کا بیان ہے کہ قرأت کرنے والے حافظ ابن ناصر (ابن الجوزی کے استاد) تھے اور سننے والوں میں ابو الفتوح بن کلیب تھے۔ اسکے علاوہ جامع القصر میں ایک مجلس امارت قائم ہوئی تھی اس میں انھوں نے حدیث کا اظہار بھی فرمایا.....

ملاحظہ فرمائیے کہ حج کے طفیل میں احادیث کی اشاعت و روایت کس اہتمام سے کی جاتی تھی، عبدالقادر قرشی نے آپ کا ذکر طبقات خفییہ میں کیا ہے، آپ کی وفات ۳۵۷ھ میں ہوئی، (تذکرہ، جواہر، لباب)



جعفر بن محمد بن اموسان

اصفہان کے رہنے والے، محدث اور واعظ تھے۔ مدینوں کی بکثرت روایت کی تھی،
 میں حج کیلئے گئے، حج کے بعد مدینہ منورہ پہنچا، محمد بن مسلمہؒ میں انتقال کر گئے، (شذرات)

ابو موسیٰ جزولی

نسلاً بربری اور مراکش کے باشندہ تھے، نحو اور لغت کے امام تھے، نحو میں ان کا بڑا
 قانون نہایت عجیب کتاب ہے، بڑے بڑے فاضل نحوی اس کے حل کرنے سے قاصر ہیں،
 متعدد فضلاء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں، بچہ بھی ماحقہ، سکا سمینا کا رس، رد ابن خلیکان نے
 کہا ہے کہ اس سے پہلے ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، نحو کے علاوہ اصول و قرأت میں بھی بہت
 فائق تھے، مراکش کے خطیب تھے، حج سینے مکہ آئے تو اس سلسلہ میں مصر پہنچا، نحو اور حدیث کی تفصیل
 کی، ان کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی۔ (شذرات)

ابو شجاع زہد بن زعم

پیر مہمانی تھے پھر بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی، شافعی المذہب تھے، قرأت کے بھی صاحبِ بصیرت
 عالم تھے، کوفی وغیرہ سے حدیثیں سنیں، بغداد کی سکونت ترک کر کے مدینہ مجاور ہو گئے تھے اور مقام ابرہیم کے پاس
 امامت کرتے تھے جب فوت ہوئے تو امامت سے بھی دستکش ہو گئے، ۳۸۵ھ میں ان کی وفات ہوئی (شذرات)

ناصر بن ابی الکلام مطرزی

حنفی المذہب فقیہ، اور علوم ادبیہ نحو، لغت اور شعر وغیرہ میں اکوڑ کمال حاصل تھا۔ مقامات حریری کی ایک مختصر مگر نہایت مفید شرح لکھی تھی، لغت میں ایک کتاب مغرب کے نام سے لکھی ہے جس میں ان الفاظ کی شرح کی ہے جو فقہ کی کتابوں میں مستعمل ہوتے ہیں، اس کتاب کی بعض شہینہ مثلاً امام یافعی نے بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان سے اور انکی کتابوں سے لوگوں نے بہت نفع حاصل کیا۔ حج کے ارادہ سے جب بغداد وارد ہوئے تو دہاں کے فقہاء سے ان کی خوب بحثیں ہوئیں اور ادب کے شائق لوگوں نے ان سے اس فن میں استفادہ کیا، علمی دنیا میں ان کو خاصی شہرت حاصل تھی سترہ میں ان کی وفات ہوئی (مرآۃ)

فخر الدین ابن تیمیہ

محمد الدین ابن تیمیہ یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے واداء کے چچ تھے، محمد نام تھا، حران کے عالم و خطیب و واعظ اور حنبلی مذہب کے بہت فائق فقیہ تھے، ابن ابجوزی کے شاگرد تھے۔ سترہ میں حج سے واپس ہو رہے تھے تو بنہ ادب و نیکرائیوں نے اپنے شاگرد ابن ابجوزی کی جگہ پر و خط بھی کہا، ان کی وفات سترہ میں ہوئی۔

ابو المظفر عبد اللہ دود و دواہی

پنے باپ سے علم فقہ و علم کلام پڑھا تھا اور ان کے مدرس میں درس بھی دیا تھا، خلیفہ عباسی ناصر نے ان کو اپنا وکیل مقرر کیا، دیانت و امانت میں مشہور تھے، بڑے بڑے مناصب پر رہے انھوں نے بکثرت حج کئے تھے، متواضع اور خوش اخلاق تھے، وہ شعر پڑھا کرتے تھے۔
العلم یا قی کل ذی خف
ض و یا بی کل آبی

کے الماء ينزل فی الوها . . . دولیس یصل فی الرواہی

ان کی وفات ۱۱۶۳ھ میں ہوئی۔
شیخ نصر بن ابی الفرج

ابن الحصری کے ساتھ معروف تھے، ایک مدت دراز تک مکہ میں مجاور رہے۔ کہیں کاسفر نہیں کرتے تھے، لیکن مرنے کا وقت قریب ہوا تو موت ان کو سینہ کھینچ کر لے گئی اور وہیں ۱۱۶۹ھ میں ان کی وفات ہوئی، وہ مکہ میں خنابہ کے امام تھے، مشائخ کی ایک جماعت سے انھوں نے جیش بنی تمیم (ابن کثیر)

امام ابو محمد ابن شاس جد امی

فقہ مالکی میں علامہ تھے، انکی کتاب الجواهر الثمینہ نہایت عمدہ اور فائدہ مند ہے مصر کے مالکی حضرات کا اسی پر اعتماد تھا اور وہی ان میں متداول تھی، آخر عمر میں انھوں نے حج کیا اور حج کے بعد فتویٰ دینے کے کام سے دستکش ہو گئے جنت و میاں پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا اور مسلمانوں نے ان سے چھینے کیلئے و میاں پر جہاد صالی کی تو اس جہاد میں یہ بھی شریک تھے اور وہیں ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی۔
(مرآة)

ناصر السنہ شیخ نجم الدین کبریٰ

اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، بہت ملکوں میں پھر کر مشائخ وقت کی زیارت و صحبت سے مستفید ہوئے تھے، عارف باللہ اسماعیل قسری کے ہاتھ سے خرقہ پہنا تھا، بے شمار اہل علم سے حدیثیں اور تفاسیر سنی تھیں، طالب علمی کے زمانہ میں بیحد ذہین تھے اس لئے انکے ہم سبق طلبہ انکو الطامہ الکبریٰ یعنی قیامت کہا کرتے تھے، بعد میں صرف کبریٰ آپ کے نام کا جزو بن گیا، ۱۱۶۳ھ میں جب تاتاریوں کا سیلاب خوارزم پہنچا تو شیخ نے اپنے بہت سے مریدوں سے یہ کہہ کر یہ بڑا عظیم الشان فتنہ ہے اور یہ آگ مشرق سے نکلی ہے اور مغرب تک پہنچ کر دم لے گی، خوارزم سے چلے جانے کا حکم دیا، ان لوگوں نے بھی درخواست کی کہ آپ بھی نکل چلئے تو شیخ نے جواب دیا کہ مجھ کو باہر جانیکا حکم

نہیں ہے، جب وہ چلے گئے اور تاتاریوں کی فوج شہر میں گھس آئی تو شیخ نے باقی مریدوں کو ساتھ لیکر ان کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

اپنے متعدد حج کئے تھے، کبھی سواری پر اور کبھی پیدل راستہ طے کر کے گئے تھے (مراقب مشہور ہے کہ امام رازی آپ کے مرید تھے، شذرات الذہب میں انکی خدمت میں امام رازی کی حاضری یا باہمی ملاقات اور ان کے فضل و کمال کے اعتراف کا ذکر موجود ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ وہ اسی نواح کے محدث تھے۔

شیخ الاسلام موفق الدین عبد اللہ حنبلی

فقہ حنبلی کی ضخیم اور بہترین کتاب المغنی اور المقنع کے مصنف اور فقہ و حدیث کے امام تھے بلکہ اگر کہا جائے کہ ان کے زمانہ میں اور اس سے ایک مدت قبل بھی ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا تو درست ہے، مفتی و مناظر اور بہت فنون میں متبحر ہونے کے ساتھ زہد و عبادت، تقویٰ و تواضع، حسن اخلاق و فیاضی، حیا و متانت، کثرت تلاوت و نماز و روزہ، شب بیداری و اتباع سلف میں بھی انکی امتیازی شان تھی، صاحب کشف و حال بھی تھے۔

سبط ابن الجوزی نے انکے بہت سے مناقب لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ کوئی ان کو دیکھ لے تو گویا اس نے کسی صحابی کو دیکھ لیا، یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جامع و شوق اور قاسیون میں ہمیشہ میری مجلسوں میں تشریف لاتے تھے۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے تھے کہ امام اوزاعی کے بعد شیخ موفق سے بڑا کوئی فقیہ شام میں نہیں آیا۔

ان کا معمول تھا کہ مغرب و عشا کے درمیان اپنی محراب کے قریب نوافل میں مشغول رہتے جب عشا سے فارغ ہو کر گھر جانے لگتے تو مسجد میں جو فقیر و محتاج ملتے ان کو گھر لیجا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرتے، انھوں نے ۳۷۰ھ میں حج کیا تھا، ۳۸۰ھ میں انکی وفات ہوئی،
(ابن کثیر و شذرات)

سلسلہ وریدیہ تاج العارف

شیخ شہاب الدین بہرہ درویشی

آپ مشہوروں کا دل سراج صوفیہ سلسلہ وریدیہ کے بانی اور مجتہد العارف سلف ہیں، بعد ازیں آپ کا قیام تھا وقت قدید ارشاد و ہدایت نطق کے سر خفا و اوہ و شاہوں دوستان سفارت کا کام بھی کرتے تھے، اور اس ذریعہ سے جو آمدنی ہوتی تھی سب فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے تھے، اہل باعد و فونی عن المنکر آپ کو سخت اہتمام تھا، ہندوستان میں آپ کے خلیفہ شیخ الاسلام بہار الدین زکریا ملتانی تھے، آپ ہی کے ذریعہ سے ہندوستان میں اس سلسلہ کو شیوع حاصل ہوا۔

آپ کی نسبت یافعی نے لکھا ہے کہ ان کا کثیر الحجہ (آپ بکثرت حج کرتے تھے) شذرات اللہ میں ہے کہ بکثرت حج کرتے تھے اور کسی کسی حج کے بعد مکہ میں مجاور بھی ہو جاتے تھے۔ ایک فوج کو گئے تو اس کثرت سے لوگ ساتھ ہوئے کہ لَا یَعْمَلُہُمُ إِلَّا اللہ (بس ان کی تعداد خدا ہی کو معلوم ہے) (ابن کثیر) ایک بار اپنے پیر مرشد شیخ ابوالنجیب کی معیت میں حج کو گئے تھے، ایک دن ان کے ساتھ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے، اور اس وقت شیخ ابوالنجیب ایک نئی حالت قرب میں تھے کہ حضرت خضر شریف لائے اور تھوڑی دیر کھڑے ہو کر چلے گئے، جب شیخ کو افاقہ ہوا تو شیخ شہاب الدین نے جرات کر کے کہا کہ ایک نبی آپ کی زیارت کو آئے اور آپ نے ان کی طرف توجہ نہ کی، یہ سن کر شیخ ابوالنجیب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا تم کیا جانو، اگر حضرت خضر آکر چلے گئے تو وہ پھرا سکتے ہیں لیکن خدا کے ساتھ ہم کو جو یہ وقت ملا تھا چلا جاتا تو پھر نہ ٹوٹتا اور قیامت تک اس کی ندامت و حسرت رہتی، یہ فرمائی کہ تھے کہ حضرت خضر دورہ نمودار ہوئے شیخ ابوالنجیب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور بیت توضع سے پیشہ آئے (اخبار الاخبار ۲۷)

شیخ شہاب الدین اپنی کتاب عوارف العارفین میں لکھتے ہیں کہ

کوئی مشکل پیش آتی حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتے کہ جو حق ہو وہ مجھ پر القاء فرمائے، شیخ کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی (مرآۃ)، اور ابن کثیر میں ۶۳۳ھ مذکور ہے،

شیخ عبد اللہ ارمنی

اصلًا ارمنی یارومی تھے، حضرت عبد اللہ یونینی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا اسلام لاؤ انھوں نے کہا اسلمت لرب العالمین (میں نے رب العالمین کے حکم پر سر رکھ دیا)، انھوں نے بہت زیادہ سیاحی کی تھی پہاڑوں اور جنگلوں کی سیر کی تھی، قطاب و اوتا و ابدال کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے تھے بڑے بڑے مجاہدات کئے تھے، ان سے کشف و کرامات بھی بکثرت ظاہر ہوئے، ابتدائے عمر میں قرآن پاک پڑھا تھا اور فقہ حنفی کی کتاب قدوری زبانی یاد کی تھی اسکے بعد ترکیہ باطن و اصلاح باطن میں مشغول ہو گئے، زندگی کے آخری ایام میں دمشق میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۸۳۳ھ میں وفات پائی، جیل قاسیوں کے دامن میں ان کا مزار ہے، ان کے بہت سے عمدہ واقعات منقول ہیں، از انھو ایک واقعہ یہ ہے کہ سیاحی کے زمانہ میں ایک دفعہ ان کا گذر ایک شہر کے پاس سے ہوا تو ان کے نفس میں خواہش پیدا کہ شہر کے اندر داخل ہوں، یہ شہر کی طرف چلے مگر قسم کھالی کہ شہر میں کھانا نہ کھاؤں گا، جب شہر میں داخل ہوئے تو ایک دھوبی ملا اس نے ان کی طرف ایسی تیز نظروں سے دیکھا کہ یہ ڈر گئے اور وہاں سے نکل بھاگے جب شہر سے باہر ہو گئے تو دیکھا کہ وہی دھوبی کھانا لائے ہوئے ان کے پاس موجود ہے، انھوں نے کہا آپ یہ پایہ ہے اور کپڑا دھو رہے ہیں، دھوبی نے جواب دیا، اپنا سراونچا نہ کرو، اور اپنے کسی عمل کو نہ دیکھو اور اللہ کے بندہ بنے رہو پس اگر وہ تم کو پاخانہ میں بھی کسی کام پر لگا دے تو بخوشی لگ جاؤ، اسکے بعد یہ شعر پڑھا

ولو قيل لي مت قلت سمعاً وطاعةً وقلت لدا عى الموت اهلاً ومرحباً

مجھ سے کہا جائے کہ مر جا تو میں سمجھوں کہ مرنا دیکھنا
اور موت کے داعی سے کہوں ہمارا مرحبا مرحبا

ایک اور واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ اسی زمانہ سیاحی میں ایک گرجا کے پاس سے میرا گذر ہوا ایک راہب (دنیا سے کنارہ کش پادری) نے کھرک سے سڑکا لکڑی مجھ سے پوچھا کہ اے مسلمان! اللہ تک پہنچنے

کاسبے قریب ترین راستہ تبارے مذہب میں کیا ہے؟ میں نے کہا نفس کی مخالفت یہ سنکر اس نے
 سر اندر کر لیا، اسکے بعد جب میں حج کے زمانہ میں مکہ پہنچا تو یکدن میں نے ایک شخص کو کعبہ کے پاس
 دیکھا کہ وہ مجھ کو سلام کر رہا ہے میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہی راہب ہوں میں نے
 کہا تم یہاں تک کیسے پہنچے اس نے کہا جیسے غم نے بتایا تھا میں نے اپنے نفس پر اسلام کو پیش کیا
 اس نے ماننے سے انکار کیا تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی دین حق ہے پس میں نے نفس کی مخالفت کی اور
 مسلمان ہو گیا، سبط ابن الجوزی نے بیت المقدس میں ان کی زیارت کی تھی اور ان کی کرامت کا
 مشاہدہ کیا تھا۔ (ابن کثیر)

شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی

آپ صلاً اذہ سی ہیں، مختلف انصار و بلاد کی سیاحت کے بعد ایک زمانہ تک ملک میں
 مقیم رہے پھر دمشق میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات ہوئی آپ کی شخصیت اور تصانیف
 علماء و صوفیہ دونوں میں نہایت مشہور ہیں اور ان دونوں کے رد و قبول میں بڑی بڑی بحثیں ہو چکی
 ہیں، ہم اس بحث میں خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں، امام یافعی مرتبہ النہج میں فرماتے ہیں ان کل
 من اختلف فی تکفیرہ فمدھی ید التوقف و کول امرہ الی اللہ تعالیٰ صلیہ جسکی تکفیر کے
 باب میں علماء مختلف ہوں اسکے حق میں میرا مذہب توقف ہے اور اسکے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے
 امام شعرائی ان کے بڑے حسیوں میں ہیں ان کا طویل بذیل کلام شذرات میں منقول ہے۔
 آپ کی وفات ۷۴۰ھ میں ہوئی۔

ابو البقاسم قسطلانی مالکی

احمد بن علی نام، ابوہریرہ مطلق تھا، مصر میں مدتوں رہیں وفات کی خدمت انجام دینے کے
 بعد مکہ مکرمہ میں جہاد ہوئے تیج ابو عبدہ قرشی کی صحبت میں باطنی مارتے گئے تھے شیخ کی وفات

کے بعد ان کی زوجہ محترمہ سے نکاح کر لیا انھیں کے بطن سے ان کے لڑکے قطب الدین قسطلانی پیدا ہوئے۔ مدینہ میں ایک سال بارش نہیں ہوئی تو اہل مدینہ نے رائے کی کہ ایک دن یہاں کے اصل باشندے اور ایک دن آفاقی مجاہدین پانی کی دعا مانگیں، چنانچہ پہلے دن مقامی لوگ دعا کو نکلے مگر پانی نہیں برسا، دوسرے دن قسطلانی نے محتاجوں کو کھانا کھلایا اور سب مجاہدوں کو ساتھ لیکر دعا کی تو ان کی دعا قبول ہو گئی، آپ کی وفات مکہ میں ۷۳۶ھ میں ہوئی (شذرات)

شیخ الاسلام مفتی و محدث شام شیخ تقی الدین ابن الصلاح

اصلاً کردی تھے، ان کے والد مدرسہ حلیہ کے مدرس تھے، آپ شام آئے اور پہلے قدس میں اقامت کر کے مدرسہ اجیہ میں درس دیا پھر دمشق منتقل ہو کر یک وقت تین مدارس میں درس دیتے تھے اور ہر ایک کا کام پوری تندرستی سے انجام دیتے تھے، دارالحدیث اشرفیہ (دمشق) کے پہلے شیخ الحدیث آپ ہیں، تفسیر حدیث فقہ اسرار رجال اور دیگر علوم حدیث اور لغت کے بے نظیر جید عالم تھے، ان کے بعد کے علمائے حدیث صرف الشیخ بولکر انھیں کو مراد لیتے تھے، عراقی الفیہ میں لکھتے ہیں ۵

وکلماً اطلقت لفظ الشیخماً اربداً ابن الصلاح مبہماً

آپ نے بہت سی مفید کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، از انجملہ آپ کا مقدمہ ابن الصلاح اصول حدیث میں نہایت مشہور اور سچید مفید ہے، اسکے ساتھ نہایت دیندار، زاہد، متقی، عبادت گزار اور سلف صالحین کی روش کے پابند تھے، آپ کی وفات ۷۴۲ھ میں ان دنوں میں ہوئی جب خوارزمیوں نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور گرانی اور گندگی پھیل جانے کے سبب نہایت کثرت سے لوگ مر رہے تھے (ابن کثیر وغیرہ) ۷۴۵ھ سے لیکر ۷۴۸ھ تک خارجی و داخلی حملوں کے خوف کی وجہ سے ملک شام سے حج کیلئے کوئی نہیں جاسکا، ۷۴۸ھ میں کچھ امن کی صورت نظر آئی تو شام سے حجاج روانہ ہوئے انھیں میں شیخ تقی الدین ابن الصلاح بھی تھے، اسکے بعد لگاتار لڑائیوں کی وجہ سے پھر کئی سال تک شام سے حج کرنے کی ہمت کوئی نہ کر سکا (ابن کثیر ۱۲۹) شیخ نہایت خوش پوشاک اور بامہبت تھے سلطان اور امرا ان کا احترام کرتے تھے (تذکرہ)

امام الیمین شیخ اسماعیل بن محمد بن اسماعیل حضرت

ابن عیلم نام دواطن کے جامع تھے، نہایت متبحر فقیہ اور مین کے قاضی القضاۃ بھی تھے اور عارف باللہ و ولی کامل بھی تھے مین کے مشہور ولی ابو الغیث بن عیلم نے محبت یافتہ تھے اس عہد کے دوسرے مینی ولی فقیہ احمد بن عیلم ان کا بہت احترام کرتے تھے حاکم و دودان کے معاصر تھے، فرماتے تھے کہ ہم لوگ محب میں اور یہ محبوب میں۔ ایک دفعہ ابن عیلم سفر حج میں ان کے رفیق تھے تو یہ سواری پر راستہ طے کرتے تھے اور ابن عیلم ان کی سواری کے ساتھ پیدل چلتے تھے، انھیں بزرگوں کے ساتھ مین کا پورا قافلہ بھی تھا، جب مکہ کے قریب پہنچے تو حاکم مکہ شریف ابو نمنی نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا، ابن عیلم کو تو مکہ کا ہر جھوٹا بڑا پہچانتا تھا اس لئے کہ ان کی آمد و رفت مکہ و مینہ میں بہت تھی، فقیہ اسماعیل کو کم لوگ پہچانتے تھے۔ اس دن شریف ابو نمنی کے جسم پر ریشمی لباس تھا فقیہ اسماعیل جس طرح بازار اپنے شکار پر چھٹتا ہے اس طرح چھپے اور ابو نمنی کا رسیان پکڑ کر کہا کہ یہ کیا پینتے ہو جس کو وہی پہن سکتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، ابو نمنی مبہوت ہو کر ابن عیلم کی طرف دیکھنے لگا، ابو نمنی اس وقت مکہ کا مستقل فرمانروا تھا، ابن عیلم نے شریف کو مخاطب کر کے کہا کہ اے شریف یہ وہ فقیہ اسماعیل ہیں کہ اپنے پروردگار سے بھی ناز و ادلال کی باتیں کرتے ہیں یہ ہم سے بگڑ جائیں تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے، ابو نمنی یہ سن کر خاموش رہ گیا اور کچھ نہ بولا۔ فقیہ اسماعیل کی وفات ۶۶۶ھ میں ہوئی (مرآۃ) اور صاحب شذرات نے ۶۶۵ھ میں وفات لکھی ہے۔

شیخ شرف الدین مرسی

محمد بن ابی الفضل نام تھا نہایت محقق و مجتہد کار و فاضل شیخ تھے، اکابر ان کا احترام کرتے تھے کتابوں کے بڑے شائق تھے، حج بکثرت کرتے تھے اور اکثر حجاز میں ان کا قیام رہتا تھا، جہاں رہتے تھے وہاں کے رؤساء ان کی تعظیم بجالاتے تھے، سارے کاموں میں اعتدال پسند تھے ۷۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (ابن شیر)

شیخ الاسلام ایام نودی

یہی بن شرف نام اور شام کا ایک گاؤں نوسی وطن تھا، شافعی مذہب کے فقیہ نہیں بلکہ بقول ابن کثیر کبیر الفقہاء اور شیخ المذہب تھے ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۴۹ھ میں دمشق آکر رہے۔
رواجہ میں مقیم ہوئے اور اسکا انتخاب اس لئے کیا کہ وہ ایک تاجر کا بنویا ہوا تھا، کسی امیر یا حاکم (جسکا مال اس لئے قابل اطمینان نہیں ہوتا کہ عموماً ظلم و زیادتی سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے) کا بنویا ہوا نہ تھا۔ وہاں تقریباً دو سال رہے اور اس مدت میں جیسا کہ خود انکا بیان ہے کبھی زمین پر اپنا پہلو نہیں رکھا۔ دن میں بارہ اسباق میں شرکت کرتے تھے اور اساتذہ سے جو تحقیقات و فوائد سنتے تھے ان کو لکھتے بھی تھے، وہ کبھی حمام میں غسل نہیں کرتے تھے۔ دمشق کا کوئی پھل نہیں کھاتے تھے اس لئے کہ وہاں کے باغوں کی بیج ان کی تحقیق میں شرعاً درست طریقہ پر نہیں ہوتی تھی، دن رات میں صرف ایک بار عشا کے بعد کھا کھاتے تھے اور صبح کے وقت ایک بار پانی پیتے تھے، صائم الدھر تھے، رات کو بہت کم سوتے تھے، زیادہ تر عبادت یا تلاوت یا تصنیف میں لگے رہتے تھے، ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، انکی خوراک کھک اور انجیر تھی، بعد ۷۰ قسم کے پونڈ لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔

شیخ شہاب الدین ابوشامہ کے بعد وہ دارالحدیث اشرفیہ کے شیخ الحدیث منتخب ہوئے مگر شیخ الحدیث کیلئے جو وظیفہ مقرر تھا وہ انھوں نے کبھی نہیں لیا، انکے والد نوسی سے جو کچھ بھیجتے تھے اسی میں کسی طرح بسر کر لیتے تھے ۶۵۱ھ میں انھوں نے اپنے والد کی معیت میں حج کیا، جب کے مہینہ میں روانہ ہو کر تقریباً دیرھ ماہ مدینہ میں رہنے اس سال جمعہ کو حج ہوا تھا ان کے والد کا بیان ہے کہ جب ہم گھر سے نکلے تو اس وقت سے جو بارے بیٹے یعنی (امام نودی) کو بخار شروع ہوا تو عرفہ کے دن تک کبھی نہیں اتر اگر اس پانچ سو پانچ مہینے کی مدت میں ہم نے کبھی ان کو کراہتے نہیں سنا۔

حافظہ دہی نے انکا تذکرہ حفاظ حدیث میں کیا ہے اور دل کھول کر ان کے علمی و روحانی کمالات کا اعتراف کیا ہے، لکھا ہے کہ وہ مجاہدہ و ریاضت، تزکیہ نفس اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کے ساتھ حدیث

کے حافظ اور اس کے فنون و رجال اور صحیح و سقیم کے بڑے عالم تھے، یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان میں تین کمال ایسے اکٹھے تھے کہ ان میں سے ایک کمال بھی کسی میں ہو تو اس سے استفادہ کیلئے دور دراز سفر کر کے آنا زیبا ہے، ایک علم، دوسرے زہد، تیسرے امر بالمعروف و نہی عن المنکر، امام نووی نے ایک فہم الملک الظاہر کو نہایت سختی سے ٹوک دیا جسکی اسکو بڑی ناگواری ہوئی مگر بعد میں اسکی ناگواری دور ہو گئی، پھر حجب کبھی امام نووی کا سامنا ہو جاتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ مجھ کو ان سے دو کتاباں ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جلدی کسی کا یہ قبول نہیں کرتے تھے، ہاں ایک درویش فقیر نے ایک لوٹا یہ کیا تو اسکو قبول کر لیا تھا۔ ایک بار شیخ برہان الدین اسکندرائی نے افطار کی دعوت کی تو فرمایا کہ میں لائے سب ایک ساتھ کر لیں گے

امام یافعی نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زہد و ورع اور دوسرے محاسن میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، ان کے بعد ان کے قریب زمانے میں احمد بن عجل مینی کے سوا کسی دوسرے میں خوبیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ میں برس تک شب و روز طلب علم میں انھوں نے ایسی محنت و مشقت برداشت کی اور اپنے تمام محسوس سے فائق ہو گئے۔

اس علمی امتیاز کے باوجود اس عہد کے ولی کامل شیخ یاسین جام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے روحانی اکتساب فیض میں وہ کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

امام نووی نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی علم کی بڑی خدمت کی ہے شرح صحیح مسلم، تہذیب الاسماء واللغات، ریاض الصالحین، کتاب الاذکار اور کتاب الاشارات چھپر شائع ہو چکی ہیں، اور اہل علم کو ان سے بہت فائدہ پہونچا ہے، بالخصوص شرح صحیح مسلم کہ اس سے ہندوستان کے تمام اہل علم و تدریس نے فائدہ اٹھایا ہے اور اس بنا پر سب امام نووی کے مرہون منت ہیں، امام نووی نے صرف ۵۴ برس کی عمر میں مشفقہ میں انتقال کیا (مرآۃ، تذکرہ، شذرات)

عثمان بن موسیٰ طائی اربلی

حنبل مذہب کے نقیہ کامل، اور حرم مکہ میں حبشیوں کے امام تھے، علم و فضل میں کمال کیساتھ تقویٰ و تدین اور زہد و ورع میں نہایت ممتاز تھے، ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے کسی وقت خدا سے غافل نہیں رہتے تھے، آپ نے مکہ میں پچاس برس قیام کیا قطب یونینی کا بیان ہے کہ مجھ کو انکی زیارت کا یہ شوق تھا جب میں نے ۸۲۷ھ میں حج کیا تو میری دیرینہ تبارائی میں نے شرف زیارت حاصل کیا اور مجھ کو ان کی توجہ و دعا کا دافر حصہ نصیب ہوا، حافظ ذہبی کتابت کے ذریعہ ان سے روایت کرتے تھے، آپکی وفات ۸۷۷ھ میں ہوئی۔

عارف باللہ سید احمد بدوی مصری

آپ کے والد سید علی نے ملک مغرب میں اقامت اختیار کر لی تھی، وہیں شہر فاس میں آپ کی ولادت ہوئی، ذرا بڑے ہوئے تو قرآن پاک یاد کیا، اور کچھ فقہ شافعی کی تعلیم پائی، دس برس کے تھے تو آپ کے والد آپ کو اور آپ کے دو بھائیوں کو لیکر حج کے ارادہ سے مکہ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے، جب آپ کی عمر ۱۳ برس کی ہوئی تو والد کا انتقال ہو گیا، اسکے بعد غیبی اشارہ کی بنا پر آپ پہلے بغداد و ہاں سے مصر چلے آئے اور آخر تک وہیں رہے، جب مصر پہنچے سلطان الطاہر بیکر بس شاہ مصر و شام نے اپنے لشکر کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور ان کا بڑا اکرام و نجایا لایا، ۸۳۷ھ میں آپ مصر پہنچے تھے آپ ہر وقت منہ پر دوہری نقاب ڈالے ہوئے رہتے تھے، اس لئے مکہ ہی میں آپ بدوی کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے بہت سے خوارق مشہور ہیں، شیخ تقی الدین بن دقیق العید آپ سے ملنے کے لئے گئے تھے، ۸۵۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی (مصر) میں آپ کا مزار ہے (شذرات) آج تک وہاں بڑا اجتماع ہوتا ہے، اور اس اجتماع میں عوام شریعت کا پاس دلالت نہیں کرتے۔

قاضی القضاۃ عبدین سلیمان اذغی

اپنے عہد میں شیخ الخفیفہ تھے شیخ جمال الدین حمیری کے آخری متاثر شاگرد تھے۔ قاضی ابن العیم کے بعد مصر و شام و دیگر بلاد اسلامیہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ حکومت کی طرف سے انکو اجازت تھی کہ وہ جہاں نہیں بھی وارد ہوں وہاں اپنا حکم نافذ کر سکتے ہیں۔ آپ الملک الظاہر بیک کے سفر حج میں بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ آپ کی وفات ۷۷۷ھ میں ہوئی۔

عزالدین بن غانم واعظ

عبد السلام بن احمد نام تھا۔ بیت القدس وطن تھا۔ بڑے فصیح و بلیغ شاعر اور جادو بیان واعظ تھے۔ ان کا واعظ ابن الجوزی کے ٹکڑا ہوتا تھا۔ بڑے بڑے ائمہ علم و تقویٰ ان کے وعظ میں شریک ہوتے تھے۔ ایک دفعہ حج کو گئے تھے تو کعبہ شریف کے سامنے انھوں نے نہایت عالمانہ اور مؤثر وعظ کیا جسکو سامعین نے نہایت مفید اور نہایت بلیغ وعظ قرار دیا۔ اس وعظ میں شیخ تاج الدین ابن الفزاری، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور شیخ احمد بن عجل جیسے اکابر اور ائمہ علم بھی شریک تھے۔ یہ واقعہ ۷۷۷ھ کا ہے۔ شیخ عزالدین کی وفات ۷۷۷ھ میں ہوئی (ابن کثیر)

حافظ ابن نقطہ

محمد بن عبد الغنی نام اور بنہ اور وطن تھا۔ طلب علم کیلئے انھوں نے بکثرت سفر کئے تھے جب مکہ پہنچے تو حج کے ساتھ انھوں نے یحییٰ بن یاقوت سے حدیثیں بھی سنیں۔ فنون حدیث میں انھوں نے بڑا کمال پیدا کیا اور نہایت عمدہ کتابیں لکھیں۔ وہ پڑھتے بھی بہت خوب تھے اور خط بھی نہایت پاکیزہ تھا۔ ان خوبیوں کے ساتھ نہایت متقی اور زاہد بھی تھے۔ حافظ ضیاء قدسی وبرزالی وغیرہ ان کے علم و دیانت و ثقافت کے بڑے مداح ہیں۔ حافظ منذری وغیرہ نے ان کے

حدیث روایت کی ہیں، ابن ماکولہ کی کتاب الاکمال کا دو جلدوں میں انھوں نے ذیل لکھا: انکی ایک عمدہ تصنیف کتاب التقیید بمعرفۃ رواد السنن والسانیہ بھی ہے، ۶۲۵ھ میں انکی وفات ہوئی،

ابن شداد حلبی

یوسف بن رافع نام تھا، قرارت، عربیہ اور فقہ وغیرہ کے بڑے ماہر عالم تھے، پہلے درس و تدریس کا مشغلہ تھا، ۵۸۳ھ میں حج کرنے کے بعد شام کے مقامات مقدسہ کی زیارت کیلئے شام آئے، یہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دربار میں ان کی بہت قدر و منزلت ہوئی اور سلطان نے ان کو لشکر اور بیت المقدس کا قاضی مقرر کر لیا، سلطان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ظاہر کے پاس حلب چلے گئے، ظاہر نے ان کو حلب کا قاضی اور اوقات کا ناظر مقرر کیا اور بہت سی جاگیریں ان کو عطا کیں، اس طرح ان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، اور ان کا اتنا رسوخ بڑھا کہ حلب کی حکومت گویا وہی چلاتے تھے مورخین کا خیال ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے قاضی ابو یوسف تھے، چونکہ لادلو تھے اس لئے ساری دولت نیک کاموں میں صرف کی حلب میں ایک مدرسہ اور اس کے پہلو میں ایک دارالحدیث تعمیر کرایا ۶۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ابوالیمین ابن عساکر

عبد الصمد بن عبد الوہاب نام تھا، زین الامنا کے پوتے تھے، اپنے دادا اور شیخ موفق الدین کے شاگرد تھے، نہایت صالح، خوش اخلاق اور حید عالم تھے، شعر بھی خوب کہتے تھے، چالیس یا تیس برس مکہ میں مجاور رہے، وزیر ابن حنابلے ان کو منصب تدریس سپرد کرنے کیلئے دمشق آنے کی دعوت دی تو انھوں نے جواب میں یہ نظم لکھ کر بھیج دی ۵

یا من دعانی الی ابوابہ کرمما انی الی باب بیت اللہ ادعوا

اے وزیر تم نے مجھ کو اپنے دروازہ پر ازراہ کرم بلایا ہے۔ میں تم کو اللہ کے دروازہ پر بلاتا ہوں غرض

ومن حدانی الی تدریس مدائنی فی السعی والطواف احدا وکا
 آپ نے مجھے درس دینے کیلئے دعوت دی ہے۔ میں آپ کو سعی و طواف کے لئے دعوت دیتا ہوں
 ابیت اللہ جارالا الوذہما
 سواہ وھذا القدر یکفیکما
 میں خدا کا جسا پہ جو کرات گزارتا ہوں اس کے سوا کسی دوسری کی پناہ نہیں لیتا ہوں، بس تم کو تنہا ہی کافی ہے
 دانثنی طائفان حول کعبتہ
 اری ملوث الدنا عند مالیکما
 میں اس کے کعبہ کا طواف کر کے لوٹتا ہوں۔۔۔ تو تمہیں دنیا کے سلاطین عندام نظر آتے ہیں۔
 اچکی دفات ۳۳۳ میں ہوئی، مدینہ منورہ میں دفون ہیں، شامی و مصری حجاج انکے بڑے معتقد تھے۔

قِطْبُ الدِّينِ ابْنُ الْقِسْطِ طَلَبِي مَالِكِي

محمد بن احمد بن علی نام تھا، ان کے والد کا ذکر آچکا ہے، انھوں نے شیخ شہاب الدین کی
 صحبت اٹھائی ہے اور ان سے حدیثیں سنی ہیں، ان کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد ایک ہزار بتائی
 جاتی ہے، اللہ نے ان کو علم و عمل دونوں سے نوازا تھا، تقویٰ و خشیت الہی ان کا امتیازی وصف
 تھا، نہایت دلیر و کریم النفس و ایثار پیشہ تھے، مکہ ہی میں پیدا ہوئے تھے اور مدتوں وہیں رہے لیکن
 چونکہ مشہور و جودی صوفی ابن سبعین کے خیالات اور ان کے اقوال سے ان کو سخت اختلاف تھا اور
 ابن سبعین کے رد میں انھوں نے کتاب بھی لکھی تھی اور حاکم مکہ ابن سبعین کا طرفہ اختیار کیا، اس نے حاکم کی
 طرف سے مطمئن نہیں تھے، ادھر مصر میں دار الحدیث کا مدیر کے شیخ الحدیث کی جگہ خالی تھی، لوگوں کی
 نظر انتخاب ان پر پڑی اور آپ کو دواں مدعو کر لیا گیا، آخر تک آپ کا مدیر کے شیخ الحدیث رہے تا انکہ ۳۳۳ھ
 میں آپ کا انتقال ہو گیا، آپ کے یہ دو شعرا دکر نے کے قابل ہیں۔

اذا طاب اصل المؤمن طابت نزعہ
 ومن غلط جاءت به الشوك بالورد
 وقد عجبنا الفرع الذي طاب له
 لينظر صنع الله في العكس والطرد

(ابن کثیر، شذرات و مرآة)

الحاج یاسین مغربی حجام

اوپر گزر چکا ہے کہ امام نووی جیسے علم و فن کے امام اور ولی کامل آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور ان سے فیض و برکت حاصل کرتے تھے اور ان کی شاگردی اختیار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ امام یافعی نے ان کو السید الجلیل الشیخ یاسین کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور حاکم پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے نہایت معمولی اور ان کے رتبہ سے کمتر الفاظ میں محض الحاج یاسین المغربی الحجام الاسود کہہ کر ذکر کیا ہے جو ان کے نیز نووی کے احترام کے نامناسب ہے و وہیت تعظیم و تفضیل و تکریم کے مستحق تھے، آپ کی وفات ۸۷۵ھ میں ہوئی (مرآۃ)، آپ جراحی کرتے تھے، اوچونکہ متعدد مقامات پر آپ کا وصف مزین بھی مذکور ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ حجت بھی بناتے تھے، ابن کثیر ان کے اوصاف میں الشیخ الصالح اور شیخ الشیخ محی الدین النواوی کے الفاظ لکھے ہیں اور فرمایا ہے کہ انہوں نے میں حج کئے تھے۔

ابو الفضائل رضی الدین حسن صفانی لاہوری

حسن بن محمد نام تھا، لاہور میں ۸۷۵ھ میں ولادت ہوئی، غزنہ (غزنی) میں نشوونما پائی ۸۷۵ھ میں عدن آئے اور وہاں حدیث سنیں اور معالم السنن (خطابی)، کادرس و یا یہ کتاب ان کو بیحد پسند تھی کہتے تھے کہ خطابی نے خوب تیار ہو کر اسکو لکھا ہے، یہ یا قوت کی روایت ہے، یا قوت سے انکی پہلی ملاقات عدن میں ہوئی، عدن سے یمن اور وہاں سے حج کیلئے ۸۷۳ھ میں مکہ آئے، یا قوت نے اس سال مکہ میں ان سے ملاقات کی تھی اور یہی انکی آخری ملاقات ہے، اسکے بعد ۸۷۵ھ میں بغداد آئے اور ۸۷۵ھ میں خلیفہ بغداد کی طرف سے بادشاہ ہندوستان (شمس الدین لٹش) کے پاس سفیر ہو کر آئے اور ہندوستان میں تقریباً سات برس رہ کر ۸۷۳ھ میں بغداد واپس ہوئے پھر اسی سال دوبارہ سفیر ہو کر ان کو ہندوستان آنا پڑا، اس دفعہ غالباً بارہ سال کے بعد ۸۷۳ھ میں پھر بغداد واپس آئے اور

میں نہ صرف میں وفات پائی۔ صفائی علم نوا اور لغت اور حدیث کے امام تھے، مذہبی کا قول ہے
 كَانَ إِلَيْهِ الْمُنْتَهَى فِي مَعْرِفَةِ اللُّغَةِ يَعْنِي لُغَتِ دَانِي ان پر ختم تھی، یا قوت اور سیوطی نے ان کو
 ائمہ ادب و نحو میں شمار کیا ہے، مذہبی وغیرہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ دیانت و امانت کے ساتھ
 ان کو نقد و حدیث میں بھی بڑی بصیرت تھی۔

اب سنئے کہ لغت میں ان کا پایہ یہ تھا کہ صمد قلوب میں جن کی کتاب پر آج عموماً محل
 لغات کا دار مدار ہے ان کا اکثر مایہ صفائی کی تصنیفات عباب وغیرہ میں، عباب کے علاوہ لغت
 میں ان کی دوسری تصانیف بھی ہیں مثلاً مجمع البحرین، التکملة علی الصحاح، الشوارذ فی اللغات
 اور الاضداد وغیرہ۔

اور فن حدیث میں انکی سب سے زیادہ مقبول کتاب تاریخ الانوار ہے، اسکی سوانحاری کی
 شرح، اور در السحاب فی دنیات الصحابة اور مصباح الدجی اور الشمس المنيرة وغیرہ انکی تصنیفات ہیں
 مشارق الانوار کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگائے کہ حاجی خلیفہ نے تقریباً اسکی بیس
 شروح و حواشی کے نام کشف الظنون میں گنائے ہیں، اردو میں اس کا نہایت مستند ترجمہ مع فوائد
 کے مولانا خرم علی ملہوری نے لکھا ہے جو بار بار طبع ہو چکا ہے

یا قوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صفائی نے کم از کم دو بار حج کیا ہے، ایک یمن جانے
 سے پہلے اور دوسرا یمن جانے کے بعد، یا قوت نے مناسک حج کے باب میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کر کے
 لکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو اپنے ان شعروں پر ختم کیا ہے، انکو آپ بھی پڑھئے اور اندازہ لگائے
 کہ ان کو حج کا کیسا بے پایاں شوق اور کعبہ کے ساتھ کس درجہ کا عشق تھا۔

شوقی الی الکعبۃ الغراء قد زادا فاستعمل القلص الوحدۃ الزادا

اراقہ الخنظل العاقی منبجعا وغیرک انتجع العدان وارتادا

اتعبت مرجه حتى اضر عن كسب
نیا قہار زحاد الصوب مقادرا

فاقطع علائق ما تجوہ من شب
واستودع اللہ اموالا واولادا

امام صفائی نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ میری نعش مکہ معظمہ میں دفن کی جائے اور جو شخص نعش لیجائے کو آمادہ ہوا سکے لئے پچاس دینار کی وصیت بھی کی، اس لئے بروقت تہجد میں دفن کر دئے گئے مگر بعد میں ان کی وصیت کے مطابق ان کی نعش کو مکہ لیجا کر دفن کیا گیا (جو اہل باقوت مرآۃ، بغیہ وغیرہ)

نواب صدیق حسن خاں نے نقل کیا ہے کہ وہ ایک عرصہ تک مکہ میں مجاورت کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انھوں نے مشارق الانوار کے دیباچہ میں اپنے کو الملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ (اللہ کے حرم میں پناہ لینے والا) لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مکہ میں مجاور تھے اور اسی زمانہ میں یہ کتاب انھوں نے لکھی ہے۔

فقیہ میں، ولی کبیر عارف باللہ ابن عجل

آپ کا نام احمد بن موسیٰ تھا، آپ کا خاندان اہل علم وصلاح کا خاندان تھا، آپ کے والد فقہ و اصول کے بڑے عالم اور مفتی تھے، ابن عجل یحییٰ بن ہی سے نہایت نیک اور علم کے دلدادہ تھے کبھی کسی نے کھیل کود میں انکو نہیں پایا، اپنے چچا ابراہیم کی خدمت میں بارہ برس رہ کر تمام فنون میں مہارت پیدا کی اسکے بعد دوسرے اساتذہ سے علم حاصل کیا مثلاً مکہ میں ابن مسدی (مغربی) اور سخی بن ابی بکر طبری وغیرہ سے، ابن عجل سے جن لوگوں نے علم ظاہر و باطن میں استفادہ کیا انکی فہرست بہت طویل ہے جن میں علی ابن ابراہیم بجلی، ابن الصریح، علی بن عبد اللہ حیرتی اور رضی اللہ عنہ طبری وغیرہ بہت ممتاز ہیں۔

ابن عجل میں کو حج زیارت سے بڑا شرف و عشق تھا، اس لئے وہ بکثرت کہ وہ مدینہ جایا کرتے تھے اسی وجہ سے حجاز کے خواص و عوام ان کے شناسا تھے جیسا کہ اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں اور اوپر یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ ابن عجل نے ایک شیخ اسماعیل کی معیت میں حج کیا تھا اور ایک دفعہ شہر مدینہ میں وہ ابن غانم کے وعظ میں شریک ہوئے تھے، اس میں شیخ تقی الدین ابن دقیق العید بھی شریک تھے وہ وعظ بکثرت شریف کے سامنے ہوا اور اس کو تاج الدین فزاری نے قلم بند کیا تھا۔

اہل مکہ ان کی بزرگی و ولایت کے معتقد تھے اس لئے ان کی دعائیں بیا کرتے تھے ایک دفعہ کسی نے دعا کی درخواست کی تو انہوں نے رضی الدین طبری کا نام لیکر فرمایا کہ تمہارے یہاں تو ابراہیم موجود ہی ہیں، رضی الدین طبری مسجد حرام میں مقام ابراہیم کے امام تھے امام یافعی کے شیخ الحدیث تھے اور اس فن میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔

یافعی نے ابن عجل کے علم و تحقیق، زہد و ورع اور ان کی سیرت کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کا خیال ہے کہ تقویٰ، تورع اور سادگی میں وہ امام نووی سے آگے تھے، ان کی بزرگی کی شہرت ان کی زندگی ہی میں دور دور پہنچ چکی تھی، یافعی کا بیان ہے کہ ان کی زندگی ایسی سادہ تھی کہ ہمیشہ سرخ باجرا اور مٹھا ان کی خوراک تھی اور بس۔

باطنی مشاغل کے ساتھ شب و روز طلبہ کو علم ظاہر کی تعلیم دینے میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ کوئی مقامات حریری لیکر آجاتا تو اسکو بھی پڑھا دیتے تھے۔ آپ کی وفات ۷۹۹ھ میں ہوئی۔

فقہ الشیام شیخ الاسلام تاج الدین فزاری

آپ کا نام عبد الرحمن بن ابراہیم تھا اور ابن سباع عرف تھا، آپ کو لوگ فکاح بھی کہتے تھے فقہ شافعی میں امامت کا درجہ ان کو حاصل تھا، بقول مورخین اپنے زمانہ میں شیخ المذہب علی الاطلاق تھے براہ الدین بن الفکاح جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے معاصر تھے، آپ ہی کے بیٹے تھے، تاج الدین فزاری عز الدین بن عبد السلام اور ابن الصلاح کے شاگرد تھے، اور شیخ الاسلام

ابن تیمیہ اور ابراہیم حجازی اور قاضی القضاۃ ابن مصری وغیرہم کے استاد تھے۔ الحاصل علوم و فنون میں انکا پایہ بہت بلند تھا، مصنف بھی تھے اور انکی تصنیفات مائتہ روزگار تھیں،

آپ نے ۶۷۵ھ میں حج کیا تھا۔ اس سال ابن دقیق العید و ابن عجل وغیرہ بھی حجاز میں تھے اور ان سب حضرات نے کعبہ کے سامنے ابن غانم کا تاریخی و غلط سنا تھا اور اسکو تاج الدین فزارہ ہی نے قلم بند کیا تھا۔ تاج الدین کی وفات بھی ۶۷۵ھ میں ہوئی۔

ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ اذکیار عالم میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو اجتہاد کے مرتبہ پہنچے تھے، اور قطب یونینی نے کہا کہ ملک شام اور اسکے اطراف کے تمام قاضی ان کے شاگرد تھے اور اسکے ساتھ وہ قناعت و ایثار پیشہ بھی تھے، بڑے صاحب کرم، نرم اخلاق اور صاحب وقار تھے۔
(شذرات، ابن کثیر، مرآة)

علی بن ابراہیم عجلی مینی

آپ شیخ ابن عجل مینی کے ممتاز شاگردوں میں تھے، اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہونے کے ساتھ ولی کا بھی تھے، مہذب (فقہ شافعی کی کتاب) کے مسائل نوک زبان تھے۔ ان کے حلقہ درس سے اسی سے زیادہ مدرس پیدا ہوئے، جب انکے استاد شیخ زندہ تھے تو وہ مینی قافلوں کو گویا اپنی نگرانی میں لہر حج کے لئے جایا کرتے تھے، ان کے بعد علی بن ابراہیم کا یہی معمول تھا، ان کی معیت میں امام یافعی نے بھی سفر حج کیا ہے، جوانی میں انھوں نے ساہا سال پیدل سفر کر کے حج کئے ہیں اسی زمانہ میں ایک بار وہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو ابن عجل (جو اس سال مدینہ میں تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منامی اشارہ کی بنا پر ان کے استقبال کو نکلے تو دیکھا کہ سات آدمیوں کے مختصر سے قافلہ میں علی اپنی پیٹھ پر مشک باندھے چلے آ رہے ہیں۔

ان کے بیٹے ابراہیم بھی اپنے باپ کے سچے خلف اور مقبول حق تھے، ایک دفعہ وہ اپنے والد کے ساتھ مدینہ میں مساجد فتح کی زیارت کرنے گئے تھے، راستہ میں ایک کتا بھونکے لگا اور تنگ کیا تو ابراہیم نے اسکے منہ پر تھوک دیا، تھوکتے ہی کتا مر گیا تو ان کے والد بہت غضبناک ہو کر بلا ضرورت

شدید کرامت کا اظہار کیوں کیا (مرآۃ ص ۲۱۱)

قاضی القضاۃ شہاب الدین ابن النخویؒ

آپ کا نام محمد بن احمد بن خلیل تھا (ابن کثیر) یا احمد تھا (شذرات) آپ کے والد بھی قاضی القضاۃ تھے بہت سے علوم و فنون کے جامع تھے مصنف بھی تھے، ایک ایسی کتاب بھی لکھی ہے جو بیس فنون پر مشتمل ہے، بکثرت حدیثوں کا سماع بھی ان کو حاصل تھا اور اس فن سے ان کو محبت تھی، قضا کا محکمہ سنبھالنے کے ساتھ عادلانہ اور غزالیہ میں درس بھی دیتے تھے ابن کثیر نے لکھا ہے

کان من حسنات الزمان و اکابر العلماء الاعلاء

آپ نے ۶۸۹ھ میں امیر بدر الدین بکتوت (شامی امیر الحج) اور وزیر ابن سلوس وغیرہ کی معیت میں حج کیا تھا، اس سال امیر عقبہ اور ابونبی حاکم مکہ کے آدمیوں میں جنگ چھڑ جانے کی وجہ حجاج کو بڑی پریشانی پیش آگئی تھی تو آپ ہی نے درمیان میں پڑ کر مصالحت کرائی اور لوگ المینان سے حج کر سکے (ابن کثیر ص ۱۳) سماعی نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں فریقین کے چار ہزار آدمیوں کی جانیں ضائع ہوئیں، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب صلح ہو گئی تو سب لوگ چل دئے اور قاضی نخوی حرم میں تنہا رہ گئے ابونبی نے ان کو تعظیم و اکرام کے خیال سے اپنا آدمی ساتھ کر کے پہنچوایا۔ آپ کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی

شیخ العراق عز الدین فاروقیؒ

آپ کا نام احمد بن ابراہیم تھا، آپ نہایت محقق اور جامع فنون عالم، واعظ، قاری، مفسر اور خطیب تھے، نیز بہت بڑے شیخ طریقت بھی تھے، مریدوں کی تربیت خوب فرماتے تھے، حضرت شیخ شہاب الدین ہروردی کے ہاتھ سے خرقہ پہنا تھا، حرمین و عراق و دمشق میں بکثرت حدیثیں سنیں، آپ نے ایک مدت تک مکہ معظمہ میں مجاورت کی سعادت حاصل کی اسی زمانہ میں

سے نخوی بضم الفاء و فتح الواو بعد ایاء (شذرات) ۷۹۲ھ فاروقی حلب و ریاء و جلا ایک گاؤں سے (شذرات)

قاضی حرم نجم الدین محمد طبری نے آپ کے حاوی صغیر کا درس لیا ۹۱ھ میں شام چلے آئے اور دارالحدیث ظاہریہ کے شیخ الحدیث قرار دے گئے، پھر خطابت کیلئے بھی انھیں کا انتخاب ہوا، لیکن یک سال کے بعد ان کی جگہ پر موقوف حوی خطیب مقرر ہوئے اس لئے وہ حجاج کے ساتھ مکہ واذہ ہوئے مگر واسطہ پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا، کتابوں کے بڑے شائق تھے ان کے کتب خانہ میں دو ہزار جلدیں تھیں، بڑے عباد گزار بھی تھے، ۹۴ھ میں وفات ہوئی (مرآة، برزالی نے ان سے بخاری و ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ کی سماعت کی ہے (ابن کثیر)

شیخ الاسلام ابو الفرج ابن قدامہ مقدسی

عبد الرحمن بن محمد نام تھا، شیخ الاسلام موفقی مصنف مغنی کے بھتیجے اور شاگرد تھے، اپنے زمانہ میں رئیس المناہل بلکہ رئیس العلماء تھے، ان کے درس و افتاء سے لوگوں کو بہت نفع پہنچا، عوام و خواص میں ان کی عظمت اور بادشاہوں کے دلوں میں ان کی ہیبت تھی، بڑی ٹھوس دیانت اور تقویٰ کے مالک تھے، وہی نے ان کو "عبادت گزاروں کا پیشوا اور اپنے وقت کا یکساں" کہا ہے۔ امام نووی کا قول ہے کہ وہ میرے استادوں میں سب سے بڑے ہیں، یہ بھی فرمایا ہے کہ انکی امامت و جلال پر اتفاق تھا، انھوں نے تین حج کئے، آخری حج کا یہ قصہ ہے کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو طلب فرما رہے ہیں چنانچہ بلا تاخیر اسی سال حج کیا اور انکو بہت کچھ روحانی فتوحات حاصل ہوئے، نماز تہجد اور نماز چاشت پر مداومت کرتے تھے، مغرب و عشاء کے درمیان بھی جتنا ممکن ہو تا ضرور پڑھتے، بادشاہوں کے عطیے جو انکو ملتے تھے وہ دوسروں کو دیدیتے تھے، عام آدمیوں سے تواضع کیساتھ پیش آتے اور بادشاہوں سے خود داری برتنے تھے، جنکو بیمار مین پاتے انکی عیادت کرتے، اسی طرح عموماً جنازوں میں بھی شرکت فرماتے تھے، بارہ برس قاضی رہے مگر خواہ نہیں لی، ابن تیمیہ بھی انکے شاگرد تھے اور ابن تیمیہ انکے جید مداح تھے، انکی وفات پر اپنے شدید تاثرات کا اظہار کیا تھا، ۸۳ھ میں انکی وفات ہوئی (شدائے

امام غلامہ جلال الدین خبازی

عمر بن محمد نام تھا نجدی الاصل تھے، دمشق میں سکونت تھی، بہت بڑے فقیہ، بڑے زاہد و متقی اور نہایت عبادت گزار تھے، فقہ و اصول میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، مفتی و مدرس تھے پہلے معز بن برانیہ (دمشق) میں مدرس تھے پھر ایک سال مکہ میں مجاورت کے بعد دمشق آکر مدرسہ خاتونیہ میں درس دینا شروع کیا ۶۹۱ھ میں وفات پائی، وہی دبر زالی نے ان کے فضل و زہد کی تعریف کی ہے۔
(شذرات و جواہر)

فیہ و بکبکی

عبد الحمن بن یوسف نام تھا، ابو محمد کنیت تھی، حنبلی المذہب فقیہ و مفتی اور محدث تھے فقیہ یونانی اور نووی وغیرہا کی محبت میں رہے تھے، یونانی ان کو اپنی اولاد سے بڑھ کر مانتے تھے، اور انھیں کو امام مقرر کر کے ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، ان کا معمول تھا کہ رات کے آخری تہائی حصہ میں التزام تہجد پڑھتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیان قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے اور ایام بھیض (ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) اور شوال کے چھ دن، اور عشرہ ذی الحجہ و محرم میں روزہ رکھتے تھے، اس میں خلل نہیں واقع ہونے دیتے تھے، قطب الدین یونانی کا بیان ہے کہ میں مکہ کے راستہ میں انکار فتن سفر رہا ہوں میں نے ان کی ریاست و عبادت اور حسن اوصاف کی مثال شاؤ و نادر ہی دیکھی ہوگی، آپ کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی (شذرات)

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

شرف الدین نام، مصلح لقب اور سعدی تخلص تھا، ۷۵۸ھ میں یا اسکے قبل پیدا ہوئے بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں شیخ ابو الفرج ابن الجوزی کی خدمت میں تحصیل علم کی، اسکے بعد ایک مدت ورازنک میر و سیاحت میں رہے، انھوں نے ایشیائے کوچک، بربر حبش، مصر، شام، فلسطین

آرمینیا، کاشغر، ہندوستان وغیرہ کا سفر کیا، اور سیاحت کے سلسلہ میں بکثرت علماء و صلحا اور اولیاء کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے، غالباً شیخ شہاب الدین بہروردی سے بیعت تھے جیسا کہ گلستاں کے ایک قطعہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ شیخ کی تصنیفات گلستاں اور بوستاں پند و نصائح اور حکمت و سیاست کے موضوع پر اس قدر مقبول ہوئیں کہ ایسی مقبولیت معدودے چند ہی کتابوں کو نصیب ہوئی ہوگی، ان کتابوں میں شیخ کا انداز بیان اس قدر شیریں اور انسداد فریبی کہ اس قسم کی دوسری کسی کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

شیخ کوچ سے بڑا شغف اور اس پاک سرزمین سے انکو و الہانہ عقیدت تھی، اکثر تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے چودہ حج پیادہ کئے ہیں، اور خود شیخ کے کلام سے تعداد کی تو نہیں مگر پیادہ حج کرنے کی تصدیق ہوتی ہے، شیخ گلستاں میں فراتے ہیں کہ مکہ کے بیاباں میں ایک رات جاگتے جاگتے چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تو میں زمین پر سر رکھ کر پڑا اور شتر بان جو قافلہ میں تھا اس سے میں نے کہا بس اب ہم سے ہاتھ اٹھالے۔

پاے مسکیں پیادہ چند رود
کز تحمل ستودہ شد بختی
تا شود جسم فریبے لاعنصر
لاغرے مردہ باشد از سختی

یعنی پیدل چلنے والے مسکین کے پیر کب تک چلیں، کہ اب تو بختی اونٹ کے برداشت سے بھی مر جیو
جب تک کسی موٹے کا جسم لاغر ہوگا، اتنے دنوں میں دبلا آدمی سختی کی وجہ سے مر جائے گا،
شتر بان نے کہا کہ بھائی! حرم مکہ سامنے ہے اور ڈاکو چور بھیجے ہیں اگر ہمت کر کے تھوڑا
اور چلو تو میدہ ان مار لو گے اور اگر پڑ کے سو گئے تو ہلاکت کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں ہے، کہا گیا کہ یہ
خوش است زیر مغیلاں براہ باو خفت
شب حیل ولے ترک جاں بیاگفت

یعنی بول کے درخت کے نیچے میدہ ان میں سوتے ہوئے تو بہت اچھا لگتا ہے مگر اسکے لئے جان دینے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے (گلستاں ب) بوستاں میں بھی اسی طرح کا ایک قصہ لکھا ہے جو بیابان فیدہ میں ان کو پیش آیا تھا۔ شیخ نے اپنے سفر حج کے متعدد واقعات بیان کئے ہیں جو سننے کے قابل ہیں

گھلتاں میں ڈالتے ہیں کہ ایک شخص ننگے پیرو ننگے سر یا وہ پاچھ کرنے کا ارادہ کر کے کوڑے سے حجاز جانے والے قافلہ کے ساتھ ہوا میں نے جو معلوم کیا تو اسکے پاس روپیہ پیسہ بھی نہیں تھا، بایں ہمہ بالکل مستانہ چال سے قافلہ کے ساتھ یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

نیرا شتر زیر بارم نہ خوا شتر زیر بارم
نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم
غیم موجود پریشانی معدوم نہ دارم
نفسے میزیم آسودہ دہم سے بسر آرم

یعنی میں نہ اونٹ پر سوار ہوں نہ اونٹ کی طرح بوجھ سے دبائوں نہ رعایا کا مالک ہوں نہ بادشاہ کا غلام ہوں، نہ حاضر کا غم ہے نہ غائب کی پریشانی ہے، آرام سے سانس لے رہا ہوں اور عمر پوری کر رہا ہوں، ایک شتر سوار نے اس سے کہا کہ اے درویش کہاں جا رہا ہے، بوٹ جاو، نہ تکلیف سے مر جائگا اس نے ایک نہ سنی اور چلتا رہا، جب نحمدہ بنی محمڈ میں قافلہ پہنچا تو اتفاق دیکھے کہ وہ شتر سوار والدہ مر گیا، اس وقت اس درویش نے اسکے سر ہانے جا کر کہا کہ، ما بسختی فردیم و تو نہ سختی بمردی یعنی ہم تو سختی سے نہیں مرے مگر تم سختی، اونٹ یر مر گئے! (گلستاں بٹ)

ایک دوسرا واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سفر حجاز میں چند بہم دم مقدم اور صاحب ل جوانوں کا ساتھ ہو گیا تھا وہ کبھی کبھی جوش میں آکر کوئی تھکانہ شعر ترنم کے ساتھ پڑھ دیا کرتے تھے، قافلہ میں ایک عارف متقی بزرگ بھی تھے وہ ٹوکا اور ڈانٹا کرتے تھے، جب ہم نخل بنی ہلال میں پہنچے تو وہاں کی آبادی سے ایک حبشی بچے نے خلکڑا ایسی پڑی اور دل ہلا دینے والی آواز سے ایک شعر پڑھا کہ اڑتی ہوئی چڑیاں فضا میں رگ گئیں اور ان بزرگ کا اونٹ ناچنے لگا وہ دھم سے زمین پر آ گئے اور اونٹ خیل کی طرف نکل گیا (گلستاں بٹ)

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ حجاز جانے والے قافلہ میں ایک خرقہ پوش بزرگ بھی تھے، ان کو عرب کے ایک امیر نے منی میں قربانی کرنے کیلئے سودینار دئے تھے، جاتے جاتے ایک مقام پر قصاب جو خدا کے پیروں نے ہم پر بھیجا تھا اور جیسا کچھ تھا سب لوٹ لے گئے، دوسرے نامک لوگوں نے نور زاد حونا جیسا چائنا اور بے کار وادیل چائنا شروع کیا مگر اس خرقہ پوش برکونی اثر نہ تھا

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ ہوا ہی نہیں میں نے اس سے کہا شاید وہ رقم (جو میرے بٹے دی تھی) چور نہیں لے گئے، فرمایا بے کیوں نہیں گئے، لیکن مجھ کو اس کی افقت نہیں تھی کہ اس کے جانے کا قلق ہو رہا

نباید بستن اندر چیز و کس دل کہ دل برداشتن کا رستہ مشکل

ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بد کو دیکھ جو اپنے لڑکے سے کہہ رہا تھا یا بنی اناٹ
مسئول یوم القیمة ماذا الکسبت ولا یقال بمن ان کسبت یعنی قیامت تم سے یہ سوال ہوگا کہ تمہارے پاس ہنر کیا ہے، یہ سوال نہ ہوگا کہ تمہارا پدر کون تھا ہے

جامئہ کعبہ را کہ می بوسند اونہ از کرم پیلہ نامی شد

باعزیزے نشست روزے چند لاجرم بچو او گرامی شد

یعنی کعبہ کے غلاف کو جو بوسہ دیتے ہیں تو اس کو یہ عزت ریشم کے کپڑے کی وجہ نہیں ملی ہے بلکہ ایک قابل عزت و احترام شی (کعبہ) کے ساتھ اس کو چند دن صحبت کا شرف حاصل ہوا اس لئے وہ بھی معظم و محترم ہو گیا (گلستاں بٹ)

ساتویں باب میں فرماتے ہیں کہ ایک سال پیدل جانے والے حاجیوں میں جھگڑا ہو گیا، اس سفر

میں میں بھی پیدل تھا، حق بات ہے کہ ہم خوب لڑے اور فسوق و جدال کی چھی طرح داد دی، ہمارا یہ حال دیکھ کر ایک حاجی جو کجاوہ میں سوار تھا اپنے ساتھی سے بولا کہ عاج (دانتی دانت) کا پیادہ تو شطرنج کی بساط میں سافٹ لے کر کے فرزین (یعنی پہلے سے بہتر) ہو جاتا ہے اور حاج (حاجیوں) کا پیادہ اپنا راستہ قطع کر کے پہلے سے بدتر ہو گیا ہے

از من بگوئے حاجی مردم گز آرا کو پوستین خلق بازار می ورد

حاجی تو نیستی شترست، از بر آ آنکہ بیچارہ خاری خورد و باری برد

یعنی آدمیوں کو کاٹ کھانے والے حاجی سے جو مخلوق خدا کو آزار دیتا ہے میری طرف سے کہہ دے

کہ تو حاجی نہیں ہے، بلکہ اونٹ حاجی ہے کہ وہ بیچارہ کانٹے کھاتا ہے اور بوجھ ڈھوتا ہے،

اور سب سے زیادہ مؤثر اور رفت خیز و درد انگیز واقعہ لکھا ہے کہ میں نے ایک درویش کو

دیکھا کہ وہ آستان کعبہ پر اپنا سر رکھ رہا تھا اور رو کر کہہ رہا تھا کہ اے غفور رحیم تو جانتا ہے کہ ظلم

وجہوں انسان سے ظلم و نادانی کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے ۵

عذر تقصیر خدمت آدرودم کہ نہ ارم بطاعت استظهار
عاصیاں از گناہ توبہ کنند عارفان از عبادت استغفار

یعنی میرے پاس طاعت و عبادت نہیں ہے کہ اس سے مجھ کو تقویت حاصل ہو، اس لئے میں خدمت میں کوتاہی کی صرف معذرت لایا ہوں، گناہگار گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور عارف لوگ اپنی عبادتوں کی خامیوں سے استغفار کرتے ہیں۔

عبادت گناہ بندے عبادتوں کا ثواب مانگتے ہیں اور تاجر لوگ سودے کی قیمت، لیکن میں ایک بیکیں غلام ہوں امیہ لایا ہوں نہ طاعت اور بھیک مانگنے آیا ہوں نہ تجارت کے لئے، اصنع لی مانت اھدہ ولا تفعل بنا ما نحن اھلہ (تو ہمارے ساتھ وہ کر جو تیرے لئے سزاوار ہے وہ نہ کر جس کے ہم مستحق ہیں ۵

گر کشی در جرم غشی روئے و سر بر آستانم بندہ افزاں نباشد ہر چہ فرمائی برانم
تو چاہے تو ہلاک کرے چاہے تو بخشدے ہمارا منہ اور سر تیرے آستانہ پر ہے، بندہ حکم نہیں دے سکتا جو تیرا حکم اور مرضی ہو ہم اس پر راضی ہیں (قطعہ)

برود کعبہ سائے ویدم کہ ہی گفت دی گریستی خوش
من نگویم کہ طاعتم بپذیر فلم عفو بر گناہم کش

کعبہ کے دروازہ پر ایک سائل کو دیکھا کہ خوب رو رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت و عبادت قبول فرما، بلکہ میری عرض صرف یہ ہے کہ میرے گناہوں پر معافی کا خط کھینچ دے شیخ نے اپنی کتاب بوستاں میں بھی بعض واقعات جج لکھے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں ۵

ما حاجیہ شانہ حاج داد کہ رحمت براخلان حجاج باد
شنیدم کہ بارے سگم خواندہ بود کہ از من نبوی دلش ماندہ بود
بہند اتم شانہ کیس استخوان نمی بایدیم دیگرم سگ مجاز

ہند اچوں سرکہ خود خورم کہ جو ر خداوند حلوا برم
 یعنی ایک حاجی نے مجھ کو ہاتھی دانت کی ایک کنگھی دی (حجاج کے اخلاق پر خدا کی رحمت ہو)
 میں نے سنا تھا کہ کبھی اسکو مجھ سے کچھ شکایت ہوگئی تھی اور اس نے مجھ کو کہا کہ یہ یا تھا اس نے
 میں نے کنگھی اسکی طرف پھینک دی اور کہا مجھ کو یہ ہڈی نہیں چاہئے ہاں آئندہ آپ مجھ کو کنا نہ
 کہئے جب میں اپنے سرکہ پر قناعت کرنا ہوں تو یہ نہ سمجھے کہ حلوے والے کا ستم برداشت کرنا گناہ ہے
 شیخ نے بوستان کے دروں باب میں ایک شوریدہ سر حاجی کی درد سوز سے بھری ہوئی سناج
 نقل کی ہے جسکو پڑھکر ممکن نہیں کہ کوئی آنکھوں پر قابو رکھ سکے، اسکو ہم انشاء اللہ کتاب کے آخر میں
 نقل کریں گے اور اسی کو خاتمۃ الکتاب قرار دیں گے، شیخ کا سال وفات ۱۱۹۷ھ ہے، شیراز میں مزار ہے۔

سرحلقہ شاذلیہ شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہ

علی بن عبد اللہ نام تھا، دیا در مغرب (شمالی افریقہ) میں اصل وطن تھا، اسکندریہ میں سکونت تھی
 پہلے اپنے وطن میں علوم شرعیہ کی تحصیل کر کے ایسی مہارت بہم پہونچائی کہ باوجودیکہ بصارت ظاہری نہ
 تھی مسائل علیہ میں علماء سے بحث کرتے تھے، اسکے بعد انکا میلان تصوف کی طرف ہو گیا اور تزکیہ باطن
 کے لئے بڑے بڑے ریاضات و مجاہدات کئے، تا آنکہ غیر معمولی صلاح کا ظہور ہوا، اور اس راہ میں انکی
 روش کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، پھر سیاحت کا خیال پایہ ابوا اور بہت سے ملکوں کی سیر کے بعد
 اسکندریہ پہونچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

شیخ تقی الدین ابن دقین العید جیسے یگانہ روزگار امام علم و فن اور عارف باللہ نے انکے حق میں
 فرمایا ہے کہ ما رأیت اَعْرَفَ باللہ مِنہ (میں نے ان سے بڑا عارف باللہ نہیں دیکھا)، اسکے باوجود انکو
 اذیت پہونچائی گئی اور دیا در مغرب انکو مع انکی جماعت کے جلاوطن کیا گیا، اسکندریہ آئے تو ان کے
 اہل وطن نے یہاں بھی انکی شکایت لکھ بھیجی، یہاں بھی لوگ درپے ایذا ہوئے مگر انکی کرامات کے
 مشاہدہ کے بعد انکے معتقد ہو گئے، اور ایسے معتقد ہوئے کہ جب انکی سواری نکلتی تھی تو اکابر فقرائے

سلادہ بڑے بڑے روسا و امرا انکی سواری کے ساتھ پیدل چلتے تھے۔

امام شاذلی نے متعدد حج کئے ہیں، بعد سفر حج ہی میں انکا انتقال بھی ہوا ہے ۵۶ھ میں کر جاتے ہوئے صحراے عیذاب میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔

حافظ عبد العظیم منذری

اکابر شاہ حافظ حدیث میں آپ کا شمار ہے، بیس برس تک مدرسہ کاظمیہ کے شیخ رہے اور اور نہایت اہم کتاب کے ساتھ علم کے فائدہ و فائزہ میں مصروف رہے، انکے کمال علمی کی اس بڑی اور کیا شہادت چاہئے کہ حافظ دمیاطی، ابن دقیق العید اور شریف سراج الدین علم حدیث میں اپنی فنی مہارت کیلئے انھیں کے مرہون منت ہیں، انکی کتاب التکملة لوفیات النقلة سے اکابر محدثین نے فائدہ اٹھایا ہے اور الترغیب والترہیب سے آج تک علماء فائدہ اٹھا رہے ہیں جو مصر اور ہندوستان سے شائع ہو چکی ہے حافظ منذری کی ایک بہترین تالیف سنن ابو داؤد کی تفسیر بھی ہے جو جلد ہی مصر میں چھپی ہے۔

منذری نے حج کے ساتھ مدینہ حدیثیں بھی سنیں، انکی وفات بھی ۵۶ھ میں ہوئی۔

عارف باللہ کواشی مفسر

احمد بن یوسف نام تھا بڑے محقق مفسر اور ماہر فن قاری، اور زہد و ورع میں بہت ممتاز تھے، حج کے ساتھ بیت المقدس کی زیارت بھی کی تھی، ذہبی نے لکھا ہے کہ زہد و صلاح میں انکی مثال نہیں تھی بادشاہ و امراے دولت انکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور انکی صغریٰ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے نہ لنگے لئے کھڑے ہوتے تھے، بلکہ ان کے آنے سے انکو انقباض ہوتا، انکی کوئی چیز لیتے بھی نہ تھے، انھوں نے تفسیریں لکھی ہیں ایک کبیر، ایک صغیر، ۵۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔



امیر العزیز خدیجہ بنت یوسف

ابن اللتی اور دوسرے محدثین سے بکثرت احادیث روایت کرتی تھیں، خوش نویس تھیں، اور بقول عماد کے عالمہ فاضلہ تھیں، حج بھی کیا تھا ۶۹۹ھ میں انکی وفات ہوئی (شذرات)

جَاجَہ زَینب

بعلبک کی رہنے والی تھیں، ان کے متعہ و اوقاف ہیں، موید طوسی سے اجازت روایت احادیث کرتی تھیں، ان کی وفات بھی ۶۹۹ھ میں ہوئی (شذرات)

امیر الحاج ابن السفاری

یوسف بن ابی السفار نام تھا دمشق وطن تھا۔ انھوں نے کئی بار صحیح بخاری سنائی، نامع اور اربلی وغیرہ سے انکو روایت کا حق حاصل تھا، انھوں نے متعدد بار حج کیا تھا، ۷۹۰ھ میں تاتاریوں کے حملہ کے وقت وفات ہوئی اس لئے ایک صندوق میں ان کی لاش محفوظ کر دی گئی، جب امن ہوا تو نیرب میں لیجا کر ان کو دفن کیا گیا۔ (شذرات)

شیخ جلال الدین تبریزی ہندی

آپ ہندوستان کے اولیائے کبار اور مشہور مشائخ طریقت میں سے ہیں پہلے شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید تھے، پیر کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین بہروردی کی خدمت میں آ گئے، اور بقول سلطان الاولیاء رحمان و دل سے انکی ایسی خدمتیں کیں کہ دوسرے کسی کو ایسی خدمتیں میسر نہیں آ سکتیں، شیخ شہاب الدین ہر سال حج کرتے تھے، کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے جب تک کھانے کی چیز گرم نہ ہو ان کے مزاج کے موافق نہیں ہوتی تھی، شیخ جلال الدین راستہ بھران کے لئے ہر وقت

گرم کھانا ساتھ لئے ہوئے چلتے تھے، جہاں شیخ نے گرم کھانا طلب کیا، انھوں نے فوراً حاضر کر دیا۔
 اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ شیخ جلال الدین نے بار بار حضرت شیخ کی میت میں حج کیا ہے
 آپ حضرت خواجہ قطب الدین کاکی (المتوفی ۷۳۵ھ) کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے، لیکن دہلی کے
 شیخ الاسلام سے کسی بات میں بخش ہوئی ہوگی اس سے آپ کو بنگالہ چلے جانا پڑا، شیخ کا مزار
 بنگالہ ہی میں ہے (اخبار الانبیاء ص ۴۳)

مولانا محمد بن حاجی

آپ بھی شیخ المشائخ بہروردی کے مرید تھے، آپ نے بارہ حج کئے تھے، شمس الدین التمش
 کے زمانہ (از ۷۹۵ تا ۸۰۵ھ) میں دہلی آئے، التمش نے آپ کو اپنی سلطنت کا مسد مقرر کرنا چاہا، آپ
 راضی نہ تھے مگر مجبور کرنے کی وجہ سے دو سال تک یہ خدمت انجام دی، اور اس مدت میں تمام
 نظم و نسق درست کر کے مستعفی ہو گئے، شیخ عبدالحق فرماتے ہیں، عید ضعی کے بعد ایام تشریق میں شاہنشاہ
 دہلی شہر سے نکل کر آپ کے مزار کے پاس جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو مولانا محمد حاجی کا ختم کہتے ہیں
 (اخبار الانبیاء ص ۴۹)

مستند

امین الدین محمد بن عبد اللہ لعلی

فقہ و محدث و قاری تھے، مذہبی نے کہا ہے کہ وہ بہترین لوگوں میں تھے، میں نے
 ان سے مدینہ منورہ ۱۵۰۰ اور نوک میں حدیث سنی ہے سنہ ۱۰۰۰ میں وفات ہوئی

— — — — —

شیخ الاسلام قاضی القضاۃ حافظ تقی الدین بن قتیب العید

محمد بن علی نام تھا، مصر وطن تھا، علم و عمل میں بے نظیر تھے، اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تاجر اور سب سے بڑے متدین و پرہیزگار تھے، بہت سے علوم میں ان کو کمال حاصل تھا خصوصیت سے علم حدیث میں سب سے فائق سمجھے جاتے تھے، آٹھویں صدی کی ابتداء کا مجدد بھی ان کو کہا گیا ہے، دیار مصر کے قاضی تھے اور دارالحدیث کا مدیر کے شیخ تھے، شیخ عزالدین بن عبد السلام فرماتے تھے کہ مصر دو شخصوں پر فخر کرتا ہے اسکے ایک طرف (اسکندریہ میں) ابن منیر میں اور دوسری طرف (قوس میں) ابن قتیب العید امام اور اس کی شرح امام، اقتراح اور شرح عمدة الاحکام شیخ کی تصنیفات میں بہت بلند پایہ اور ان کے علمی کمالات کی آئینہ دار ہیں۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ شیخ نے سنہ ۷۱۰ھ میں حج کیا تھا اور مکہ میں آپ ابن غانم کے وعظ میں شریک تھے، شیخ کی وفات سنہ ۷۱۰ھ میں ہوئی۔

ابو عبد اللہ محمد بن مطرف اندلسی

اپنے ساتھ برس مکہ میں مجاورت و قیام کیا، دن رات میں پچاس طواف کرتے تھے، رمضان سنہ ۷۱۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی، حاکم مکہ حمیض نے آپ کے جنازہ کو کا نہ صا دیا تھا، یاغی نے آپ کو شیخ کو و عارف باللہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ شیخ ابو محمد شکر کے مکہ سے زیارت نبوی کے ارادہ سے مدینہ جانے کا قصد کیا تو وہ شیخ محمد بن مطرف سے رخصت ہوئے کیلئے آئے، شیخ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ فقیر (راستہ کی ایک منزل کا نام ہے) میں پانی نہیں ہے، تم لوگ پیاس کی سخت تکلیف اٹھاؤ گے لیکن پھر بارش ہوگی، شیخ ابو محمد چار آدمیوں کے قافلہ میں روانہ ہوئے فقیر پہنچے تو واقعی وہی حال تھا جو شیخ نے بتایا تھا اس لئے وہ لوگ براہین کی طرف ہوئے مگر پانی کی نایابی اور گرمی کی شدت کا وہی حال رہا لطف یہ کہ کہیں سایہ بھی نہیں تھا غرضیکہ انتہائی تکلیف و پریشانی کی حالت تھی کہ قدرتی حق

کاٹھو ہوا، بادل اٹھا اور خوب برسا۔ پھر تو ان لوگوں نے خوب نہایا، وضو کیا، پانی پیا اور مشکوں
میں بھیر کر آگے کو میلے تو چند قدموں کے بعد پانی کا کوئی نشان نہ تھا (شذرات و انصاف)

شیخ اکرم ظہیر الدین محمد بن عبد اللہ بغدادی
آپ چالیس برس کو میں مجاور رہے، آپ کی وفات سنہ ۷۱۵ میں ہوئی

محدث شمس و شام محمد بن علی عماد
ابن الموازینی کے نام سے ان کی شہرت تھی، نہایت دیندار اور زاہد تھے، سماع
حدیث کیلئے دور دور سے لوگ ان کے پاس آتے تھے، متعدد حج کئے تھے سنہ ۷۱۵ میں ان کی وفات ہوئی۔
(شذرات)

ابو عبد اللہ دہلی بغدادی
عارف باللہ اور نہایت صالح و متقی تھے، ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے
دنیا کے کاموں کوئی سرکار نہ رکھتے تھے، دس برس تک کو میں مجاور رہے سنہ ۷۱۵ میں ان کی وفات ہوئی۔

ابو حفص عمر بن عبد الصمد السکندرانی
آپ اہل شہر تھے، اکابر ہی نے ان حدیث سنیں ہیں، کئی بار حج کی سعادت حاصل کی تھی سنہ ۷۱۵ میں وفات ہوئی۔

قاضی احمد بن سید الدین حارثی
مسعود بن احمد تھے مشہور حافظ حدیث اور جنسلی مذہب کے قاضی، لقنات تھے مفتی و مصنف
تھے قرآن، قرآنی مسائل و حدیث سے ان سے حدیث سنیں ہیں، انھوں نے کئی بار حج کیا تھا سنہ ۷۱۵ میں
وفات ہوئی (شذرات)، عونی جو اپنے کو اشعری جنسلی رافضی کہتا تھا اور صحابہ کی شان میں گستاخیاں

کیا کرتا تھا اس کو سعد لدین عارثی ہی نے پٹوایا پھر اسکی تشہیر کرا کے قید کر دیا تھا۔

صفی الدین ہندی

اپنے وقت کے نہایت نامور محقق عالم تھے، ان کا علی پایہ سمجھنے کیلئے اساجان لینا کافی ہے کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حریف اور مقابل تھے شہ ۷۶۷ میں دہلی سے چلکر میں آئے پھر حج کیا اور تین مہینے مکہ میں مجاور رہے مکہ سے پھر میں آئے ملک مظفر نے انکو چار سو دینار عطا کئے اسکے بعد چار برس مصر میں رہے، گیارہ برس قونیہ وغیرہ (ایشیاء) کو چلے، میں تحصیل علم کرتے رہے اسکے بعد ۷۸۵ میں دمشق آکر وہاں کے مختلف مدارس مشاطا ظاہریہ و تائیکیدہ وغیرہ میں درس دیا، علم اصول فقہ، کلام اور ادب میں ان کو بڑا کمال حاصل تھا شہ ۸۱۷ میں وفات ہوئی (شذرات و ابن کثیر)

عزالدین ابو حفص مدلجی مصری

عمر بن احمد نام تھا فقہ کے امام تھے، بخود حساب کے بھی محقق عالم اور نہایت دیندار و زاہد و پرہیزگار تھے شہ ۸۱۷ میں عینہ آب سے برادر یا سفر کر کے کوآئے اور حج کے بعد یا پہلے انتقال کر گئے (شذرات)

ام محمد زینب بنت احمد مقدسیہ

طلباء حدیث دور دور سے حدیثیں سننے آتے پاس آتے تھے، انھوں نے مصر اور مدینہ منورہ میں بھی لوگوں کو حدیث سنائی تھیں ظاہر ہے کہ مدینہ کا سفر سبیلہ حج ہی ہوا ہوگا انکی وفات شہ ۸۱۷ میں ہوئی

علامہ ابو عبد اللہ بلغی مالکی

محمد بن محمد بن علی نام تھا، اندلس میں تھا تیس برس تک سبتہ میں خطیب رہے وہاں ان لوگوں نے فقہ کا علم حاصل کیا اسکے بعد حج کیلئے آئے اور سات برس مکہ میں رکروہیں شہ ۸۱۷ میں انتقال کیا۔

دلی کبیر عارف باللہ نجم الدین عبد الشہ بن محمد صہبانی

عارف باللہ ابو العباس مری کے مرید و شاگرد تھے، بہت بڑے عارف و ولی تھے۔ ^{مظہر} انہوں نے مکر میں مجاور رہے، یافعی نے اپنے پہلے اور دوسرے حج میں انکی زیارت کی تھی، یافعی کا بیان ہے کہ پہلی دفعہ میں نے انکو دیکھا تھا تو وہ تندرست و توانا تھے، ہفتہ میں دوبارہ کھڑے تھے، اور طواف بہر شہرت کرتے تھے میں سمجھتا ہوں کہ سات طواف فجر کے بعد، ایک مغرب کے بعد، اور ایک عشا کے بعد کرتے، عشا کے بعد جو طواف کرتے تھے اس میں سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت بھی کرتے جاتے تھے، نیز فجر سے پہلے بھی ایک طواف کرتے تھے، لیکن جب دوسری مرتبہ میں کو حاضری ہوا تو وہ اس وقت بیمار تھے گھر سے باہر نکلنے کی سکت نہ تھی۔ یافعی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ان کے ساتھ عمرہ کیا، اور ان کا کلا بھی سنا ہے۔ بعض لوگ ان پر معرض تھے، کہ زیارت نبوی کو نہیں جاتے، اس اعتراض کی اطلاع ان کو ہوئی تو اسکا جواب صوفیہ کے مذاق کے مطابق یہ دیا کہ غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر سفر جائز نہیں ہے انھوں نے جب سے مکر میں مجاورت کی عرفات سے آگے کبھی نہیں گئے، ^{۱۲۷۷} میں آپ کی وفات ہوئی (مرآۃ) یافعی نے آپ کی متعدد کرامتیں نقل کی ہیں۔

شیخ القراء شیخ ابو محمد عبد اللہ دلاوی

آپ کتاب اللہ کے بڑے محقق و جید قاری تھے، حرم میں قرأت کی تعلیم دیتے تھے امام یافعی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ دن چڑھنے کے بعد جب طلبہ کو پڑھا کر فارغ ہوتے تھے تو ایک طواف خانہ کعبہ کا کرتے تھے، بڑھاپے سے ان کی کمر جھک گئی تھی مگر جب حجر اسود کے پاس پہنچتے تو کمر سیدھی ہو جاتی تھی اور وہ حجر اسود کا بوسہ لے لیتے تھے، یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے اپنے سلام کا جواب سنا تھا، آپ کی وفات بھی ^{۱۲۷۷} میں ہوئی

قَاضِی القضاۃ شمس الدین محمد بن مسلم صالحی

میتھی کی حالت میں علم حاصل کیا، تحصیل علم و درس و افادہ میں مشغول ہوئے، دیانت و تقویٰ اور قناعت و انیاس میں ممتاز مقام حاصل کیا، شمس الدین عہدہ قضا کے لئے انکے نام کا قرعہ نکلا تو پہلے انھوں نے منظور نہیں کیا پھر استخارہ کے بعد اس شرط پر اسکو قبول کر لیا، کہ ریشمی خلعت نہ پہنیں گے، نہ سرکاری اجتماعات میں سواری پر سوار ہونگے، انھوں نے تین حج کئے تھے، چوتھے حج کیلئے رواج ہوئے تو راستہ میں بیمار ہو گئے مگر سفر جاری رکھا جب حج کے بعد مدینہ پہنچے تو اسی بیماری و کمزوری کی حالت میں مسجد نبوی میں حاضر ہو کر نماز پڑھی پھر مزار انور پر صلوٰۃ و سلام پڑھا کیونکہ بیماری کے بعد سے انکو یہی دھن لگی ہوئی تھی پھر اسی دن انکا انتقال ہو گیا، یہ ذی قعدہ ۱۰۷۷ کا واقعہ ہے۔

وہ بھی ان حضرات میں تھے جنھوں نے ابن ابی نجیح شاگرد و خادم ابن تیمیہ کی وفات کی بوقت تنہائی کہ ہم کو بھی ایسی ہی موت نصیب ہو، چنانچہ تین سال کے بعد انکی وہ تمنا پوری ہوئی، یہ حنبلی المذہب تھے اور انھیں نے ابن تیمیہ کے خلاف یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ حنبلی مذہب کے خلاف مسئلہ طلاق وغیرہ میں انکی جو الگ رائے ہے اسکے مطابق فتویٰ نہ دیا کریں (شذرات و ابن کثیر)

مصنف تلخیص المفتاح

محمد بن عبد الرحمن نام اور جلال الدین لقب تھا پہلے شام میں خطیب قاضی تھے اور انکے آباؤ واجہ اوقزوین کے رہنے والے تھے اس لئے خطیب قزوینی کے ساتھ معروف تھے، شام کے بعد وہ مصر کے اور پھر شام کے قاضی مقرر ہوئے، الملک الناصر محمد بن قلاوون (سلطان شام و مصر) کے دربار میں انکا بڑا رسوخ تھا، انکی سفارش رد نہیں ہو سکتی تھی، انکی زبان نہایت فصیح اور گفتگو نہایت شیریں تھی، ادب اور معانی و بیان میں انکو بڑا دخل تھا، معانی و بیان میں انکے رسالہ تلخیص المفتاح کی مقبولیت محتاج بیان نہیں وہ آج بھی داخل درس ہے۔

دو عوام و اہل علم میں بہت مقبول تھے، نہایت فیاض و دریا دل تھے۔
انھوں نے الملک الناصر کی معیت میں حج کیا تھا، سلطان نے انکی شایانہ مالی اعانت
کی تھی اور انھوں نے مصریوں اور شامیوں پر دل کھول کر احسانات کئے تھے ۳۳۰ھ میں انکی وفات ہوئی۔

شیخ تاج الدین فاکہانی

عمر بن علی بن سالم نام تھا اسکندریہ کے رہنے والے تھے، مالکی المذہب تھے، ابن المنیر مالکی
اور ابن دقیق العید کے ممتاز شاگردوں میں انکا شمار ہے، عربیت اور دیگر فنون میں بڑے ماہر تھے
انکی تصنیفات میں شرح العمدة، المورد فی المولد، اور اللعدنی وقفہ الجمعہ وغیرہ کے نام ابن حجر نے
لئے ہیں، مروجہ میلاد کے منکرین میں انکا شمار ہے، انھوں نے ۳۳۰ھ میں براہ دمشق حج کیا اور
واپسی کے بعد ۳۳۰ھ میں انتقال کر گئے۔ ناچیز کہتا ہے کہ دور کا منہ میں اسی طرح ہے مگر یہ صحیح
نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ رمضان ۳۳۰ھ میں دمشق آئے اور وہاں قیام کیا جب شامی قافلہ روانہ
ہوا تو اسکے ساتھ وہ حج کو گئے، یہ ابن کثیر کا بیان ہے اور ابن کثیر حج میں انکے رفیق سفر تھے، نیز انھوں
نے تاج الدین سے اس موقع پر دمشق میں پڑھا ہے اور سفر میں حدیثیں سنی ہیں، اسی طرح انکی وفات
بھی ۳۳۰ھ میں نہیں بلکہ ۳۳۱ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ ابن کثیر کے علاوہ ابن فرحون نے بھی لکھا ہے۔
ان کا بیان ہے کہ میں نے شیخ ابوالعباس دمشق کے مزار کے قریب اللہ تعالیٰ سے دعا
کی کہ مجھے حج کی سعادت نصیب ہو، مصارف حج میں ایک ہزار درہم کی کمی تھی، اس دعا کے بعد مجھے
خواب میں شیخ کی زیارت نصیب ہوئی، شیخ نے فرمایا کہ فلاں تاجر ایک ہزار درہم تمہارے پاس لیکر
آئے گا کہ اسکو کہ میں میرے لڑکے کو دیدیجئے گا، تم اسکو قرض کہہ کے لے لینا اور اپنی ضروریات میں صرف
کرنا خدا نے چاہا تو کہ میں داخل ہونے نہ پاؤں گے کہ یہ رقم منلو خدہ اولو ادینگا، تاج الدین کہتے ہیں کہ وہ
تاجر آیا اور میں قرض لیکر وہ نہ ہو گیا، کہ قبرستان معلیٰ تک تو وہ رقم حاصل نہ ہوئی لیکن جب اس سے
آگے بڑھا تو، جہاں تک شخص مجھ کو پہنچ رہا ہے، لوگوں نے جب اسکو بتایا تو وہ میرے پاس آیا،

اور اس نے مجھ کو ایک ہزار درہم دئے، اور کہا کہ میں نے ابھی رات خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ایک ہزار درہم ساتھ لو اور جا کر فلاں کو دیدو، میں اسی بنا پر یہ رقم آپکے پاس لایا ہوں۔
 تاج الدین کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس تاجر کے لڑکے کے پاس میں گیا کہ اس کا روپیہ دیدوں، لیکن جب روپے پیش کئے تو اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میں نے تیس ہزار درہم میں ایک سامان تجارت خریدا تھا خریدنے کے بعد اس کا دام آدھا ہو گیا، دوسرے دن میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص جس کے جسم پر سبز کپڑے اور سر پر سفید ٹوپی ہے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تمہارے باپ نے جو رقم شیخ تاج الدین کے ہاتھ بھیجی ہے اس کو لینا، مئی کے ایام میں تمہارا سامان تجارت پختا لیس ہزار کو بک جائیگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کامیاب رہا۔
 ابن فرحون نے انکی تصنیفات میں چند اور کتابوں کے نام بھی لئے ہیں اور فن حدیث میں انکی شرح العمدہ کو بہت کثیر فوائد بتایا ہے نیز لکھا ہے کہ جس وقت فاکہانی دمشق گئے ہیں تو انھوں نے دارالحدیث اشرفیہ میں حاضر ہو کر نفل مبارک نبوی کی زیارت کی، نفل مبارک پر حجب نظر پڑی تو انھوں نے سر سے عمامہ اتار دیا اور اس کو بوسے دئے اور اس پر اپنا منہ ملا، اس وقت انکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور یہ شعر انکی زبان پر تھے۔

فلو قیل للجنون لیلیٰ ووصلھا توید ام الدنیا ومانی طویاھا

اگر جنون سے کہا جائے کہ تو لیلیٰ کا وصل چاہتا ہے یا ساری دنیا

لقال عباد من تراب نعالھا احب الی نفسی واشفی لبواھا

تو وہ کہے گا کہ لیلیٰ کی جوتیوں کا غبار مجھے زیادہ پیارا اور میرے درد کا درمان ہے،

جب انکی وفات کا وقت قریب آیا تو کسی رشتہ دار نے کلمہ کی تلقین شروع کی، انھوں

نے آنکھیں کھولیں اور یہ شعر پڑھا۔

وغدا یندکرنی عہود اباحی ومتی نسیت العمل حتی اذکرا

دو مجھے جی کی ملاقاتوں کی یاد دلارہا ہے لیکن میں ان ملاقاتوں کو بھولا کب ہوں کہ یاد کروں

شیخ خلیل مالتی مکی

ان کا اصل وطن مالتہ (انڈس کا ایک شہر) تھا، مگر میں مجاور ہو گئے تھے، مالکی مذہب کے نہایت جید فقیہ اور حرم شریف کے امام و خطیب تھے، انکی بزرگی و ولایت پر اتفاق تھا، حجاج کو ان سے علمی و روحانی اور مادی ہر قسم کے بیشمار فائدے پہنچتے تھے، وہ نہایت خوشدلی سے افادہ واداد فرماتے تھے، بہت سے لوگ زمانہ حج میں ان سے مناسک حج کا علم درس کے طور پر اور زبانی بھی حاصل کرتے تھے، خالد بلوی کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے ان سے سبقا بھی مناسک حج سیکھے اور ادائے مناسک میں انکے ساتھ رہ کر عمل تعلیم بھی حاصل کی، ابو عبد اللہ مرقی کا بیان ہے کہ (ہمارے زمانہ میں) وقوف عرفات کے امام شیخ خلیل تھے اور میں نے مناسک حج کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا جس نے روایت و روایت کے علاوہ ادائے مناسک کے مقامات کا یعنی شاہدہ ان سے زیادہ کیا ہو اور جس نے انکی خوب تحقیق کی ہو، چنانچہ جب میں مزدلفہ سے روانہ ہوا تو میں نے انکے پاس آدمی بھیج کر دریافت کر لیا کہ بطن محشر ٹھیک کہاں سے کہاں تک ہے، انہوں نے فرمایا کہ ساکبال سے لگاتار اس سنت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ جگہ مہول ہو گئی ہے لیکن (انہوں نے اشارہ کر کے بتایا کہ) بطن کہاں سے وہاں تک ہے، لہذا جس مقام کی انہوں نے نشاندہی کی ہے اس جگہ اپنی سواری کی رفتار کو تیز کر کے سنت پر عمل کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس عمل کے ترک سے ظنی مقام بھی بھول بھلا جائے جس طرح کہ اسکا یقینی علم جاتا رہا۔ اسی طرح مرقی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ عہد نبوی میں مسجد حرام کے حدود کیا تھے انہوں نے کہا لکڑی کے اس گول دائرہ تک جو بیت اللہ، مقام ابراہیم اور چاہ زمزم کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہے اب لکڑی کا یہ گول دائرہ نہیں ہے (مرقی نے کہا کہ پھر آپ اسکے باہر کیوں پڑتے ہیں حالانکہ بعد کے انہوں کا اصل مسجد کے حکم میں ہونا مختلف فیہ مسئلہ ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اہل مکہ پورے حرم کو جہ کہتے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے مرقی کہتے ہیں کہ لیکن شیخ

کی یہ بات میرے دل میں نہیں اتری اور میں ان کو ائمہ مسجد میں سب سے افضل مانتے ہوئے بھی مقام ابراہیم میں امامت کرنے والے کے پیچھے پڑھا کرتا تھا۔ میں نے عرفہ کے دن وقوف کے باب میں بھی یہی کیا کہ تھوڑی دیر سحرات (چٹانوں) کے پاس وقوف کر کے پھر جہاں امام وقوف کرتا ہے وہاں امام کے ساتھ وقوف کیا، شیخ خلیل کی وفات ۱۲۸۷ھ میں ہوئی (نیل الایہاج ص ۱۱۱)

شیخ خلیل مالکی مختصر

پہلے شیخ خلیل سے کچھ تاخیر ایک دوسرے خلیل ہیں وہ بھی مالکی مذہب ہیں مگر وہ اسکندریہ باشندہ تھے وہ فقہ مالکی میں ایک مثن کے مصنف ہیں جو مختصر خلیل کے نام سے مشہور ہے اور مالکی مذہب والوں میں وہ بھی مقبول ہے، ساتھ سے زیادہ اسکی شرحیں اور حاشئے لکھے گئے ہیں اور بقول تنبکیتی مشرق و مغرب میں ہر جگہ علما و طلبہ کے درمیان اسی کا سکر واں ہے، اور شیخ خلیل پر متاخرین کا اس قدر اعتماد ہے کہ اگر انکے خلاف کوئی قول کوئی نقل کرتا تو شیخ ناصر الدین لقانی جیسے محقق بھی بول اٹھتے تھے کہ بھائی ہم تو خلیل میں اگر ان سے غلطی ہوئی تو ہم بھی غلطی کریں گے، کہتے ہیں کہ شیخ خلیل نے پچیس برس میں اس مختصر کو لکھا تھا، شیخ خلیل کا خاندان فوجی تھا، انھوں نے علم و فضل میں یہ ادنیٰ مقام حاصل ہونے کے بعد بھی اپنا فوجی لباس تبدیل نہیں کیا، انکے والد حنفی المذہب تھے مگر چونکہ وہ شیخ ابو عبد اللہ مشونی مالکی کے مرید تھے اس لئے اپنے لڑکے کو اپنے پیر کی خدمت میں مالکی فقہ کی تعلیم دلوائی، شیخ خلیل نہایت دیندار و صالح اور علم کی خدمت میں نہایت جفاکش تھے بعض اوقات رات رات بھر سوتے نہ تھے صرف فجر کے بعد ذرا دیر کیلئے سو جاتے تھے تاکہ تکان دور ہو جائے، مگر سب سے بڑے مالکی مدرسہ شیخونہ میں مذہب مالکی کے مدرس تھے، کہتے ہیں کہ وہ بیس برس مصر میں رہے لیکن اس مدت میں انھوں نے کبھی دریائے نیل نہیں دیکھا۔

انھوں نے حج بھی کیا تھا اور مکہ میں مجاورت بھی کی تھی تنبکیتی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے کسی استاد کے گھر گئے معلوم ہوا وہ نہیں ہیں انھوں نے پوچھا کہاں گئے ہیں تو معلوم ہوا کہ پانچ

بہت گنہگار ہو گیا ہے اسکی وجہ سخت تکلیف ہے اس لئے وہ باہر نکلے ہیں کہ کوئی مزدور مل جائے تو اس سے صاف کرائیں شیخ خلیل بولے یہ کابھار ہے کرنے کا ہے چنانچہ فوراً آستین سرکائی دامن سمیٹے اور پاخانہ صاف کرنا شروع کر دیا اور لوگ تماشا دیکھنے لگے اتنے میں انکے استاد واپس آئے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا خلیل ہیں، استاد خلیل کی اس بے نفسی، سچی محبت اور پر خلوص خدمت کا بڑا عظیم اثر ہوا، اور انھوں نے سچے دل سے گڑ گڑا کر انکے حق میں دعا مانگ کی، اسی دعا کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے علم میں انکو یہ مقام عطا کیا اور انکی عمر میں برکت ارزانی فرمائی۔ شیخ خلیل کی وفات ۱۳۵۷ھ میں ہوئی (ذیل المآثر)

عبد اللہ بن محمد بن فرحون

اسلامشہی میں مگر مولد و مسکن مدینہ منورہ تھا، وہاں اپنے عہد کے رئیس المالکیہ اور نائب قاضی تھے، پچاس برس سے زیادہ حرم نبوی میں مشغول درس و تدریس رہے، فقہ وحدیث اور عربیہ کے زبردست عالم تھے، ابو حیان نحوی نے انکا ایک رسالہ دیکھ کر کہا تھا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ حجاز میں عربیہ کا ایسا ہر آدمی موجود ہے، کلام پاک کی تلاوت بکثرت کرتے تھے یہاں تک کہ حج کے زمانہ میں جب دوسرے حجاج نقل و حرکت وادائے مناسک کے انتظامات میں پریشان رہتے تھے تو اسوقت بھی یہ اطمینان سے تلاوت کرتے رہتے تھے، نوعمری ہی سے انکی عادت تھی کہ اذان کے آخری تہائی حصہ میں سوتے رہتے بلکہ نماز تلاوت میں مشغول رہتے تھے، ساٹھ برس تک انکا برابر یہ معمول رہا کہ ہر نماز کے وقت روضہ جنت کے اندر پہلی صف میں شریک جماعت ہوتے۔

انھوں نے پچپن حج کئے تھے اور سوائے حج کے کبھی مدینہ سے باہر نہیں گئے۔ انکا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اسوقت مدینہ منورہ میں شیعوں کی حکومت تھی اور انکو وہاں شوکت وغلبہ حاصل تھا اور سنی مظلوم و مقہور تھے لیکن جب ابن فرحون نائب قاضی ہوئے تو انھوں نے کوشش کر کے شیعہ قاضیوں کو برطرف کر دیا اور مدینہ کی گلیوں میں انکی برطرفی اور انکے احکام اور فیصلوں کے بطلان کا اعلان کر دیا، اسی طرح سنت کی سر بلندی اور بدعت تشیع کے زوال کیلئے انھوں نے اور بھی کاروائے نمایاں کئے، انھوں نے اہل سنت کی

پشت پناہی کیلئے اپنے کو وقف کر دیا تھا اور کھل کر انکی حمایت اور انکی طرف سے مدافعت کرتے تھے، جس کی وجہ سے امرار و حکام مدینہ انکے دشمن ہو گئے اور انھوں نے ایک دفعہ مکہ کے راستہ میں ایک جگہ انکو قید بھی کر دیا اور وہاں ان پر سخت قسم کا قاتلانہ حملہ بھی ہوا مگر اللہ نے اس کے شر سے انکو محفوظ رکھا اور وہ جاں بر ہو گئے۔ انھوں نے اپنے آخری حج کے موقع پر کہا کہ یہ حجۃ الوداع (خصتی حج) ہے انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے ایک خادم کو مزار انور کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ انھوں نے کئی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ وہ ابن فرحون مصنف دیباج کے چچا تھے ۷۳۵ھ میں انکی وفات ہوئی (دیباج)

ابراہیم بن یحلف تَمِش

بلاد مغرب کے جلیل القدر عالم اور ولی کامل تھے، ابن الحاج مالکی کے استاذ تھے، انکے عہد میں شمالی افریقہ کے لوگ صرف انکے فتویٰ پر اعتماد کرتے تھے، ابن الحاج مالکی نے علم کی طرف باشندگان مغرب کی بے توہی و بے رغبتی کی شکایت کی تو ابن المنیر نے فرمایا کہ جن بلاد میں ابوسحق (ابراہیم تمشی) جیسا عالم موجود ہو وہ علم سے خالی نہیں کہا جاسکتا۔

ابراہیم تمشی فرماتے تھے کہ جب میں مکہ حاضر ہوا تو طواف کے دربان مجھے آیت وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (جو اس میں داخل ہو وہ مامون ہو گیا) یاد پڑی اور میں سوچنے لگا کہ اس میں تو بڑا اختلاف ہے کہ کس چیز سے امن ہونا مراد ہے میں یہی سوچ رہا تھا کہ زور زور سے اُٹھنا اُٹھنا کہہ رہا تھا کہ میرے پیچھے سے تین باریہ آواز آئی کہ آگ سے مامون اے ابراہیم۔

ابن الحاج مالکی کا بیان ہے کہ ہم ایک دفعہ انکے ساتھ مصر کے دیہات میں سفر کر رہے تھے کہ بڑے زوروں کی پیاس لگی، انکے ایک شاگرد نے یہ محسوس کر کے شکر ڈالا ہوا دودھ انکے سامنے پیش کیا، مگر انھوں نے قبول نہیں کیا میں نے پوچھا کہ حضرت اتنی شدید مجبوری کے وقت آپ انکو کیوں رد کر رہے ہیں فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جو اسکو پڑھایا ہے کہیں اسکا عوض نہ ہو جائے تو میں ثواب آخرت سے محروم رہ جاؤں گا۔

ابراہیم تمشی کی وفات تلمسان میں ہوئی (ذیل الاتبہاج)

برادر ابن تیمیہ شیخ شرف الدین

عبد اللہ بن عبد الحلیم نام تھا شیخ الاسلام کے بھائی اور حنبلی مذہب کے پختہ کار فقیہ و امام اور فاضل
 و صاحب علم ہیئت وغیرہ میں بھی فائق تھے۔ راستی و اخلاص، زہد و عبادت اور شجاعت و دلیری نیز
 قناعت انکے نمایاں اوصاف تھے۔ انکی عادت تھی کہ شہر کے باہر کسی غیر آباد مسجد میں رات بھر نماز و
 ذکر میں مشغول رہتے اور دن کو گھر پر آجاتے، صدقات و خیرات بھی بہت کرتے تھے، بالخصوص سفر حج میں،
 حالانکہ جو شخص انکے ساتھ محل میں سوار ہوتا تھا وہ ان کے کجاوہ میں تلاش کرتا تھا تو کوئی چیز نہ ملتی تھی،
 پھر بھی معلوم نہیں کہاں سے وہ سونے کے بکترت کے خیرات میں بانٹا کرتے تھے، انھوں نے تعدد حج کئے تھے
 اپنے بھائی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی وجہ سے کئی بار انکو تنہا مناظرہ کی دعوت قبول کرنا پڑی اور
 انھوں نے فریق مخالف کو بند کر دیا، انکی وفات کے وقت شیخ الاسلام قید خانہ میں تھے جیل خانہ کے باہر
 انکی نماز پڑھی گئی اور چونکہ کبیر کی آواز جیل خانہ میں پہنچتی تھی اس لئے شیخ الاسلام کو بھی نماز جنازہ میں
 شرکت کا موقع مل گیا، ان کی وفات ششہ میں ہوئی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ

ابو العباس احمد بن عبد الحلیم حنبلی کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے، بظاہر اگرچہ ان کی
 وفات ہو چکی ہے لیکن درحقیقت اپنے علمی و عملی کارناموں کی وجہ سے وہ آج بھی زندہ ہیں، تفسیر و حدیث
 اور فقہ و اختلاف مذاہب اور دوسرے فنون میں انکو جو حیرت انگیز وسعت نظر اور کثرت اطلاع و
 اختصار حاصل تھا وہ انکے بعد بہت کم کسی کے حصہ میں آیا ہوگا۔

اسکے علاوہ تماریوں کے مملوک کے وقت انکی مجاہدانہ سرگرمیاں، ان کے امیر غازیان کے سامنے
 انکی جرات و بے باکی، دروزیت کے استیصال کیلئے انکی بہادرانہ پیشقدمی، بشرکانہ عادات کے ازالہ
 میں انکے مل نہ، تہاتر میں بھی خالص حال ہی نظر آسکتی ہے اور ان دونوں کمالات کا گہوارہ سر زور و

قوت اور جوش و خروش کے ساتھ اجتماعی طور پر انکے بعد شاید ہی کبھی ہوا ہو۔ بہر حال ابن تیمیہ اپنے علم و عمل کے لحاظ سے ہماری تاریخ کے یگانہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں اور وہ بجا طور پر اسکے مستحق ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل میں علمائے اسلام کی اکثریت بلکہ خود انکے ممتاز تلامذہ (مثلاً ابن حنبل بن کثیر و ذہبی) ان سے متفق نہیں ہیں، اور ہم بھی ان مسائل میں انکے ہمنوا نہیں ہیں لیکن اس سے انکے علمی کمالات پر کوئی حرج نہیں آتا، انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی بڑے سے بڑے عالم کی نظر کا چوک جانا اور کسی چیز کا اسکی علمی گرفت سے باہر رہ جانا کوئی حیرت انگیز بات ہے نہ اس سے اسکے دامن فضل و کمال پر کوئی دھبہ آتا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حالات میں پہلے بھی کئی مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس زمانہ میں بھی ایک مصری فاضل شیخ ابو زہرہ نے عربی میں ایک کتاب لکھی ہے، نواب صدیق حسن خاں نے اتحاد النبلاء میں بہت شرح و بسط سے ان کا تذکرہ لکھا ہے

شیخ الاسلام نے ۶۹۰ھ میں حج کیا تھا اور اسکے بعد بھی انھوں نے حج کیا ہے اس لئے کہ ابن حجر کا بیان ہے کہ ابن المطہر حل جب حج کو گیا ہے تو شیخ الاسلام سے اسکی ملاقات ہوئی جب اس نے ان سے گفتگو کی تو انکو اسکی گفتگو پسند آئی پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے کہا جس کو آپ ابن المنہس کہتے ہیں اسکے بعد دونوں میں اچھا خاصا انس اور بے تکلفی پیدا ہو گئی، یہ واقعہ ۷۹۰ھ کا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ابن حجر ہی نے اسکی بھی تصریح کی ہے کہ ابن المطہر حل نے اپنی عمر کے آخر میں حج کیا تھا، ابن المطہر کی وفات ۷۲۰ھ میں ہوئی ہے۔ شیخ الاسلام کی وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی (درر)

حافظ علم الدین بکری زالی

قائم بن محمد بن یوسف نام تھا نہایت مشہور حافظ حدیث و امام فن ہیں، حافظ ذہبی نے انکو اپنا معلم و رفیق طلب علم کہا ہے اور صحت و فصاحت کے ساتھ انکی حدیث خوانی اور تواضع و خوش اخلاقی، راستی و امانت داری، اتباع سنت و التزام فرائض نیز خوش نویسی و غیرہ کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ جن مشائخ نے انکو حدیث کی اجازت دی ہے اور جن سے انکو حدیث کا سماع حاصل ہے انکی تعداد

تین ہزار سے زائد ہے، انکا ثبت جس میں انھوں نے اپنے شیوخ کے نام و اسناد اور ان کے سنی ہوئی حدیثیں درج کی ہیں بیس جلدوں سے زیادہ میں پورا ہوا ہے اسکے علاوہ سات جلدوں میں انھوں نے ابو شمار کی تاریخ کا ذیل (مکملہ) لکھا ہے، انکے پاس کتابوں کے چار خزانے تھے، مرنے سے پہلے ایک تہائی کی وصیت کر کے باقی ساری کتابوں کو وقف کر گئے تھے، بعد میں آنے والے مورخین نے انکی تصنیفات سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

انھوں نے پانچ حج کئے تھے، از انھوں ایک حج ششم میں کیا تھا اس میں داؤد بن محمد دمشقی انکے رفیق تھے (دور ۹۹۰) ایک حج ششم میں کیا اس سال انکے رفقا میں جلال قزوینی، عز الدین بن القلانسی، ابن العزجفی، جلال بن حسام حنفی وغیرہم تھے (ابن کثیر رحمہ اللہ) ایک حج انھوں نے ابن جہل اور قزمری وغیرہما کی معیت میں ششم میں کیا تھا، چھٹے حج کیلئے مکہ جا رہے تھے کہ راستہ میں انتقال ہو گیا اور خلیص میں مدفون ہوئے، ان میں بڑی خوبی تھی کہ دو آدمی جن میں باہم عداوت ہو وہ دونوں ان پر اعتماد کرتے تھے اور دونوں سے انکی دوستی رہتی تھی، چنانچہ ابن تیمیہ اور ابن الزملاکانی دونوں سے انکی گہری دوستی تھی اور دونوں اپنا راز ان سے ظاہر کر دیتے تھے، انھوں نے دونوں کو طمانے کی کوشش بھی کی مگر کامیابی نہیں ہوئی، ہرزالی مشق کے سرور بہا اور نفیسے شیخ الحدیث تھے، ابن تیمیہ بھی انکے مذاہب تھے، ہرزالی کی وفات ششم میں ہوئی۔

حافظ جمال الدین مزی

یوسف بن عبد الرحمن بن یوسف نام تھا، دمشق میں سکونت تھی، اپنے وقت کے ان چار حفاظ حدیث میں سے تھے جن کی مثال دنیا میں نہیں تھی، وہی نے کہا ہے کہ میں نے ان سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا، نیز وہی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے انکی مثال نہیں دیکھی اور خود انھوں نے بھی اپنی مثال نہیں دیکھی ہوگی، رجال حدیث کی معرفت میں یکتائے روزگار تھے، مصلح ستہ کے رجال کی تحقیق کا دار مدار پانچ چھ صدیوں سے صرف انکی کتاب تہذیب الکمال اور اسکے مختصرات پر ہے، سارے عالم اسلامی کے علما حدیث

اسی کے خوشہ چیں ہیں، آج بھی ان رجال کی تحقیق کیلئے ہمارے پاس تہذیب التہذیب خلاصہ اور تفریب کے سوا کچھ نہیں ہے اور یہ سب بواسطہ یا بلاد اسطہ تہذیب الکمال کے مختصرات ہیں، مزنی نے ہکو پانچ دفعہ اپنے شاگردوں کو سنایا تھا مزنی کے اخلاق و عادات بھی بہت بلند تھے، وہ کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے نہ اپنے فضائل کا اظہار کرتے تھے، جب تک کوئی ان سے سوال نہ کرنا از خود علمی مسائل میں بھی بولتے نہ تھے، تقریباً نوے برس کی عمر میں بھی صاحب کعبہ پیدل جاتے تھے، فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے یہاں تک کہ تنگی سے مجبور ہو کر ایک دفعہ تہذیب الکمال کا اصل مسودہ بھی انکو فروخت کر دینا پڑا۔

ایک زمانہ دراز کے بعد پہلے پہل مدینہ منورہ میں تدریس کی خدمت انکو سپرد ہوئی، پھر ابن الشریش کے بعد دارالحدیث اشرفیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، جب یہ شیخ الحدیث ہوئے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا کہ دارالحدیث اشرفیہ کو اسکے واقف کی شرط کے مطابق آج شیخ الحدیث نصیب ہوا ہے، مزنی ابن تیمیہ کی حمایت تھے، انھوں نے ۷۲۳ھ میں حج کیا تھا، اور اسی سال بدرالدین ابن جماعہ اور انکے لڑکے عزالدین اور شہاب الدین اذرعی اور قاضی القضاۃ ابن مسلم حبلی وغیرہم نے بھی حج کیا تھا، مزنی کی وفات ۷۲۳ھ میں ہوئی (درر، شذرات، ابن کثیر)

شہاب الدین احمد بن یحییٰ المعروف ابن جہل

شافعی مذہب کے فقیہ و مفتی اور بادرائیہ و صلاحیہ کے مدرس نیز مد ظاہریہ کے شیخ تھے علمی کمالات و محاسن اخلاق میں ممتاز تھے، ابن کثیر کہتے ہیں کہ انھوں نے ظاہریہ یا بادرائیہ کہیں سے کوئی تحوّل نہیں لی۔ انھوں نے متعدد حج کئے تھے، از انجملہ ایک حج انھوں نے ۷۲۵ھ میں علم الدین برزالی کی معیت میں کیا تھا پھر ۷۳۱ھ میں ابن کثیر وغیرہ کی رفاقت میں بھی وہ حج کو گئے تھے۔ ایک سفر حج میں یہ اور امام یافعی مدینہ کے مدرسہ شہابیہ میں ایک ساتھ مقیم تھے، اور آپس میں علمی مکالمہ بھی ہوا تھا، ان کی وفات ۷۳۳ھ میں ہوئی۔

ولی کبیر شیخ علی طوسی

علی بن الحسن نام تھا، نہایت بلند بہت ولی تھے، انھوں نے بکثرت حج کئے تھے، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک ہزار بلکہ اس سے زیادہ عمرے کئے تھے، چار ہزار بار قرآن پاک کا ختم کیا تھا۔ یہ معلوم کتنی دفعہ انھوں نے ایک رات میں ستر طواف کئے، طواف کی حالت میں بہت تیز چلتے تھے جس طرح رمل کیا جاتا ہے، اس پر کسی نے ان پر اعتراض کیا، تو اسکو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل ہوئی اس نے انکے تیز چلنے کی شکایت آپ کے کی تو آپ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ قدرت ہو تو اور تیز چلیں یا فاعی فرماتے ہیں کہ وہ وجد اور بخود کی حالت میں تیز چلتے تھے اور نہ ہائش اس وقت مناسب جب کوئی اختیار سے اتنا تیز چلے، اسکی دلیل یہ ہے کہ میں نے انکو نہایت سخت دھوپ اور گرمی میں طواف کرتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ اتنی تیز دھوپ اور شدید گرمی میں کیوں طواف کرتے ہیں تو فرمایا کہ مجھکو دھوپ گرمی کا بالکل حساس نہیں ہوا یا فاعی فرماتے ہیں کہ علی طوسی نہایت سخت مجاہدہ کرتے تھے، چنانچہ وہ کرکڑا تے جاڑوں میں بھی ہر نماز کیلئے غسل کرتے تھے، لوگ کہتے تھے کہ وہ بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میں شرف ہوئے ہیں، چنانچہ میں نے خود ان سے پوچھا تو انھوں نے اسکی تصدیق کی۔

یا فاعی فرماتے ہیں کہ میری پہلی ملاقات ان سے رمضان کی ایک رات میں مسجد حرام میں ہوئی انھوں نے فرمایا مجھکو تجھ سے محبت ہے، اور اپنی بچی ہوئی ردی کا ایک ٹکڑا مجھے کھلایا اسکے بعد انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ تراویح نہ پڑھو گے؟ میں نے کہا چلے جماعت تراویح ہو رہی ہے ہم بھی اسی میں شریک ہو جائیں، فرمایا اس بڑے مجمع میں مجھے دل جمعی حاصل نہیں ہوتی۔

یا فاعی فرماتے ہیں کہ عرب قبائل کا سردار مہنا ان سے بہت محبت کرتا تھا اور بیحد تعظیم کرتا تھا، شیخ علی طوسی کی وفات ۳۳۵ھ میں بحالت احرام ہوئی (یا فاعی)

ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ بہت بلند حال تھے انکا شاہد ہی کوئی ہمسر ہوا انکی بزرگی اور صاحب کشف و کرامت ہوئے پر اتفاق ہے انکے عقائد سلف کے مطابق تھے وہ نہائی پسند اور تہجد و تلاوت اور

روزوں کے بڑے پابند تھے، انھوں نے ساٹھ حج کئے تھے (درر)

ذہبی کہتے ہیں کہ انھوں نے حجہ سے خویان کیا ہے کہ ایک دفعہ حج کے ارادہ سے میں تنہا عراق سے مدینہ گیا ہوں میں ایک اونٹنی پر سوار تھا اونٹنی کو جہاں گھاس مل جاتی چرتی اور میں اسکے دودھ پر بسر کر لیتا تھا نیز ذہبی کہتے ہیں کہ وہ عشا کے بعد سے صبح تک تلاوت کرتے رہتے تھے۔
(حاشیہ درر)

ام محمد مشفقہ

اسما بنت محمد بن سالم نام تھا، مکی بن غیلان سے انھوں نے حدیثیں سنی تھیں انھوں نے متعدد بار حج کیا تھا، صدقہ و خیرات میں ممتاز تھیں انکی وفات بھی ۲۲۹ھ میں ہوئی (یافعی)

شیخ الاسلام برہان الدین بن فرکاح

شیخ تاج الدین بن فرکاح کے خلف و خلیفہ، انکے علم کے وارث اور اساتذہ العلماء تھے، فقہ شافعی کی مشہور کتاب تنبیہ کی بہت بڑی شرح انھوں نے لکھی ہے، جب وہ حج کو گئے تھے تو امام یافعی نے مسجد خیف میں ان سے ملاقات کی تھی، ایک صحبت میں ایک فقہی مسئلہ پر دونوں حضرات میں گفتگو بھی ہوئی تھی، جامع اموی میں طلبہ کو درس دیتے تھے، اور اسی پر خوش تھے، بڑے بڑے منصب پیش کئے گئے مگر انھوں نے قبول نہیں کیا، ابن کثیر نے انکے حلقہ درس میں صحیح مسلم وغیرہ کی سماعت کی ہے اور کہا ہے کہ ہم نے اپنے شافعی المذہب اساتذہ میں انکی نظیر نہیں دیکھی (ابن کثیر و یافعی)
ان کی وفات ۲۲۹ھ میں ہوئی۔

شیخ الصوفیہ کبیر العلماء عقیف الدین یافعی

عبد اللہ بن اسعد نام تھا، اصلاً یمنی تھے مگر مکہ میں مجاور ہو گئے تھے اور وہیں بیونہ خاک ہو گئے شریعت و طریقت دونوں کے امام تھے، پچپن ہی سے رشد و صلاح کے آثار نمایاں تھے، چنانچہ اپنے علم

راکوں کے ساتھ کبھی کھیلنے کودتے دیکھے نہیں گئے یہ دیکھ کر انکے والد نے پہلے تحصیل علم کیلئے انکو منع بھیج دیا
 ۱۲۷۰ء میں وہ پہلی بار حج کیلئے آئے اور اسی سال عثمان توذری کی مجلس سماع حدیث میں
 شریک ہو کر حدیثیں سنیں (مرآۃ ص) اور اسی سال انھوں نے الملک الناصر (سلطان مصر و شام) کو طواف
 کرتے ہوئے دیکھا، اسکے بعد میں چلے گئے پھر ۱۲۷۸ء میں حج کیلئے آئے تو اس وقت مکہ میں مجاور ہو گئے یہیں
 شادی بھی کر لی، اور فقہ و حدیث کے اساتذہ و مشائخ سے تحصیل تکمیل علم میں مصروف رہے چنانچہ فقیہ
 نجم الدین طبری کے پاس فقہ اور رضی الدین طبری کی خدمت میں حدیث کی تحصیل کی، کچھ زمانہ کے بعد تود
 کی زندگی اختیار کی اور سیاحت شروع کر دی مدینہ اور مدینہ سے کہ آتے جاتے رہے اور اس دربان
 میں قدس، مشرق اور مصر دین کا سفر بھی کیا پھر کچھ دنوں مدینہ میں مجاورت کے بعد دوبارہ مکہ میں اقامت
 اختیار کی اور دو رانکاح بھی کر لیا، ہر چہ کہ وہ اس حال میں دس برس رہے مگر کسی سال ان کا حج
 فوت نہیں ہوا۔

شیخ علی طوایف انکے پیر تھے انکے علاوہ متعدد بزرگوں نے انکو خرقہ تصوف پہنایا تھا، وہ بہت
 بڑے عارف باللہ ہونے کے ساتھ زبردست عالم اور فقیہ بھی تھے، تاریخ میں انکی کتاب مرآۃ البحان
 طبع ہو چکی ہے، اور بھی بہت سی کتابوں کے مؤلف ہیں۔ اسنوی نے طبقات شافعیہ میں لکھا ہے
 توفی وهو اذ ذاک فضیل مکہ و فاضلہا و عالمہ الا بطح و عاملہا (جس وقت انکی وفات ہوئی اس وقت
 وہی مکہ فضیل و فاضل اور بطح کے عالم و عامل تھے) انکی وفات ۱۲۸۸ء میں ہوئی (درر و شذرات)

علامہ شمس الدین ابن القیم

محمد بن ابی بکر نام تھا مختلف علوم و فنون کے یگانہ عالم تھے، اپنے وقت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے
 فقہ، حدیث، تفسیر، کلام، اصول، اور نحو میں انکا پایہ بہت بلند تھا، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے مجتہد مطلق تک لکھ
 دیا ہے ہر چند کہ یہ بات مبالغہ سے خالی نہیں ہے تاہم اس سے انکی وسعت نظر اور رسوخ فی العلم کا اندازہ
 لگایا جاسکتا ہے، ان کے ساتھ علم سونک اور معارف صوفیہ سے بھی انکو بہرہ وافر حاصل تھا، عمل کو

لیجئے تو ابن رجب دو ایک سال سے زیادہ نہایت پابندی سے انکی مجلسوں میں شریک ہو رہے ہیں، انکی شہادت ہے کہ وہ نہایت عابد اور تہجد گزار تھے، نماز بہت زیادہ لمبی پڑھتے تھے، رکوع و سجدہ بہت دیر دیر تک کرتے تھے، محبت و انابت، افتقار و انکسار، آستانہٴ عبدیت پر سرفاگنی اور ذکر اللہ کے ساتھ انکو ایسا عشق و شغف تھا، کہ ہر وقت کے دوسرے کسی عالم میں یہ باتیں نظر نہیں آتیں، ابن رجب نے بھی کہا ہے کہ میں نے ان سے زیادہ وسیع علم والا، اور معانی قرآن و حدیث و سنت اور حقائق ایمان کا ان سے زیادہ واقف نہیں دیکھا، ہر چند کہ وہ معصوم نہیں تھے پھر بھی جو کمالات اور علی و علی محاسن ان میں تھے انکی نظیر مجھے کسی میں نظر نہیں آئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ وہ بھی بار بار جلیانہ گئے، آخری دفعہ جب انکے استاد مرثیٰ قلعہ میں محبوس تھے تو یہ بھی اسی قلعہ میں ان سے الگ مقید تھے اس میں وہ شب و روز تلاوت قرآن اور غور و فکر میں مشغول رہتے تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں نہایت پاکیزہ ذاتی کیفیات اور نہایت بلند اور صحیح احوال پیدا ہوئے جنہوں نے ان پر معارف و اشارات فہم کی راہ کھول دی۔

ابن القیم در صدیہ کے مدرس اور جوزیہ میں امام تھے، علم کے ساتھ انکو بڑا شغف تھا انہوں نے مختلف علوم میں بکثرت کتابیں تصنیف کی ہیں از انجملہ اعلام الموقعین، زاد المعاد، تہذیب السنن، اعانۃ اللہ فی الطرق الحکمیۃ، بدائع الفوائد، التبیان فی اقسام القرآن، شرح منازل السائرین، عادی الارواح، الصواعق المرسلہ، الشافیہ، الکافیہ وغیرہ طبع ہو چکی ہیں، جسکے مطالعہ سے معلوم نہیں کتنوں کے معلومات میں بیش قیمت اضافہ اور علم میں گہرائی پیدا ہوئی۔

ابن القیم نے بکثرت حج کئے ہیں اور مکہ میں قیام بھی کیا ہے، ابن رجب کا بیان ہے کہ اہل مکہ انکی شدت عبادت اور کثرت طواف کا ایسا حال بیان کرتے تھے جو حیرت انگیز تھا، یہ توجہ و مجاہد کے زمانہ کا حال تھا، انکا روزانہ کامعول یہ تھا کہ فجر کی نماز کے بعد غسل سے اٹھتے نہیں تھے بلکہ وہیں بیٹھے بیٹھے ذکر کرتے رہتے تھے جب خوب دن چڑھا تا تو اٹھتے، فرماتے تھے کہ یہی میرے جسم کی غذا ہے، یہ نہ کروں تو میری قوت گر جائیگی، فرماتے تھے کہ دین کی امامت صبر اور فقر سے حاصل ہوتی ہے نیز فرما

تھے کہ سالک کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک بہت دھرم جو اسکو چلنے اور طالبِ حق پر مجبور کرے، دوسرے علم جو اسکو سو جائے اور رہنمائی کرے، انکو کتابوں کا بڑا شوق تھا چنانچہ انھوں نے اتنی کتابیں فراہم کی تھیں کہ انکی وفات کے بعد انکی اولاد نے اپنی ضرورت کی کتابیں الگ کر کے باقی کو مدتوں بیچ بیچ کر کام چلایا۔ ان کی وفات ۸۵۷ھ میں ہوئی۔

حافظ شمس الدین فیہی

محمد بن احمد بن عثمان نام تھا دمشق مسکن تھا، اپنے زمانہ میں بعض حیثیتوں سے فنِ حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے بسکی نے سچ کہا ہے کہ وہ امام وجود (ہفت اقلیم کے تہا امام) اور اس دور کے زرخاں تھے معرفت رجال کے باب میں انکا یہ حال تھا کہ حدیث کے سارے راوی گویا ایک میدان میں جمع ہیں اور وہ سب انکی نگاہوں کے سامنے ہیں، اور ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ اپنے عصر کے سب سے بڑے مصنف تھے، انھوں نے ۲۱ جلدوں میں تاریخ الاسلام لکھی ہے (جو اس وقت مصر سے شائع ہو رہی ہے) اور میزان الاعتدال (۳ جلدوں میں)، اور تذکرۃ الحفاظ (۴ جلدوں میں) مشتبہ النسب، تجرید اسماء الصحابہ، تلخیص التدرک اور دول الاسلام چھپ چکی ہیں، انکے علاوہ تہذیب التہذیب، کاشف المغنی، ہیر النبلاء، العبر اور طبقات مشاہیر القراء وغیر انکی بہت سی تصنیفات ہیں جن سے چوٹی کے علمائے اسلام استفادہ کیا ہے، اس علمی جلالت کے ساتھ عمل میں بھی انکا مقام بہت بلند تھا، بسکی کا بیان ہے کہ جس دن انکی وفات ہوئی ہے اسی دن قبل مغرب ہمارے والد انکی عیادت کو گئے، ذہبی نے والد سے پوچھا کیا مغرب کا وقت ہو گیا؟ والد نے کہا کیا آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے، فرمایا عصر تو پڑھ چکا ہوں، مغرب نہیں پڑھی ہے، اسکے بعد انھوں نے والد سے پوچھا کہ کیا مغرب ہی کے وقت عشا بھی پڑھ لوں، والد نے فتویٰ دیا کہ ہاں پھر انھوں نے اسی طرح دونوں نمازیں پڑھیں اور عشا کے بعد آدھی رات سے پہلے وہ اندر کو پیارے ہو گئے، ابن تغری بردی نے لکھا ہے کہ انکے اور ادنیٰ ظائف کی تفصیل حیرت انگیز ہے، امام ذہبی نے اپنے حج کے موقع پر تہذیبی غیور نوٹیں لکھ کر انکی وفات ۸۵۷ھ میں ہوئی۔

قاضی القضاۃ بدر الدین ابن جماع

محمد بن ابراہیم نام تھا، فقہ و حدیث کے نہایت جید عالم تھے، تقویٰ و توسع اور کثرت عبادت و اوراد میں ممتاز تھے، مصر کے متعدد مدارس میں تدریس کی خدمت کے علاوہ قدس مصر کے قاضی بلکہ قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، جب دوسری بار قاضی ہوئے تو چونکہ انکے پاس خدا کا دیا بہت کچھ تھا اس لئے سخاوت نہیں لیتے تھے، صوفیہ کے طریقوں سے خوب واقف تھے، ان کا خانہ ان علم و زہد کا خانہ ان تھا، جب مدرسہ کا لیلہ میں مدرس ہوئے تو اسکے وقف نامہ میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ جس طالب علم کو مدرس کے وقف سے وظیفہ دیا جائے گا اسکو مدرس میں رات کو قیام کرنا پڑے گا چونکہ یہ اپنی طالب علمی میں اس مدرس سے وظیفہ لیتے تھے مگر وہاں سوتے نہ تھے اس لئے وظیفہ کی مجموعی رقم جو زانہ طالب علمی میں لی تھی انھوں نے سب واپس کر دی۔ انھوں نے متعدد بار حج کئے تھے اور عمرے بھی بکثرت کئے تھے، ۷۳۳ھ میں انکی وفات ہوئی۔

قاضی القضاۃ عز الدین بن جماع

عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم بدر الدین بن جماع کے خلف ارشد اور خاندان ابن جماع کے چشم و چراغ تھے، انھوں نے حدیثیں بکثرت سنی اور پڑھی تھیں، حدیث میں انکے شیوخ کی تعداد تیرہ سو بتائی جاتی ہے، بکثرت محدثین نے ان سے حدیثیں سنیں، ۷۳۳ھ میں مصر کے قاضی ہوئے، انکی نسبت مذکور ہے کہ کان کنیاء الحج والزیارة یعنی حج و زیارت بکثرت کرتے تھے، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری تمنا ہے کہ عہد قضا سے الگ ہو کر میری موت مکہ یا مدینہ میں آئے، چنانچہ انکی تمنایوں پوری ہوئی کہ وہ ۷۳۳ھ میں عہد قضا سے معزول ہوئے اور اسی سال حج کیلئے گئے، فراغت کے بعد مکہ میں مجاور ہو گئے ۷۳۳ھ میں زیارت مدینہ کیلئے گئے واپس آکر بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے۔ انھوں نے مناسک حج میں دو کتابیں لکھی ہیں، ان میں ہر چار مذاہب کے مطابق حج کے مناسک بیان کئے ہیں، نواب صدیق حسن نے لکھا ہے کہ ان کی کتاب منسک صغیر میرے سفر حج میں میرے ساتھ تھی، اختصار کے باوجود وہ بہت

عمر ہے (احناف، ورر، شذرات) انکے مناسک کبیر) کا قلی نسخہ میں نے بھی حبہ آباد میں دیکھا ہے۔

حافظ ابن کثیر مفسر و مؤرخ

اسمعیل بن عزام تھا، نہایت مشہور مصنف ہیں تفسیر میں انکی کتاب بہت مشہور و مقبول ہے، تاریخ میں البدایہ والنہایہ بہترین کتاب ہے، فقہ و حدیث میں بھی انکا پایہ بہت بلند تھا، زہبی نے ان کو محدث بارع، فقیہ متفنن، محدث متقن مفسر کثیر النقل کہا ہے اور انکی تصانیف کی افادیت کی تعریف کی ہے، ابن تیمیہ کے شاگرد اور بعض مسائل میں انکے ہمنوا تھے، حافظ جمال الدین مزی کے داماد تھے انکی صحبت میں زیادہ رہے ہیں اور ان سے بہت استفادہ کیا ہے، انھوں نے مزی کی تہذیب الکمال کو مختصر کر کے میزان سے کچھ راویوں کا اضافہ کیا ہے اور اپنی کتاب کا نام تکمیل رکھا ہے،

ابن کثیر نے سنیہ میں حج کیا تھا، خود انکا بیان ہے کہ اس سال حافظ ابن القیم، تاج الدین فاکا، تقی الدین اخٹائی، فخر الدین نویری، شیخ الشیوخ محمد مرشدی، شہاب الدین ابن جبیل وغیرہم مصر و شہام و عراق کے بہت سے فقہاء و علمائے حج کیلئے آئے تھے حتیٰ کہ شیخ بدر الدین جو شریک حافظ تھے فرماتے تھے کہ ہمارے اس شامی قافلہ میں چار سو فقیہ اور چار سو راوی اور ایک خانقاہ اور ایک دارالحدیث چل رہے ہیں! ابن کثیر کا کہنا ہے کہ ہمارے ساتھ تیرہ مسندی اور مسلم الکامل مفتی تھے، نیز انھیں کا بیان ہے کہ اس سال جمعہ کو حج ہوا تھا اور طواف کی حالت میں بارش بھی ہوئی تھی اور یہاں نہایت امن اور آرازی کا تھا،

ابن کثیر کی وفات ۷۴۱ھ میں ہوئی، (ابن کثیر ۷۴۱ھ)

حافظ صلاح الدین علائی

فیل بن کیلکی نام تھا اور مشرق و وطن، حافظ عراقی وغیرہ کے استاد اور مشہور و معروف حافظ حدیث تھے، فقہ و اصول و حدیث میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں انکی ساری تصنیفات بہت نفع اور محققانہ ہیں، انھوں نے مدینہ منورہ پچیس سو بار اور سب کے آخر میں مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیا،

ذہبی نے انکو حدیث کا حافظ اور حسینی نے فقہ و اصول و نحو کا امام قرار دیا ہے، انھوں نے متعدد حج کئے تھے اور مکہ میں مجاورت بھی کی تھی۔ سلسلہ میں وفات پائی (در روشد رات)

سُلیمان بن سینہ شیبی

محمد بن عبد الحمید نے انکا ایک عجیب خواب نقل کیا ہے، اوہ کہ انھوں نے چالیس حج کئے تھے چالیسویں حج میں جب وہ مدینہ گئے تو ایک دن روضہ انور کے پاس انکی آنکھ لگ گئی، انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں کہ اے فلاں تو کب تک اس طرح آئیگا کہ ہم سے تجھکو کچھ نہ ملے، اپنا ہاتھ لاء اس کے بعد اپنے انکے ہاتھ پر بخار کا ایک تعویذ لکھ دیا کہ جو اسکو چاٹ لے اسکا بخار جاتا رہیگا، وہ تعویذ یہ ہے استجبت یا امام ما حکم نظم، لا تبع من هزم، اخرجی یا حمی من هذا الجسد لا یلحقہ الم بخرج جاح (در)

اقضی القضاۃ شمس الدین ابن العزین

محمد بن محمد بن ابی العزین صالح نام تھا انکا خاندان کئی پشتوں سے علم و فضل کا گہوارہ تھا، یہ خود مشائخ حنفیہ میں سے تھے اور متعدد علوم و فنون میں فاضل ٹکاڑ تھے، جامع اہرم کے خطیب اور مدرسہ مغربیہ و قلیبیہ دھارنہ میں درس دیتے تھے بہت صاحب عظمت و ہیبت تھے، سلسلہ میں برزالی وغیرہ کی رفاقت میں حج کیا اور واپسی کے چند ہی دن بعد ۷۲۳ھ میں انکا انتقال ہو گیا، انکے جنازہ میں بڑا اجتماع ہوا تھا، لوگوں نے انکی اس طرح کی موت پر رشک کیا (صلی اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ کسی نیک کام کے بعد موت آئے)

ابو جعفر موزینی

محمد بن علی بن الحسین بن سالم نام تھا، محدث تھے، انکے والد بڑے دولتمند و صاحب جاہ واد تھے انکے انتقال کے بعد انکی ساری دولت و جاہ واد کے وارث یہی ہوئے، جسکو انھوں نے نہ صرف خیر میں خوب صرف کیا، بلکہ توں کو معطر میں مجاور رہے، پھر زاہدانہ زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر کے اپنی

جاؤد کا مالک اپنی لڑکی کو بنا دیا اور لڑکی سے طے کر لیا کہ انکو روزانہ دو درہم دے دیا کرے۔
انھوں نے تیس حج کئے تھے، ششہ میں انتقال کیا (دور)

سُلیمان بن عسکر حورانی

انھوں نے ابن عساکر و ابن القواس و بونینی و غیر ہم سے حدیثیں سنی تھیں اور ابن رافع
وغیرہ نے ان سے حدیثوں کی سماعت کی تھی، محدث تھے، اور ہر سال حج کی سعادت حاصل کرتے تھے
قافلہ میں یہی اذان دیا کرتے تھے، محدث حسینی کا بیان ہے کہ میں نے ششہ میں خواب میں دیکھا
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلیمان بن عسکر و نا محمد بن الاشعث کی ملاقات کر رہے
ہیں، اسکے بعد میں روتا ہوا جاگ اٹھا، سلیمان کی وفات ششہ میں ہوئی (دور)

بدرالدین بن ممدود بن احمد حنفی

قلعہ روم کے قاضی تھے، اور نہایت بزرگ تھے، انھوں نے بکثرت حج کئے تھے کئی بار
قلعہ روم سے احرام باندھ کر آئے اور کبھی کبھی بیت المقدس سے احرام باندھا، ششہ میں ابن تیمیہ کے
ایک جاں نثار شاگرد ابن ابی نجیح کی وفات حج کے بعد مدینہ کے راستہ میں ہوئی تھی اس وقت متعدد
اہل صلاح نے تنہا کی تھی کہ ہماری موت بھی یونہی آئے، انھیں میں بدرالدین بھی تھے چنانچہ حج سے
فراغت کے بعد حجاز کے راستہ میں انکی وفات ہوئی۔ انھیں تنہا کرنے والوں میں شیخ شرف الدین
محمد بن ابی العز حنفی بھی تھے اسی سال انکی وفات بھی مدینہ میں ہوئی (ابن کثیر)

رضی الدین منطقی حنفی

ٹرکی کے باشندہ تھے مگر پھر حماہ میں اسکے بعد دمشق میں سکونت اختیار کر لی تھی، علم منطق و فطریہ
میں بہت ذہین تھے ایک جماعت نے ان استفادہ کیا، انھوں نے سات حج کئے، اور چھیالیس برس عمر بانی

۳۲ھ میں انتقال کیا (ابن کثیر)

ان کا نام ابراہیم بن سلیمان تھا، منطق و مناظرہ کے سوا ان کو فقہ، تفسیر اور نحو میں کمال حاصل تھا، انھوں نے جات کبیر کی شرح چھ جلدوں میں لکھی ہے (جو اہر)

فخر الدین نویری

عثمان بن یوسف نام تھا، مالکی مذہب کے نہایت صالح فقیہ و محدث تھے، حافظ ذہبی کے شیوخ حدیث میں سے تھے، افتاء و تدریس ان کا مشغلہ تھا، جاہ و منصب کے کنارہ کش تھے، بہت حق گو تھے۔ حج بکثرت کرتے تھے اور مکہ میں مجاور بھی ہو جاتے تھے، اور یہ سب کچھ اخلاص، تقویٰ اور نہایت پختہ دینداری کے ساتھ کرتے تھے، فرماتے تھے کہ میرے نامہ اعمال میں فرشتے نے کوئی کبیر و گناہ نہیں لکھا ہے، ۳۳ھ میں جب مصر و شام کے علما کا ایک حجم غفر حج کو گیا تھا اس سال بھی یہ حج کو گئے تھے، ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (ابن کثیر)

فخر مصری

محمد بن علی بن ابراہیم نام تھا، شام کے مفتی و فقیہ شیخ تھے، ابن الزمکانی کے مایہ ناز شاگرد تھے، مجامع و محافل میں وہ انکی مدح سرائی کرتے تھے، بہت سی کتابیں انکو برزباں یاد تھیں، ابن الحاجب کا فخر انھوں نے انیس دن میں یاد کر ڈالا تھا، تدریس و افتاء ان کا مشغلہ تھا، تجارت بھی کرتے تھے، انھوں نے بار بار حج کیا ہے اور کسی کسی دفعہ مجاور بھی ہوئے ہیں ۳۵ھ میں ابن کثیر وغیرہ کی بعثت میں بھی یہ حج کو گئے تھے اور اس سے پہلے ۳۵ھ میں بھی انھوں نے حج کیا تھا (ابن کثیر)، انکی وفات ۳۵ھ میں ہوئی۔

امام حافظ قطب الدین حنفی مصری

عبد الکریم بن عبد النور حبشی ثم المصری جو قطب الدین مصری کے لقب سے مشہور ہیں اکابر حفاظ حدیث میں

تھے، ذہبی نے انکے حق میں فرمایا ہے کہ آخر میں جود العنايۃ و تعجب و حیل یعنی وہ ان لوگوں میں آخری شخص ہیں جنہوں نے علم حدیث کی طرف بالکل توجہ کی اور پوری مشقت برداشت کر کے اسکی تحصیل کی، ابن حجر وغیرہ نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، ذہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں ان سے شدنی اللہ محبت کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ بڑے باوقار، دیندار، نیک سیرت، کثیر الحسن، مطالعہ اور فائدہ رسانی سے نہ تھکنے والے فہیم، نقاد و رجال اور فقیہ تھے، نیز نہایت متواضع، بیدار مغز، طلبہ کے محبوب، کثیر العلومات اور پختہ بات کہنے والے تھے۔

انکے مشائخ حدیث کی تعداد تیرہ سو سے زیادہ ہے، انہوں نے مصر کی نہایت ضخیم تاریخ لکھا شروع کی تھی اگر پوری ہو جاتی تو بیس جلدوں میں ہوتی، اسکا ایک قسط جس میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنکا نام محمد تھا چار جلدوں میں ہے، بخاری کی نہایت مبسوط شرح لکھنا شروع کی تھی، اسکے علاوہ شرح سیرۃ النبی اور الامام کا مختصر ان کی تصنیفات میں ہے۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے انکے ساتھ مصر اور عرفات میں حدیث کی سماعت کی ہے نیز خود ان سے منی میں حدیثیں سنی ہیں، ذہبی نے کہا ہے کہ انہوں نے متعدد بار حج کی سعادت حاصل کی ہے،
۳۵ھ میں انکی وفات ہوئی (یافعی، شذرات، درر، ابن کثیر)

قَاضِي شَرَفُ الدِّينِ بَارَزِي

ہبۃ اللہ بن عبد الرحیم بن ابراہیم شافعی قاضی حماۃ بہت سی مفید کتابوں کے مصنف اور اپنے عہد کے استاد الفقہاء تھے، حدیث میں مختصر جامع الاصول، تفسیر میں روضات الجنان، (۱۰۰ جلدوں میں)، اور فقہ میں حادی کی شرح وغیرہ انکی تصنیفات میں ہیں، ذہبی نے شیخ العلماء و بقیۃ الاعلام کے اوصاف کے ساتھ انکا ذکر کیا ہے اور انکے تواضع و انکسار، حسن اخلاق و دینداری و عبادت گزاری کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ اولیا و صلیا سے انکو سچی عقیدت تھی، بزرگوں کی زیارت کو اکثر جاتے تھے، اور نہایت تواضع اور ادب تعظیم سے ملتے تھے، بکران میں ذرہ برابر بھی نہ تھا، نہ شب فقیہ کی، نہ دسات الیختم تھی، دور دور سے لوگ استفادہ کیلئے انکے پاس حاضر ہوتے تھے۔

حتیٰ کہ شیخ الاسلام برہان الدین ابن الفرج کاح قرأتے تھے کہ میراجی چاہتا ہے کہ حجاج کا سفر کروں اور قاضی شرف الدین سے تنبیہ پڑھوں، کتابوں کا ایسا شوق کہ اس زمانہ میں جہاں کسی نے کوئی کتاب لکھی اور ان کو علم ہوا فوراً اسکے پاس کتابت و نقل کی اجرت بھجو کر باصراۃ تاکید کرتے کہ جلد نقل کر کے بھجوائے۔

چالیس برس تک وہ حجاج کے قاضی رہے مگر کبھی تنخواہ نہیں لی، نہ کبھی اپنے پاس رکھنا کسی کو سزا دی، انکے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں ایک بڑی تعداد ان فقہا کی ہے جنکو انھوں نے فتویٰ دینے کی اجازت دی ہے، ذہبی و ہرزالی وغیرہ ان جیسے سنیں ہیں۔ انھوں نے متعدد جج کئے تھے از انجلا ایک جج ششہ میں اور ایک ششہ میں اور ایک ششہ میں انھوں نے کیا تھا (ابن کثیر) اور آخر میں توحرم کی مجاورت کے باب میں بھی یافعی سے مشورہ لیا تھا مگر اس مشورہ کے بعد جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا (یافعی، شذرات، درر)

انکے تفردات میں سے یہ مسئلہ ہے کہ عورت کو طواف افاضہ سے پہلے اگر حیض آنا شروع ہو جائے تو ایک اونٹ یا گائے کی قربانی کر کے وہ بغیر طواف افاضہ کئے اپنے وطن واپس ہو سکتی ہے، یافعی نے بارزی کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے اور انکی علی جلالت و عظمت کے اعتراف کے ساتھ انکے اس فتویٰ کی پر زور تردید کی ہے اور اسکو حدیث کے خلاف ثابت کیا ہے، نیز اسکو نہ مبشافی کے خلاف بھی بتایا ہے، لیکن یہاں پر یافعی سے بھی ایک چوک ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے بارزی کے فتویٰ کو نہ بب حنفیہ کے موافق بتایا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، نہ بب حنفیہ میں وائض عورت کو طواف افاضہ کئے بغیر اونٹ یا گائے ذبح کر کے وطن واپس ہونے کی اجازت نہیں ہے، نہ صوتہ کورہ میں ذبح بہ نہ طواف افاضہ کے بجائے کفایت کر سکتا ہے۔ بارزی کی دفات ششہ میں ہوئی۔

القاضی الامام جلال الدین رومی

احمد بن الحسن نام تھا، شام کے قاضی تھے، انکے والد حسام الدین احمد بھی قاضی القضاۃ تھے، بڑی

محنت و تہجد ہی سے علم حاصل کیا تھا، پڑھنے کے زمانہ میں روزانہ تین سو سطریں یاد کرتے تھے، جامع الاسول کا بہت سا حصہ ان کو یاد تھا، شام کے تین بہترین حنفی مدارس میں انھوں نے درس دیا تھا، قسطلانی یونیورسٹی نے کہا ہے کہ وہ جامع الغنائل تھے سخاوت اور تواضع و مدارات کے ساتھ، بل علم سے محبت کرتے تھے، برزالی کہتے ہیں کہ وہ بہت محبوب و مقبول اور نہایت فیاض تھے، وہ جب بیمار پڑتے تھے تو کہتے تھے کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بتایا ہے کہ میں بہت دنوں تک زندہ رہوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انھوں نے نوے برس سے زیادہ عمر پائی، ابن فضل ات کا بیان ہے کہ انھوں نے دمشق میں ستر سال سے زیادہ علم کا درس دیا، دمشق کے اکثر حنفی حکام و قضاة اور یہ سین انھیں کے شاگرد و فیض یافتہ تھے، اور ان کی تحریری تصدیق کے بغیر شاید ہی کوئی مفتی وہ برس مقرر ہوا ہو۔

انھوں نے متعدد حج کئے تھے، زانچلہ شمسہ میں ابن تیمیہ کے جہانی شیخ شرف الدین کی معیت میں اور ایک فوج شمسہ میں حافظ برزالی و مصنف تخنیس کی معیت میں انھوں نے حج کیا تھا۔ (ابن کثیر)
 شمسہ میں ان کی وفات ہوئی (ابن کثیر و درر)

فخر الدین بعلبکی

عبد الرحمن بن محمد بن عبد الرحمن بن یوسف نام تھا، بڑے نامی فقیہ و محدث تھے، علم حدیث کی طلب و تحصیل میں بڑی محنت کی تھی اور اسکے لئے بار بار سفر کیا تھا، ہر مسند کے شیخ تھے، افتاء کا مشغلہ بھی تھا، ان سے امام زہبی وغیرہ نے حدیثیں سنی تھیں، وہی کا بیان ہے کہ وہ فقیہ و محدث تھے علم کے ساتھ ان کو بہت اشتغال تھا وہ نہایت عقیف و دیندار تھے، انھوں نے کئی بار حج کیا اور کئی مہینے مکہ میں قیام کیا، وہ روز نہ تہجد میں دو بارے پڑھتے تھے یہ نکاح و امی معمول تھا، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انھوں نے شمسہ میں پھر شمسہ میں پھر شمسہ میں ابن القیم و ابن کثیر وغیرہ علما کی ایک جماعت کے ساتھ حج کیا تھا، ان کی وفات شمسہ میں ہوئی۔

شمس الدین حارثی مصری

عبد الرحمن بن مسعود بن احمد نام تھا مصر میں جنبل علماء کے رئیس تھے، حدیث کی سماعت اپنے والد کے طفیل میں اور انکی توجہ سے بہت کی تھی جنبل مذہب کے فقہ میں انکو بڑی مہارت تھی، اور اس باب میں انکو نمایاں تفوق حاصل تھا، ابن دقین، عیسیٰ کے شاگرد تھے، اپنے مذہب کے مفتی و مناظر تھے، اپنے والد کی نیابت میں قضا کی خدمت بھی انجام دی تھی، اسر منصور یہ اور جامع طولوں میں درس بھی دیتے تھے، انکا شمار علمائے عاظمین میں تھا، تہذیب و تقویٰ میں ان کو امتیاز حاصل تھا، ابن کثیر کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ ۲۳۳ھ میں اور ایک دفعہ ۲۳۴ھ میں حج کیا تھا ۲۳۵ھ میں انکی وفات ہوئی (شذرات و درر)

قاضی القضاۃ شمس الدین ابن بحرری

محمد بن عثمان بن ابی الحسن انصاری نام تھا، دمشق کے قاضی القضاۃ تھے، مصر میں بھی قضا کے عہد پر رہے ہیں، فقیہ و محدث تھے نحو اور فقہ میں کئی کتابیں انکو از بر تھیں، انھیں میں یہ بھی تھی، قاہرہ کے مدرسہ صاحبیہ اور ناصرہ اور جامع حاکم میں اور دمشق کے ظاہریہ وغیرہ میں انھوں نے درس دیا، زہبی و ابن حجر وغیرہ نے انکی اس بات کی بہت تعریف کی ہے کہ انھوں نے منصب قضا کے فرائض پوری زہداری اور نیت واری سے انجام دیئے، اور کبھی کسی کا کوئی بد یہ قبول نہیں کیا، زہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ نہایت کھرے اور حقگو تھے، انکے فیصلے محمود و قابل تعریف تھے، انکی دیانت بہت ٹھوس تھی اور انکی نظیر کمیاب، اور اپنے احکام میں بہت سخت کسی صاحب جاہت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے، ایک بار الملک الناصر کے ساتی بکتر نے خود سلطان کو درمیان میں ڈال کر اپنے ایک مطلب کے بدل میں وقف کی ایک زمین حاصل کرنا چاہی تو انھوں نے سلطان سے صاف کہہ دیا کہ جواز استبہال کی ایک روایت امام ابو یوسف سے ہے مگر میں اس پر عمل نہیں کرتا، بادشاہ نے خفا ہو کر انکو معزول کر دیا مگر انھوں نے اسکی کوئی پروا نہ کی، حافظ عبد القادر قرشی ابو مزلفیہ

کے مصنف ان کے شاگرد ہیں ان کا بیان ہے کہ ابن حجرری کو بہت مقبولیت حاصل تھی، قاضی القضاۃ ابوالحسن
 مارونی نے ان کی مدح میں اکتالیس شعر کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے
 دَعَا غُلَّتْ ذَكَرُ شَقَائِقِ النِّعَمَانِ وَ ذَكَرُ شَقِيقِ اِمَامِنَا النِّعَمَانِ
 ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابن حجرری نے ۷۲۰ھ میں حج کیا تھا، انکی وفات ۷۲۰ھ میں ہوئی (دور و جواہر)

قاضی القضاۃ نجم الدین بن صصری

احمد بن محمد بن سالم نام تھا، سب کے قاری تھے، ہفت قلم خطا دتھے، نہایت زود نویس تھے
 ایک دن میں پانچ جزد تک انھوں نے لکھا ہے، ان کلمات کے ساتھ حدیث و فقہ میں بھی ان کو امتیاز حاصل
 تھا، مدبر عادل اور امین اور غزالیہ میں تدبیر کی خدمت ان کی آدمی، لشکر کے قاضی، اور شیخ المشائخ کے عہد
 پر تھے ۷۲۰ھ سے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، بڑے با اخلاق اور فیاض طبیعت تھے، برائے والے کی
 اسکے مرتبہ کے لحاظ خاطر داری کرتے جو ایریا عالم یا اور کوئی آتا اسکو تحفہ پیش کرتے، مصر و شام کے نمایاں شیخوں
 کے پاس ان کے ہر بے برابر پہنچتے رہتے تھے، مد سے بڑھا ہوا تواضع، بردباری و چشم پوشی، اور انتقام کے
 بجائے غفور و درگزر ان کے امتیازی اوصاف تھے ایک شاعر انکی مدح اور مجود دونوں لکھ کر لایا اسکا ارادہ
 تھا کہ پہلے مدحیہ قصیدہ پیش کروں گا اگر خاطر خواہ انعام ملا تو خیر ورنہ مجھ پیش کر دوں گا، مگر پیش کرنے کے
 وقت غلطی سے اس نے مجھ ہی پہلے ان کے ہاتھ میں دیدی انھوں نے پوری نظم پڑھ کر اسکو خاطر خواہ انعام
 دیا تاہم حاضرین نے یہی سمجھا کہ شاعر نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا ہے، مگر جب شاعر نے باہر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا
 کہ مدحیہ قصیدہ تو اسکے پاس ہی رو گیا ہے، اس لئے وہ لوٹ کر آیا اور بڑی شرمندگی کے ساتھ معذرت
 خواہی کی، مگر انھوں نے اسکی کچھ بھی سرزنش نہیں کی،

انھوں نے کسی حج کئے تھے ازاں بعد ایک حج ۷۲۰ھ میں کیا۔

انکی وفات ۷۲۰ھ میں ہوئی۔ (دور، شذرات، ابن کثیر)

علامہ محمد بن محمد بن احمد مقرئ

مقرئ (چکر کے وزن پر یا کمر کے وزن پر) شمالی افریقہ کا ایک قریہ ہے، وہیں ان کے آباؤ اجداد کا وطن تھا، پھر ان کا خاندان تلسان منتقل ہو گیا، اس لئے وہ مقرئ تلسانی کہے جاتے ہیں علم کی تحصیل و اشاعت میں انتہائی جانفشانی کی، کثرتِ اطلاع و یادداشت میں اپنے وقت کے یکتا تھے فقہ تفسیر اور عربیت کی انھوں نے خوب خدمت کی، حدیث اور تاریخ کے حافظ تھے، دوسرے فنون میں بھی اچھا داخل تھا، اہل تصوف کے معروف سے بھی خوب آشنا تھے، فقہ اور تصوف میں صاحب تصنیف بھی ہیں، ان کے ہم مذہب (مالکی حضرات) کہتے ہیں کہ ان کو کلمہ اجتہاد حاصل تھا، مورخ ابن خلدون وغیرہ ان کے ممتاز شاگردوں میں ہیں۔

انھوں نے حج کیلئے مشرق کا سفر کیا تو اسی سلسلہ میں ابو حیان غوی، شمس اصبہانی اور ابن عدلا سے مصر میں اور ابن القیم سے دمشق میں اور رضی الدین طبری امام حرم سے مکہ میں ملاقات کی اور ان حضرات سے استفادہ کیا، سفر سے واپسی کے بعد سلطان فاس نے ان کو قضا کا محکمہ سپرد کیا، اس محکمہ کے فرائض انھوں نے پوری واقفیت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ انجام دئے جس کے عام طور پر لوگ مداح تھے، اس باب میں انھوں نے کسی کی ناراضی یا ملامت کی پروا نہیں کی۔

خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ۳۲۷ھ میں حج کیا، اس سال جمعہ کے دن حجاج عرفات میں اٹھا موائے تھے اور مسجد حرام کے خطیب نے بیان کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بعد سے (جو جمعہ کو ہوا تھا) اب تک تین سو بار جمعہ کے دن حج ادا کیا جا چکا ہے اور اس سال جمعہ کے دن والے سو حج پورے ہو رہے ہیں، مقرئ کہتے ہیں یہ بات مکہ والوں کے نزدیک گویا متواتر ہے جس کو اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے چلے آ رہے تھے، لیکن اسی کے ساتھ مکہ میں عام طور پر یہ بات بھی مشہور ہے کہ ہر بائیس سال حمد کو حج ہو کرتا ہے، لہذا اگر یہ صحیح ہے تو خطیب صاحب کی بات ٹھیک نہیں ٹھیکتی اس لئے کہ اس حساب سے تو ۳۲۷ھ میں ان حجوں کی تعداد ایک سو اسیس ہوتی ہے، پھر پانچ سال والی بات کو بھی حجت

سے اہل مکہ مطرد نہیں مانتے بد کہتے ہیں کہ کبھی پانچ سال سے زیادہ بھی ہو جاتے ہیں۔
 مقری ہی نے اپنا یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ میں فارس کے بادشاہ و سلطان ابو عنان کی
 بارگاہ میں علی بایں سنانے کیلئے جایا کرتا تھا، ایک بہت بڑے رئیس جو سادات میں سے تھے وہ جب
 آتے تھے تو بادشاہ اور تمام اہل مجلس انکی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے مگر میں نہیں کھڑا ہوتا تھا، انھوں
 نے کئی بار جب مجھ کو ایسا کرتے دیکھا تو بادشاہ سے شکایت کی، بادشاہ نے کہا یہ باہر سے آئے ہیں اور
 جلد ہی واپس چلے جائیں گے لہذا انکو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے لیکن ان رئیس صاحب کی اس سے
 تشفی نہیں ہوئی اس نے ایک دوسرے موقع پر جب وہ تشریف لائے اور بادشاہ و اہل مجلس سب کھڑے
 ہو گئے تو انھوں نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا کہ جناب فقیر جس طرح بادشاہ اور اہل مجلس میرے جدِ
 اور میری سیادت کے احترام میں کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح آپ بھی کیوں نہیں کھڑے ہوتے،
 مقری نے کہا سید صاحب، میرا شرف جو علم کی بدولت ہے وہ محقق و یقینی ہے اور آپ کا شرف
 جو نسب کی بنیاد پر ہے ظنی و غیر یقینی ہے، اس نے کہ جس محترم ذات کی بطرت آپ اپنے کو منسوب کرتے
 ہیں انکا زمانہ آج سے سات سو برس پہلے ہے اور کوئی بھی اس طویل مدت میں آپ کی اس نسبت کے
 تسلسل اور اسکی صحت کو کسی ایسی دلیل سے ثابت نہیں کر سکتا جس پر یقین کیا جاسکے، اور اگر ہم کو آپ
 کی اس نسبت کا قطعی علم حاصل ہو جاتا تو (بادشاہ کی طرف اشارہ کر کے کہا) ہم اسکو اس تخت سے اٹھا
 کر آپ کو اس پر بٹھا دیتے، سید صاحب یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

مقری کی وفات ۹۵۷ھ یا ۹۵۸ھ میں ہوئی (دیباچہ صفحہ ۱۸۷ و نیل الاہتجاج صفحہ ۲۴۹)

امام ناصر الدین ابن الروۃ

محمد بن احمد بن عبد العزیز نام تھا، انکا خاندان قونیہ سے دمشق منتقل ہوا تھا، انکی ولادت
 دمشق میں ہوئی، فقہ و فرائض و اصول و عربیت میں علامہ تھے، رضی الدین منطقی کے شاگرد تھے، شرح
 فرائض و سراج منار وغیرہ انکی تصنیفات میں سے ہیں فقید مفتی تھے، مدبر و متقدم ہیں ویر

دیتے تھے، جامع یبلغا کے خطیب بھی تھے، ۱۲۵۹ھ میں وہ قاہرہ گئے وہاں کچھ دن قیام کرنے کے بعد رجب میں جو قافلہ حجاج کا مکہ جانا ہے، اسے ساتھ مکہ گئے، اور حج کے زمانے تک قیام کر کے اسی سال حج کیا، اس کے بعد شام میں آکر مقیم ہوئے، ۱۲۶۳ھ میں انتقال کیا (جواہر و درر)

(فائل ۱) بغداد و مصر و شام سے عموماً بہت سے لوگ رجب ہی میں مکہ چلے جاتے تھے اور حج کے زمانہ تک وہاں قیام کرتے تھے اور حج کر کے واپس آتے تھے، ایسا کرنے سے ایک لمبی مدت کیسوں کے ساتھ عبادت کرنے کیلئے مل جاتی تھی۔

شرف الدین امیوطی

محمد بن محمد بن احمد بن ابراہیم نام تھا، شافعی المذہب تھے، نقد میں بہت ماہر تھے، حدیث کی سماعت بھی کی تھی، نابلس کے قاضی اور جامع ظاہری میں مدرس تھے، بعد میں مدینہ منورہ کے قاضی اور مسجد نبوی کے امام و خطیب مقرر ہوئے، شیعوں کے سخت مخالف تھے، نہایت جبری اور باہیت تھے، علماے شیعہ کو انھوں نے زیر کر لیا تھا، ممبر رائے عقائد کی برائیاں بیان کرتے تھے، اور محفلوں میں انکو زبرد تو بیچ کرتے تھے، انکو انبیاء سنت کا سخت اہتمام تھا، عبادت میں بھی بہت محنت کرتے تھے، حج کے لئے گدھے پر سوار ہو کر جاتے تھے۔

مدینہ میں شعبان کی پندرہویں رات کو (شب برات میں) باجماعت نفل پڑھنے کے وقتوں سے لوگ عادی تھے، مسجد خوب سجائی جاتی تھی اور روشنی خوب کیجاتی تھی، انھوں نے اس رسم کو یکسلم موقوف اور اس بہت کا بالکلہ استیصال کر دیا۔ انکی وفات ۱۲۷۷ھ میں ہوئی (درر)

صاحب کرامات ظاہر عارف باللہ محمد مرشدی

محمد بن عبد اللہ بن ابی المجد ابراہیم نام تھا، مینیہ بنی مرشد (نواح مصر) میں آپ کا قیام تھا، قرأت سبعہ اور رسم نقد کی تحصیل کے بعد آپ اپنے زاویہ میں گوشہ نشین ہو گئے، خدمت خلق اور مہاں نوازی

کا بہت بلند حوصلہ آپ میں تھا، اور اس باب میں سید حیرت انگیز واقعات کا ظہور آپ سے ہوا، ہر کس و ناکس اور چھوٹا بڑا جو آپ کے پاس سے گزرتا تھا سب کو آپ کھلاتے تھے، بلکہ جس کو جس چیز کی خواہش ہوتی تھی اسکو وہی کھلاتے تھے، اس پر لطف یہ کہ کسی سے کوئی دیر یا نذر نہ قبول نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ سلطان وقت نے بہانہ سے انکو کچھ دینا چاہا تو بھی نہیں لیا، اس بے نیازی کیسٹا اس غیر معمولی مہاں نوازی کے واقعات اس درجہ متواتر ہیں کہ جن حضرات کی تنقیدی نگاہ بہت تیز ہے وہ بھی انکار کی جرأت نہ کر سکے، ابن تیمیہ و ذہبی جیسے محقق نقاد بھی واقعات کی صحت کا انکار نہ کر سکے تو ان کی تاویل یہی کہ جنات، نئے تابع تھے، مگر تذکرہ نویسوں نے واقعات کی جو تفصیل بیان کی ہے اسکو پڑھنے کے بعد اس تاویل کو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

مسارک الابصار کے مصنف ابن فضل اللہ نے لکھا ہے کہ انکی مہاں نوازی کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں پہلی تاریخ میں اسکی نظیہ نہیں ملتی، ایک شخص جو ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم ہو جہاں کی زمینیں زمین میں کچھ پیداوار بھی نہ ہوتی ہو، پھر وہاں کوئی بازار بھی نہ ہو وہاں ہر وقت انواع و اقسام کی چیزوں کا مہیا ہو جانا جو قابرہ یا دمشق کے سوا کہیں دستیاب ہو سکتی ہوں، پھر لطف یہ کہ کوئی خادم ہو نہ باورچی نہ ہانڈی نہ چوہا، پھر بھی جسوقت جتنے مہمان آجائیں سب کی خاطر خواہ مہاں نوازی حد درجہ حیرت انگیز ہے۔ ابن فضل اللہ کہتے ہیں کہ بیان کرنے والوں نے بہت کچھ مبالغہ سے بھی کام لیا ہے مگر یہ واقعات اس قدر مشہور و متواتر ہیں کہ بالکل انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ اسکی اصیت ضرور ہے۔ چنانچہ مجھ سے مختلف جماعتوں نے بیان کیا ہے جنگو بلا واسطہ اس طرح کے واقعات سے سابقہ پڑا ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مریدین و معتقدین کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ حج کیا اس سفر میں ہزرات کبھی ایک دویم کبھی اس سے زیادہ لوگوں کے کھلانے پلانے میں مصروف کرتے تھے، بلکہ ایک دفعہ مین راتوں کا حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک ہزار دینار کی مالیت کا کھانا خرچ ہوا، دوسری دفعہ پانچ۔ توں کا حساب لگایا تو پچیس ہزار دینار کی لاگت کا کھانا خرچ ہوا۔

سلطان الاسلام الملک الناصر (بادشاہ مصر و شام) سے آپکی ملاقات ہوئی تو آپنے اس کی بہت تعظیم کی، مگر کوئی نذرانہ قبول نہیں کیا نہ کسی دوسرے ہی کیلئے کوئی سفارش یا کسی چیز کی درخواست کی اور ارکان دولت میں کسی کے حق میں کوئی کلمہ خیر نہیں کہا، بجز ناظر الجیش کے کہ اسکے حق میں ضرور چند کلمات کہے، چنانچہ الملک الناصر کو اسکی ناگواری ہوئی کہ انھوں نے میری تعظیم تو بہت کی مگر کسی کیلئے نہ کچھ مانگا نہ کچھ کہا، باقی رہا ناظر الجیش تو وہ انکی تعریف کرتا ہے اور وہ اسکی تعریف کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے اس واقعہ پر بہت عمدہ نوٹ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں توشیح نے بہت خوب کیا اس لئے کہ ناظر الجیش کے حالات سے جو واقف ہے وہ جانتا ہے کہ وہ بڑا عدل پرور، ظالم نہ احکام و رسوم کو مٹانے والا، اور رعیت کا خیر خواہ اور حمایتی تھا، اسکے بعد فرماتے ہیں کہ انکے معاصرین میں جو جو لوگ دور دور سے حالات سن کر ان پر معترض اور ان سے بد عقیدہ تھے جب انھوں نے انکو نزدیک سے دیکھا ہے تو انکی بد عقیدگی عقیدت مندی میں بدل گئی ہے جیسے علامہ ابن سید الناس اور ابن جنکلی وغیرہما۔

ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ صاحب حال بزرگ تھے، لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتے تھے، نہ انکی زبان شطیحات (ایسے کلمات جنکا ظاہر شریعت کے مطابق نہ ہو) کا صدور ہوتا تھا، اور ان کے عقائد درست تھے، ابن حجر نے کہا ہے کہ وہ بہت کثیر التلاوت تھے۔

امام یافعی نے بھی انکی زیارت کی ہے اور انکی کرامات کا مشاہدہ بھی کیا ہے، اپنی ملاقات کا حال انھوں نے مرآۃ الجنان میں تفصیل سے لکھا ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں کہ حکومت وقت ان سے مرعوب تھی وہ بڑے بڑے امیر و وزیر کو جو لکھ بھیجتے تھے کسی کی مجال نہ تھی اسکو رد کر دے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انھوں نے بہت سی دفعہ حج کیا ہے، از انجملہ ۸۳۵ھ میں جس سال ابن کثیر و ابن قیم گئے تھے اس سال وہ بھی حج میں تھے، آپکی وفات ۸۳۵ھ میں ہوئی۔
(دور، مرآۃ، مشذرات، ابن کثیر)

ابو عبد اللہ ابن مرزوق عجیبی تلمسانی

محمد بن احمد بن محمد بن محمد نام تھا، تلمسان (بلاد مغرب) وطن تھا، سماع حدیث کا انھوں نے بڑا اہتمام کیا تھا اور اسکے لئے بہت سے شہروں کی خاک چھانی تھی، اور جن مشائخ حدیث سے انھوں نے سماعت کی تھی انکے ذکر میں ایک کتاب لکھی تھی، اسکے علاوہ اصول و فروع کے متعدد فنون میں انکو کمال حاصل تھا، پہلے سلطان فاس کے دربار میں کاتب یا سفیر کے عہدہ پر رہے، پھر اندلس کے سلطان نے انکو خطابت اور ایک مدرسہ میں تدریس کی خدمت تفویض کی سب کے اخیر میں قاہرہ آگئے اور سلطان وقت اشرف شعبان نے انکی قدروانی فرماتے ہوئے متعدد اسباق اور کئی مدرسے انکے سپرد کئے تا انکہ شہر میں انکا انتقال ہو گیا۔

انھوں نے اپنے والد کی معیت میں سسٹھ میں حج کیا تھا اور حج کے طفیل میں انھوں نے جو علمی فیوض حاصل کئے تھے انکی تفصیل بہت طویل ہے، تاہم مختصراً اتنا بتادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مدینہ منورہ میں مشائخ حدیث کی ایک جماعت کے پاس حاضری دی، اور ان سے حدیث سنیں جن میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں، زبیر بن علی اسوانی، عبد اللہ بن محمد بن فرحون، خطیب مدینہ الحسن بن علی بن سہیل، جمال الدین مطری مؤذن مسجد حرام، احمد بن محمد صنعانی نائب قاضی اشرف الدین ابو طی قاضی مدینہ، مثقال بن عبد اللہ مغیشی، موسیٰ بن سلامہ مصری خطیب، ابو فارس ابن رکنون تونس، سیطرح مکہ مکرمہ میں عیشی بن عبد اللہ حمی، الزین احمد بن محمد طبری، الفخر عثمان توزری، نجم الدین محمد طبری، الجلال اقبیری، عبد اللہ بن اسعد یافعی، بردان الدین بن الفکاح، عزالدین بن جامعہ وغیرہ کے پاس حاضر ہو کر حدیثوں کی سماعت کی (دور رو دیا ج)

اس جمالی فہرست پر نظر ڈالنے سے باسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اُس دور کے حجاج و زائرین کیسے نیک غزائم کو کیا ہمت و حوصلہ لیکر حج کیسے آتے تھے اور حج کی سعادت کے ساتھ کیا کیا فوائد و برکات ساتھ لیکر جاتے تھے کیا۔ انتہات میں ہمارے زمانہ کے حج کیلئے بھی کوئی درس عبرت ہے ؟

بہاؤ الدین سبکی

امام نقی الدین سبکی شافعی کے خلف ارشد تھے، احمد بن علی بن عبد الکافی نام تھا، وہی کہتے ہیں کہ وہ صاحب فضائل تھے، انکا علم جید تھا، ان میں ادب اور تقویٰ بھی تھا، بیس ہی برس کی عمر میں انکو سیادت حاصل ہو گئی تھی، اسی عمر میں انھوں نے اپنے والد بزرگوار کی جگہ درس دینا شروع کیا، اور ایسا درس دیا کہ انکے والد نے انکا درس سن کر جستہ یہ شعر کہا ہے

دروس احمد خیل میں دروس علی و ذاک عند علی غایۃ الامل

احمد کا درس رانگے باب علی کے درج بہتر ہے اور علی کی بھی انتہائی آرزو تھی نہ

وہ دارالعدل کے مفتی، اور شام کے قاضی ہونے کے علاوہ لشکر کے قاضی بھی تھے، انکی نسبت مذکورہ کائنات میں کثیر الجود والحدود والادوار والموثوقہ۔ وہ بہت زیادہ حج کرنے والے اور مکہ میں کثرت مجاورت کرنے والے تھے، وظائف بھی بہت پڑھتے تھے اور بہت بامروت بھی تھے، سترہ میں انکی وفات ہوئی۔

شیخ حسام الدین ملتانی

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ، اور جو لوگ آپکی تربیت سے کامل ہوئے ان میں بہت بلند پایہ تھے، شیخ انکے باب میں فرماتے تھے کہ شہر دہلی انھیں کی حفاظت میں ہے، زہد و تقویٰ میں سلف صالحین کے طریقہ پر تھے، فقر و طریقت کے ساتھ علم شریعت میں بھی انکا درجہ بہت اونچا تھا، ہدایہ اور بزدوی انکو گویا زبانی یاد تھی یہی حال علم تصوف میں قوت القلوب و احیاء العلوم کا بھی تھا۔

سلطان المشائخ نے جب انکو خلافت سے سرفراز فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ کوئی وصیت فرمائے شیخ نے ہاتھ بائیں نکال کر انگشت شہادت سے انکی طرف اشارہ کر کے مین بار فرمایا ترک دنیا ترک دنیا ترک دنیا۔ پھر فرمایا کہ مریدوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرنا، انھوں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو شہر کے

باہر سیان میں دریا کے کنارے ایک جھونپڑا ڈال کر جوں شہر میں کنوؤں کی پانی سے بھونکنا پڑتا ہے جس کی طہارت پر اطمینان نہیں ہے شیخ نے فرمایا ایسا کرو گے تو چرچا ہونے لگے گا کہ فلاں درویش فلاں جگہ بیٹھ گیا ہے پھر شہری اور مسافر پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچیں گے اور تمہارا وقت خراب کرینگے رہا کنویں کا مسئلہ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے اور شرعاً اسکے استعمال میں وسعت و خلعت ہے، انھوں نے عرض کیا میرا معمول ہے کہ جب خدا کو کچھ بھجوا دیتا ہے تو اس میں سے کچھ بچوں کے خرچ کیلئے دیدیتا ہوں اور کچھ مہانوں کیلئے اٹھا رکھتا ہوں، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہیں سے کچھ نہیں آتا اس وقت بیوی بچے بھی تنگ کرتے ہیں اور مہان بھی محروم واپس جاتے ہیں، ایسے موقعوں پر قرض لوں یا نہیں؟ فرمایا تب تو تہیرو اتنا تنگم کے چکر میں پھنس جاؤ گے، درویش تو وہ ہے کہ پاس ہو تو خرچ کرے ورنہ صبر کرے۔ اور نامرادی کی وجہ سے اسکی پیشانی پر بل نہ آئے۔

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا کہ درویش کو ہر درمی (ہر جانی) نہ ہونا چاہئے، ایک ہر درمی تو وہ ہونے میں جو دروازے دروازے گھوم کر نہ گئے پھرتے ہیں یہ صوری (ظاہری) ہر درمی ہیں، دوسرے ہر درمی وہ ہیں جو اپنے گھر کے کسی گوشہ میں بیٹھے ہوئے یاد خدا کر رہے ہوں مگر دل میں یہ سوچ رہے ہوں کہ زید و عمر کے یہاں سے میرے گھر کچھ بیٹگا۔ پھر فرمایا کہ ظاہری ہر درمی اس معنوی (چھپے ہوئے) ہر درمی سے اچھا ہے کہ اسکا ظاہر و باطن یکساں ہے اور چھپے ہوئے ہر درمی بظاہر تو حق کے ساتھ مشغول ہیں اور باطن میں دربد گھوم رہے ہیں۔

ایک فاضل شیخ حسام الدین کاندھلوی پر مصلوا ڈالے ہوئے کہیں چلے جا رہے تھے، اتفاق سے مصلوا گر گیا اور انکو خبر نہیں ہوئی، ایک شخص نے کئی بار شیخ شیخ ابھرا نکھا آواز دی مگر یہ متوجہ نہیں ہوئے اس نے وہ مصلوا لیکر دوڑا ہوا انکے پاس آیا اور کہا میں نے کسی دفعہ آواز دی شیخ اپنا مصلوا اٹھا لیجئے مگر آپ نے سنا نہیں، فرمایا بھائی! میں تو ایک فقیر ملا جووں میں شیخ نہیں ہوں۔

محمد توفیق کے عہد میں جب اس نے دولت آباد کو بسائے کیلئے دہلی خانی کر دی تھی آپ گجرات شہر بندر لائن بنائے گئے تھے اور جامع مسجد کے ایک حجرہ میں قیام کر کے عبادت و ریاضت میں مشغول

ہو گئے تھے مگر اپنی درویشی کو چھپاتے تھے، ایک تہہ باندھتے اور ایک کپڑا اوپر کے حصہ پر ڈال لیتے سر پر ایک ٹوپی اس پر کسی کا ایک ٹکڑا پٹا بوا رہتا، تمام روز طلباء کو دینی کتابوں کا درس دیتے تھے۔

شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ آپ جب حج اور زیارت خانہ کعبہ کر کے ہندوستان واپس آئے اور اپنے پیر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے، اسکو چاہیے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی علیحدہ نیت کر کے مستقل سفر کرے تاکہ طفیل والی زیارت کا شرف حاصل کرنے والا نہ رہے، مولانا حسام الدین فیسنے کے ساتھ زیارت مدینہ کا عزم مصمم کر لیا اور دوسرے دن روانہ ہو گئے (انجوار الاخیار، برکات الاولیاء، نزمہ) آپ کی وفات ۸۷۷ھ میں ہوئی، آپ کا مزار نہروال دہن میں ہے۔

مولانا فخر الدین زراوی

آپ بھی شیخ نظام الدین اولیاء کے ممتاز خلفاء میں ہیں، آپ علم و تقویٰ اور ذوق و عشق کے جامع تھے، دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے، پہلے مولانا فخر الدین بانسوی کے پاس علم ظاہر کی تحصیل و تکمیل میں مشغول تھے اور اپنی ذکاوت و فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے شہر کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے تھے، بعد میں شیخ المشائخ کے مرید ہو کر درویشی اختیار کر لی، آپ اکثر سفر میں رہتے اور سنسان مقامات میں عبادت کیا کرتے تھے، صوم دوام کے عادی تھے۔

آپ نے شیخ المشائخ سے دریافت کیا کہ ذکر میں مشغول رہنا افضل ہے یا تلاوت کرنا افضل ہے؟ شیخ نے فرمایا ذکر بہت جلد فدا رسیدہ ہو جاتا ہے مگر زوال کا اندیشہ لگا رہتا ہے، اور تلاوت کرنے والا دیر میں اس مرتبہ کو پہنچتا ہے مگر زوال کا خطرہ نہیں رہتا۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کو مہینہ و مہینہ میں جو حاصل ہوتا تھا وہ مولانا فخر الدین کو ایک گھڑی میں حاصل ہو جاتا تھا۔

مولانا فخر الدین بھی اسی زمانہ میں جب دولت آباد بسایا جا رہا تھا دہلی سے ہجرت چلے گئے تھے

اور وہاں سے خانہ کعبہ کی زیارت کو گئے، واپسی میں بغداد منہر کر علم حدیث حاصل کیا، اسکے بعد وہی کے شوق میں وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر چلے، راستہ میں کشتی ڈوب گئی اور آپ کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا آپ کی وفات شہداء میں ہوئی۔ (اخبار، وزرہ)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

سید جلال الدین حسین بن احمد بخاری، ہندوستان کے مشہور و معروف اولیائے کبار میں ہیں، آپ شریعت و طریقت کے جامع تھے، آپ شیخ الاسلام رکن الدین قریشی کے مرید اور شیخ نصیر الدین چرلغ دہلی کے خلیفہ تھے، اور جب حج کیلئے گئے ہیں تو مکہ میں امام عبد اللہ یافعی کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے، آپ کے ملفوظات خزانہ جلالی میں امام یافعی سے بہت سی باتیں منقول ہیں، نیز محدث مدینہ شیخ عقیف الدین مٹھری نے بھی حرم نبوی میں آپ کو خزانہ تبرک عطا فرمایا، آپ نے انکی خدمت میں دو سال رہ کر عوارف المعارف اور سلوک کی دوسری کتابیں پڑھیں اور طریق تصوف کی تعلیم پائی۔

شیخ عبد الحق نے لکھا ہے کہ محمد غلق کے عہد میں آپ شیخ الاسلام تھے سپہ سالار کی خانقاہ محمدی کی سند آپ کو عطا ہوئی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد سب چھوڑ چھاڑ کر کعبہ مبارک کا رخ کیا۔ آپ کی وفات شہداء میں ہوئی، آپ نے ۷۷۰ سال کی عمر پائی تھی (اخبار الانبیاء)

ابوالبرکات امین بن محمد

چودہ پشتوں تک ان کے آباء واجداد کا نام محمد بیان کیا جاتا ہے تونس (ٹونس) کے باشندہ تھے وہاں سے قاہرہ آئے اور قاہرہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، شاعر تھے اور سچو بکثرت لکھتے تھے، مدینہ پہنچ کر وہیں کے مجاور ہو گئے اور سچو گوئی سے توبہ کر کے عہد کیا کہ آئندہ سے صرف نعت لکھوں گا چنانچہ اس عہد کو انھوں نے مہ العز بنایا، ایک دفعہ انھوں نے مدینہ سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونیکا ارادہ کیا تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابوالبرکات! تم ہماری جدائی کیسے گوارا کرو گے؟ اس خواب

کے بعد وہ مرتے دم تک مدینہ ہی میں مقیم رہے، انھوں نے اپنا نام عاشق الغنی (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا تھا،
 یونس کے سلطان نے انکو اپنے وطن واپس چلے آنے کی بہت ترغیب دی مگر انھوں نے
 یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر مغرب و مشرق کی سلطنت بھی مجھے دیدی جائے تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب
 و ہمسائیگی کو نہیں چھوڑ سکتا، انھوں نے جس دن یہ جواب دیا اسی دن خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کی زیارت ہوئی اور آپ نے انکو جو کے دیے کے تین لقمے کھلائے، اور ایسے کلمات سے انکو نوازا کہ ابوالبرکات
 کہتے تھے کہ میں ان کلمات کو کسی سے بیان نہیں کر سکتا، ہاں اتنا بتا سکتا ہوں کہ آخری بات یہ تھی،
 واعلم انی عنک راض (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں تم سے خوش ہوں)

ایک بار انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھا تو آپ کے حضور میں اپنا یہ شعر پڑھا،

لولاک لہ ادرسا لہوی لولاک لہ ادرسا لہوی

آپ نہ ہوتے تو بھلا کیا جتنا کہ عشق کیا چیز ہے آپ نہ ہوتے تو مجھے راستہ ہی معلوم نہ ہوتا

ابوالبرکات کی وفات سنہ ۷۷۷ھ میں ہوئی (درر)

قاضی القضاۃ ابوالعباس شمس الدین سروجی حنفی

احمد بن ابراہیم بن عبد الغنی نام تھا، فقہ حنبلی میں متبع اور فقہ حنفی میں ہدایہ کے حافظ تھے، فقہ کے

علاوہ اصول و نحو میں بھی صاحب مہارت تھے، ایک مدت تک قاہرہ کے قاضی رہے، اور مدرسہ صلاحیہ
 و ناصرہ و سیوفیہ میں درس دیا، ہدایہ کی نہایت مبسوط شرح لکھنا شروع کی تھی، جسکو کتاب الایمان تک لکھنے
 پائے تھے کہ انتقال ہو گیا، ان کے بعد شیخ سعد الدین دہری نے اسکی تکمیل شروع کی کتاب الایمان بالبتہ
 ہمک کی شرح چھ جلدوں میں لکھی تھی کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

انھوں نے حافظ ابن تیمیہ کا رد بھی لکھا تھا جسکی نسبت حافظ ذہبی کا اعتراف ہے کہ بہت

صاف ذہن اور ادب و سکون کے ساتھ رد لکھا ہے، ذہبی کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ ابن تیمیہ
 نے اس کے جواب کی ضرورت محسوس کی ہے اور اس کا جواب لکھا ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ بہت با عظمت، صاحب وقار اور کثیر المی سن تھے، نیز وہ غزوہ بدری کے ساتھ باہمت اور سختی و بلند ہمت بھی تھے، انھوں نے نہ کبھی رشوت لی، نہ جبر قبول کیا، نہ کسی صاحب جاہ کی رعایت کی، اور نہ بادشاہ کی سلطوت ان کو مرعوب کر سکی۔

ایک بار ابو عبد اللہ فاسی جن کے صلاح کی شہرت تھی کسی معاملہ میں ان کی عدالت میں آئے اثنائے گفتگو میں قاضی ابن مخلوف مالکی کے حق میں ان سے بے ادبی سرزد ہوئی، سر دجی نے ان کو تھپڑ مار دیا۔ ایک دفعہ ایک امیر کو بری طرح ڈانٹ دیا، ایک بار محض پر برس پڑے۔

انھوں نے اپنے سفر حج میں قاضی القضاۃ کا عہدہ حاصل ہونے کی نیت سے آب زمزم پیا تھا، انکی وفات ۷۱۷ھ میں ہوئی (اور ر)

سرخلقہ مشائخ نقشبندہ خواجہ بزرگ حضرت شیخ بہار الدین نقشبند

آپ کا کم شریف محمد بن محمد بخاری تھا، آپ نے سید امیر گلان قدس سرہ سے طریقت کے آداب سیکھے اور ظاہر میں وہی آپ کے پیر مرشد تھے، مگر دراصل خواجہ عبد الخاق غجدانی کی روحانیت سے آپ کو فیض تربیت حاصل ہوا تھا، نقشبندی سلسلہ کے تمام بزرگوں کا سلسلہ آپ منہی ہوتا ہے، اور سب کو اس نسبت غلامی پر فخر و تازش ہے۔

آپ کا ارشاد ہے۔

”ہر طریقہ صحبت ہے، اور وہ جو ان بزرگ (صحابی) نے فرمایا تھا کہ تعالٰیٰ تو میں ساعۃ، (اے تھوڑی دیر ساتھ بیٹھیں اور یہ انداز نہیں) اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ زبان راہ خدا ایک دور کی صحبت میں بیٹھیں تو اس میں بڑی خیر و برکت ہے اور امید ہے کہ اس پر مامومت کرنے سے ایمان حقیقی نصیب ہو جائیگا نیز ارشاد ہے کہ

”تصوف و سلوک کا نمونہ طریقہ سختی کے ساتھ اتباع سنت، اور صحابہ کرام کے آثار اور طور طریقہ کی پیروی کرنا ہے، اس صورت سے تھوڑے سے عمل کی بہت بہت کچھ فتوح حاصل ہوتے ہیں۔“

ایک شخص نے آپؐ کو کرامت طلب کی تو فرمایا کہ ہماری کرامت تو بالکل ظاہر و باہر اور کھلی ہوئی ہے
 لگنا ہوں گا اتنا بوجھ لا دے ہوئے بھی زمین پر چل بھر رہے ہیں۔ فرماتے تھے کہ شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ
 سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپؐ کے جنازہ کے آگے کون سی آیت پڑھیں گے؟ فرمایا کہ آیت پڑھنا بڑی بات ہے،
 تم یہ شعر پڑھ دینا

چیت ازین خوبرو در جہ آفاق کار دوست رود نزد دوست یار نزدیک یار

اس حکایت کے بعد خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ ہمارے جنازہ پر یہ شعر پڑھ دینا

مفلسانیم آمد و در کوے تو شے شد از جمال روے تو

خواجہ بزرگ نے دوبار حج کیا تھا، دوسرے حج میں جو مریدین کی جماعت تھی ان میں خواجہ محمد پارسا
 بھی تھے، حضرت خواجہ راستہ میں بزرگوں کی زیارت، اور مریدوں کی بالخصوص خواجہ محمد پارسا کی تربیت
 فرماتے ہوئے گئے تھے، آپؐ کی وفات شدہ میں ہوئی۔

س۔۔۔۔۔

عَلَامَةُ بَرْهَانَ الدِّينِ اَنْبَارِئِي

ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب نام تھا، حدیث میں حافظ علامہ الدین مغلطای کے شاگرد تھے، اور
 بقول ابن الفرات دیار مصر کے شیخ تھے، حدیث وفقہ و اصول و عربیہ میں انکی متعدد تصنیفات ہیں، انھوں نے
 قاہرہ کے باہر ایک زاویہ (خانقاہ) تعمیر کرائی تھی اسی میں رہتے تھے اور طلبہ کو وفقہ وغیرہ کی تعلیم دینے کیلئے اس
 میں اکٹھا کرتے تھے، ان کے کھانے کا سامان بھی خود ہی کرتے تھے، اور فارغ ہونے کے بعد انکے لئے ذرائع معاش
 بھی تلاش کر دیتے تھے بالخصوص جو طلبہ گرد و نواح کے آتے تھے انکی فکر زیادہ رکھتے تھے، ان کا طریقہ تعلیم
 بہت عمدہ تھا، وہ نرم خو، متواضع، اور ہنس مکھ تھے، تکلف و تصنع سے قطعاً پاک تھے، ان باتوں کا نتیجہ

یہ جو کہ قاہرہ کے اکثر طلبہ انھیں کے شاگرد تھے، اور بے شمار لوگ انکے پاس سے تعلیم پا کر نکلے۔
 انھوں نے متعدد بار حج کیا ایک فوج مکہ میں قیام بھی کیا، آخری وفدِ شہداء میں حج کیلئے گئے، حج
 کر کے واپس ہو رہے تھے کہ عقبہ ایلہ کے قریب محرمِ شہداء میں انتقال کر گئے۔ (اشذرات و ضور)

ابن سکر محمدت حنفی

شمس الدین لقب، ابو عبد اللہ کنیت، محمد بن علی بن محمد بن علی بن ضرغام نام و نسب، حدیث
 و قرأت کے بہت بڑے عالم و امام تھے، انھوں نے بے شمار شاخ سے بے شمار حدیثیں سنی تھیں، اور اسکا سبب
 یہ تھا کہ جو قافلے مکہ میں پہنچتے تھے یہ ہر قافلہ کے حجاج کی جائے قیام پر پہنچ کر جو لوگ
 صاحب روایت اور زنی علم ہوتے ان سے جسدِ ممکن ہوتا استفادہ کرتے، حدیثیں سنتے اور لکھتے، انکا
 وطن مصر تھا مکہ میں مقیم ہو گئے تھے اور قرأت کی تعلیم دیتے تھے، حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ میں نے بھی مکہ
 میں ان سے حدیثوں کی سماعت کی ہے، ان کی وفات شہداء میں ہوئی۔

مسند الدنیا ابراہیم بن محمد بن صدیق رشام

حدیث میں ابن تیمیہ، حجار، مزنی، اور برزالی وغیرہم کے شاگرد تھے، انھوں نے عمر و ازپالی تھی
 خیر عمر میں اپنے اساتذہ کے وہی تنہا شاگرد رہ گئے تھے اس لئے علما و سنا دیکھنے انکی طرف بڑا رجوع تھا،
 آخر عمر تک حواس درست تھے، بدن میں بھی قوت تھی، عمر کا احرام باندھنے کیلئے پیدل تنیم جایا کرتے تھے
 اپنی زندگی کے آخری سال بھی پیدل ہی گئے تھے، انھوں نے سب سے پہلا حج شہداء میں کیا تھا، اسکے
 بعد چار حج اور کئے، پھر شہداء سے بکر شہداء مسلسل 'چھ' حج مزید کئے، یعنی کل گیارہ حج کئے، انھوں نے
 مکہ میں مجاورت بھی بہت کی تھی، مدینہ میں بھی مجاور رہے تھے، مکہ میں میں وفد انکے سامنے بخاری شریف
 پڑھی گئی اور انہی حدیث مثلاً برانِ حلبی، ابنِ زہیرہ اور قتی فاسی وغیرہ نے سماعت کی، حافظ ابن حجر نے بھی مکہ
 میں ان سے حدیث سنی ہے، انکی وفات شہداء میں ہوئی، پچاسی سال کی عمر تھی (ضور، اشذرات)

البرہان ابن خضر عثمانی استاد سخاوی

ابراہیم بن خضر نام اور قاہرہ وطن تھا، فقہ وحدیث میں انکا پایہ بہت بلند تھا، حافظ ابن حجر کے ممتاز اور صاحب خصوصیت شاگرد تھے، ان سے صحاح ستہ کے علاوہ پوری فتح الباری انھوں نے پڑھی تھی، حافظ سے پوری فتح الباری کا سماع صرف انھیں کو حاصل تھا، حافظ ابن حجر کے علاوہ دوسرے مشائخ واساتذہ وقت مثلاً قایاتی، ولی عراقی، علاء بخاری اور بساطی وغیرہم سے مختلف علوم کی تحصیل کی، حافظ ابن حجر اپنے تلامذہ میں انکو سب پر فوقیت دیتے تھے، انھوں نے انکو امام عالم علامہ فاضل محدث فقیہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ چالیس سال تک میری صحبت میں رہے، حافظ ابن حجر رمضان میں ان کے سوا کسی دوسرے کو قراءت نہیں کرنے دیتے تھے، جو فتویٰ لکھتے تھے ابن خضر کو دکھالیا کرتے تھے بلکہ مشکل سائل کے جوابات انھیں کے سپرد کر دیتے تھے اس لئے کہ حافظ ابن حجر کو دوسرے بڑے کام رہا کرتے تھے، بادشاہ وقت کسی عالم کو عہدہ قضا پر مقرر کرنے سے پہلے ابن خضر کے پاس بھیجتا تھا کہ اس کی صلاحیت کا امتحان کر کے بتائیں، الغرض نہایت جید متدین اور پرہیزگار عالم تھے۔

انھوں نے متعدد حج کئے تھے بعض دفعہ مجاورت بھی کی ہے، وہ علامہ سخاوی کے استاد ہیں سخاوی کا بیان ہے کہ ابن حجر کے بعد میرے اساتذہ میں سب سے اہل و افضل ابن خضر تھے، اور ابن خضر اپنے تمام علمی کمالات و فضائل کے باوجود ابن حجر کی طرف انتساب میں فخر محسوس کرتے تھے، اور ابن حجر کو بھی ان پر فخر تھا۔

انکی پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ جب ان کے استاد ورشتہ دار قایاتی قاضی ہو گئے تو انھوں نے ان کے پاس آمد و رفت بند کر دی، اسی طرح علم الدین بلقینی کے پاس بھی نہیں جاتے تھے، انکو عوامانزلہ کی شکایت، ۱۰ کرتی تھی اس لئے ہر وقت علامہ باندھے ہوئے اور ببادہ اوڑھے ہوئے رہتے تھے، فرماتے تھے کہ پہلے حج میں میں نے آج سے بغیر چادر اوڑھے ہوئے احرام باندھا تھا اسی وقت سے نزلہ کی شکایت پیدا ہو گئی، آپ کی وفات ۸۸۷ھ میں حافظ ابن حجر کے سامنے ہوئی، حافظ کو انکی وفات سے سخت صدمہ ہوا۔

علامہ برہان بقاعی

ابراہیم بن عمر بن حسن نام تھا، محدث و مفسر و مؤرخ تھے، یہ بھی حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے۔ ان کی سب سے اہم تصنیف مناسبات قرآنیہ ہے جس میں انھوں نے ربط سور و آیات پر بحث کی ہے۔ علم و فضل میں وہ اپنے وقت کے اکابر میں سے تھے، اگرچہ سیوطی و سخاوی نے ان پر سخت حرف گھیرا ہے مگر اس میں معاصران چشمک کو زیادہ دخل ہے، جیسا کہ خود بقاعی نے بھی ان حضرات پر رد و قدح کرنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ ان کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام عنوان الزمان بتراجم الشیوخ والاقران ہے۔ انھوں نے بھی حج کی سعادت کے ساتھ عبادت کا شرف حاصل کیا ہے، اور مکہ معظمہ سے مدینہ کے علاوہ طائف بھی گئے تھے، ان کی وفات ششہ ۷۷۰ میں ہوئی۔

ان کی ایک کتاب مصاعد النظر فی الاشراف علی مقاصد السویحیں ہے جس کا مائیکرو فلم احقر کے پاس موجود ہے۔

حافظ زین الدین عراقی استاد ابن حجر

عبدالرحیم بن الحسن بن عبدالرحمن نام تھا، اصلاً کردی تھے، ان کے والد بچپن ہی میں اپنے بعض قرابت مندوں کے ساتھ مصر چلے آئے اور خانقاہ رسلان کے شیخ تقی الدین قنادی کی خدمت میں رہنے لگے، جب جوان ہوئے تو ایک نیک اور صابر و قانع خاتون سے نکاح ہو گیا جس کے بطن سے ششہ ۷۷۰ میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر حافظ زین الدین عراقی کے نام سے دنیا میں مشہور ہوا، انھوں نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا، اسکے بعد فقہ شافعی کی کتاب تنبیہ پوری اور حاوی کا اکثر حصہ ازبر کر لیا، پھر ابن دقیق العید کی کتاب الامام بھی یاد کر ڈالی، یاد کرنے کا حال یہ تھا کہ کبھی کبھی الامام کی چار سو سطریں دن بھر میں یاد کر ڈالتے تھے، اسکے بعد قراءت کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے، اس سے فارغ ہو کر ابن عدنان کی خدمت میں فقہ اور ابن اللبان کے پاس اصول کی تحصیل کی اور ان دونوں میں کمال پیدا کیا، اسی اثنا میں علم حدیث کی طرف میدان پیدا ہوا تو فاروق میں شیخ علاء الدین ترکمانی حنفی کے پاس گئے اور ان کی خدمت میں رہ کر اس میں مہارت پیدا کی

سخاوی نے اس مقام پر لکھا ہے کہ بد تخریج و علیہ انتفع (یعنی ترکمانی ہی کی بدولت فن حدیث میں عراقی کمال و فضیلت کے درجہ پر پہنچے، اور انھیں سے وہ فیضیاب ہوئے) ترکمانی کے علاوہ صلاح علانی اور تقی سبکی وغیرہا سے بھی انھوں نے استفادہ کیا، اور اس فن میں انکا انہماک اتنا بڑھا اور اسکی اتنی مزاوت کی کہ صرف اسی فن میں وہ شہور ہوئے، اور اس عہد کے مشائخ حدیث علانی و سبکی و ابن حجر وغیرہم نے بہت بلند الفاظ میں انکی حدیث دانی کی تعریف کی، حتیٰ کہ ابن جماع نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مصر میں ان کے سوا جو حدیث دانی کا دعویٰ کر رہا ہے وہ نرا مدعی ہی ہے، انکی تصنیفات میں الفیۃ الحدیث الفیۃ السیرۃ اور تخریج احادیث الاحیاء وغیرہ کو شہرت حاصل ہے۔

انھوں نے کئی بار حج کیا تھا نیز حرمین میں مجاورت بھی کی تھی، ایک بار شہرہ میں انھوں نے اہل و عیال کے ساتھ حج کیا تھا، اس سال انکی معیت میں انکے صاحبزادہ ولی الدین عراقی اور ان کے چچیرے بھائی برہان الدین ابراہیم بن محمد اور حافظ نور الدین سیثی کے علاوہ شہاب بن نقیب بھی تھے، پہلے چند ماہ مدینہ میں قیام کرنے کے بعد مکہ گئے، اسی سفر میں شہاب نے انکی الفیۃ الحدیث کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا اور اسکے درس میں شریک ہوئے، تین سال سے زائد وہ مدینہ منورہ میں قضا کے عہدہ پر بھی رہے ہیں، اسکے بعد انھوں نے امداد کی مجلس قائم کی، اور اسکے چار سو سولہ جلسوں میں مختلف مضامین کا امداد کیا، مثلاً اربعین، امام نووی کی تخریج اور مستدرک المستخرج وغیرہ۔

حافظ عراقی نہایت صاف دل، باحیا، بے تکلف، کم گو، نورانی صورت اور متواضع تھے، حافظ ابن حجر دس سال تک انکے پاس رہے ہیں انکا بیان ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے تہجد ترک کیا ہو، وہ عموماً فجر کی نماز کے بعد اسی جگہ قبلہ رو بیٹھے ہوئے طلوع آفتاب تک تلاوت یا ذکر میں مشغول رہتے تھے، ہر ماہ میں تین دن اور شوال کے چھ دنوں کے روزے برابر رکھتے تھے، جب کہیں سوار ہو کر جاتے تو تلاوت کرتے رہتے تھے۔

حافظ عراقی کے ارشد تلامذہ میں حافظ ابن حجر، نور الدین سیثی، اور خود عراقی کے لڑکے ولی الدین عراقی، شیخ الحدیث برہان الدین حلبی، عز بن خوات اور ثریف مراغی وغیرہ محدثین عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔

حافظ عراقی حدیث پڑھانے کیلئے باوضو بیٹھتے تھے اگر درمیان میں تجویز و نحو کی ضرورت پڑ جاتی تو قاری کو روک کر وضو کرتے اس کے بعد قراءت جاری ہوتی۔
 ان کے پاس کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ تھا مشہور تھا کہ قاہرہ میں ان سے زیادہ کتابیں کسی کے پاس نہیں ہیں۔ انفرن جیسا کہ مقریزی نے لکھا ہے ان سے دنیا کی زینت تھی اور منکر کو انکی ذات پر فخر تھا، مستندہ میں انکی وفات قاہرہ میں مولیٰ۔ (فضور)

حافظ سراج الدین بلقینی شافعی

عمر بن سلیمان نام تھا سنیہ میں پیدا ہوئے، سات برس کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے، بارہ برس کی عمر سے پہلے شافعیہ، محرمہ، کافہ، ابن مالک اور اصول میں مختلف ارباب پر کرچکے تھے، اپنی عمر کے بارہویں سال اپنے والد کی معیت میں جب قاہرہ انھوں نے نقلی سبکی اور جہول قزوینی کو اپنی یادگی ہوئی کتابیں سنائیں تو وہ بوسہ عیش عیش کرنے لگے، مستندہ میں قاہرہ اگر بن عدلان اور قماح اور نجم بن اسوانی وغیرہم کے پاس فقہ اور شمس اصہبانی کے پاس اصول و معقولات اور ابو حیان وابن عقیل کے پاس ادب و عربیہ کی تحصیل کی دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا مگر مذکورہ بالا اساتذہ ہی سے زیادہ فیضیاب ہوئے، ابن عقیل نے اپنی دامادی میں بھی ان کو قبول کر لیا، میدومی و ابن غالی و ابن القماح وغیرہم کی مجالس درس میں شریک ہو کر حدیث پر عبور حاصل کیا، ذہبی و مزی بیسے اکابر نے اجازت سے نوازا۔

جب بیت المقدس نے تو صلاح علوی نے انکا بڑا احترام کیا، اسی موقع پر یہ قصہ پیش آیا کہ مدرسہ کا لبر کے منتظم سے انھوں نے ایک مزمعہ لکھا اس نے انکا کر دیا، اتفاق سے اسی اثنا میں ایک شاعر منتظم تھا کی طرح لکھ لایا اور اسی مجلس میں اس نے قصیدہ سنایا جب سنا چکا تو جقینی نے کہا کہ یہ قصیدہ مجھے یاد ہو گیا منتظم نے کہا اگر ایسا ہے تو میں آپکو ایک کمرہ ضرور دیدو لگا، انھوں نے جربستہ پورا قصیدہ سنا دیا، منتظم حیران رہ گیا، اور اس کو کمرہ دینا پڑا۔

مستندہ میں شافعی مقرر ہو گیا، اسی موقع پر ابن کثیر سے ملاقات مولیٰ تو ابن کثیر نے کہا کہ

آپ کو دیکھ کر ابن تیمیہ ادا گئے، اور ابن شیح جس نے ان کے حق میں کہا تھا کہ ہم نے ابن تیمیہ کے بعد یقینی سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا، بران جلی نے کہا ہے کہ میری آنکھوں نے فقہ شافعی اور احادیث احکام کا ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا، میں ان کے درس میں بار بار حاضر ہوا، ہوں ایک، کس طالب علم ان سے مسلم مختصر پڑھتا تھا مجس میں ہر جہز مذہب کے فقہا موجود ہوتے تھے اور وہ صرف ایک حدیث پر صبح سویرے سے ظہر کے قریب تک تقریر کرتے تھے بلکہ بعض اوقات اذان ظہر ہو جاتی تھی اور انکی تقریر پوری نہیں ہوتی تھی میں تمام بلاد میں جن علما سے ملا ہوں وہ سب ان کے فضل و کمال و کثرت استحضار کا اعتراف کرتے تھے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ان سے ملکر نسا پڑھتا تھا کہ انکو شروع سے لیکر اخیر تک پوری فقہ زبانی یاد ہے اس کے باوجود بغیر مطالعہ کے سبق پڑھانا انکو پسند نہیں تھا، وہ آٹھ دن میں پوری حاوی سمجھا کر پڑھا دیتے تھے وہ خود فرماتے تھے کہ جتنی دیر میں فوں آدمی عصر کی نماز پڑھتا تھا اتنی دیر میں تحریر کا ایک صفحہ میں یاد کر لیتا تھا، بعض کا میں نے خواب میں ایک شخص کو کہتے سنا کہ حق تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر دین کا ایک مجدد پیدا فرماتا ہے، یہ سلسلہ عمری سے شروع بھی ہوا اور عمری ختم بھی ہوا، پہلے عمر سے ابن عبدالعزیز اور دیگر سے یقینی مراد ہیں)

ابن حجر نے لکھا ہے کہ یقینی کو وہ حسن قبول عطا ہوا تھا کہ ان کے سوا کسی دوسرے کے فتویٰ پر اعتقاد نہیں ہوتا تھا، وہ اس باب میں مؤید من اللہ تھے، عصر کے بعد سے مغرب تک فتویٰ لکھتے تھے، کوئی فتویٰ مشکل معلوم ہوتا تو کتاب کی طرہ مراجعت کرنے میں بھی انکو نار محسوس نہیں ہوتی تھی، نہ یہ کہنے میں شرم محسوس کرتے تھے کہ سوال رکھ جاؤ تحقیق کر کے بعد میں جواب دیں گے۔

بلقینی بڑے بامروت، نہایت طنسار اور برودار تھے، اور اپنے شاگردوں سے بہت بے تکلف اور ان پر نہایت شفیق تھے بایں ہمہ انکی بڑی ہیبت تھی۔

امرا معروف اور ازالہ منکرات کے سلسلہ میں بھی انھوں نے نمایاں کام کئے، صوفیہ و صلیا سے بھی ان کو بڑی عقیدت تھی، ششہ میں ان کی وفات ہوئی۔

انھوں نے پہلا حج نسۃ میں اپنے والد کی معیت میں کیا تھا اسکے بعد تنہا بھی انھوں نے حج کیا (منور)

عَلَمَ بَلْقِينِي :- سراج بلقینی کے لڑکے تھے اور وہ بھی بڑے پایہ کے فقیہ تھے، کئی بار مصر میں قضاے شافعیہ کے عہدہ پر بھی رہے، حافظ ابن حجر وغیرہ کے شاگرد اور سخاوی کے استاذ تھے۔

انہوں نے سلسلہ میں حج کیا اور مشائخہ میں وفات پائی۔

جَلال بلقینی :- سراج بلقینی کے بڑے لڑکے تھے، اور بقول حافظ ابن حجر کے سرعت فہم وجودت حافظہ میں دنیا کے عجائب میں سے تھے، اور بقول ابن ناصر الدین وغیرہ کے اپنے والد کے فضائل و کمالات کے وارث تھے، ان کے بعد فتویٰ کی ریاست ان پر ختم تھی، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ علم کے عاشق تھے، کوئی علمی فائدہ سننے تو جب تک اسکو خوب بھکر یاد نہ کر لیتے انکو چین نہیں آتا تھا، انہوں نے شروع میں علوم عربیت کی تحصیل میں محنت نہیں کی تھی اس لئے جب مشائخہ میں حج کیلئے گئے تو فہم عربیت کے حصول کی نیت سے انہوں نے آپ مزہ پایا، واپسی کے بعد اس میں محنت شروع کی، درختور کی دنوں میں ماہر ہو گئے۔
ان کی وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی۔

ابن الملقن شافعی

عمر بن علی بن احمد نام تھا، ان کے والد اصدا اندلسی تھے، پھر نکر منتقل ہو گئے، کچھ دنوں کے بعد قاہرہ آ گئے، ابن الملقن کی عمر ایک سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ایک بزرگ عیسائی مغربی نے انکے والد کی وصیت کے بموجب انکی پرورش کی اور انکی ماں سے نکاح بھی کر لیا، چونکہ وہ جامع طولوں میں بچوں کو زبانی قرآن کی سوتیں یاد کرایا کرتے تھے اس لئے لوگ ان کی نسبت سے انکو ابن الملقن کہنے لگے (کہتے ہیں کہ انکو کوئی ابن الملقن کہتا تھا تو خدا بوتے تھے چنانچہ اپنے قلم سے کہی اپنے کو ابن الملقن نہیں لکھا) خوش قسمتی سے انکی ملکیت میں ایک مکان آگیا تھا جسکی آمدنی ۴۰۰ ماشہ سونا روزانہ تھی، اس کے انکا سارا کام چل جاتا تھا، باقی نقد وغیرہ جو اپنے والد سے وراثت میں انکو ملا وہ کتابوں وغیرہ کیلئے بیچ رہا، چنانچہ طاعون عام میں جب ایک محدث کی کتابیں فروخت ہو رہی تھیں تو چونکہ انکے پاس فاضل روپیہ کافی تھا اس لئے دل کھول کر کتابیں خریدیں، اسی موقع پر مسند احمد کا نسخہ صرف بیس درہم میں انہوں سے خرید لیا تھا

ابن الملحق نے فقہ کی تعلیم جمال الدین انسوی و قی الدین سبکی وغیرہ سے پائی تھی اور علم حدیث میں انھوں نے مستند شاخ کے سامنے زانوے ادب رکھا تھا مگر اس فن کی تحصیل جم کر انھوں نے مغلطائے حنفیہ اور زین حبشی سے کی اور انھیں کی تعلیم و توجہ سے وہ محدث ہو کر نکلے، اسکے بعد بیت المقدس جا کر صلاح علانی کے پاس انکی تصنیف جامع التحصیل فی رواد المراسیل پڑھی تو انھوں نے انکے اجازت نامہ میں الشیخ الفقیہ الامام العالم الحدیث الحافظ المتقن شرف الفقہاء والمحدثین والفضلاء کے اوصاف سے نوازا۔

ابن الملحق نہایت کثیر التصنیف عالم تھے انکی تصنیفات کی تعداد تین سو سے زائد ہے، ابن حجر نے کہا ہے کہ نویں صدی کے سرے پر تین شخصیتیں اس عہد کے عجائب میں سے تھیں، عراقی فنون حدیث کی معرفت میں، بلقیسی مذہب شافعی کی وسعت معلومات میں اور ابن الملحق کثرت تصنیف میں، ابن الملحق نے شیعہ میں حج کیا، اور کعبہ مکرمہ کے سامنے ایک محدث کو اجازت نامہ لکھوا دیا تھا۔ ابن الملحق کی تصنیفات میں بخاری کی شرح میں جلدوں میں ہے جس میں بقول ابن حجر ان کا اعتماد زیادہ تر حافظ قطب الدین حنفی اور حافظ مغلطائے حنفی کی شرحوں پر ہے گویا وہ مغلطائے کی شرح کی تکمیل ہے، الایہ کہ انھوں نے کچھ اضافے بھی کئے ہیں۔

تین جلدوں میں انھوں نے ابن ماجہ کے زوائد وہ حدیثیں جو صحیحین و ترمذی و نسائی و ابوداؤد میں نہیں ہیں، بھی لکھے ہیں، اسکا نام انھوں نے ماتمس الیہ للحاجة رکھا ہے۔

صوفی و فقیہ و محدث ابن رسلان شافعی

احمد بن حسن بن حسن نام تھا، انکے اجداد میں ایک صاحب کا نام ارسلان تھا اس لئے ابن رسلان اور اکثر بحدف حمزہ (الف) ابن رسلان کہے جاتے تھے، انکے والد باجر تھے، وہ انکو دکان پر بھیجتے تو بہت سڑ چلے جاتے تھے، انکے والد انکو روکتے ہی رہے مگر وہ مانے نہیں، رہے جاتے رہے کچھ دنوں کے بعد اپنے وطن رتہ سے بیت المقدس چلے گئے، اور وہاں کے فقہاء و محدثین کے پاس فقہ و حدیث میں کمال پیدا کیا، فقہ میں ان کے

استاد قلقتندی و ابن ابی عمیر و میں شیخون حدیث میں استہاب بن النضر ابو ہریرہ بن العباس اور
ابو یحییٰ بن ابراہیم کے نام سرفہرست ملتے ہیں۔

بہر حال خوں نے اس کے تصوف میں کسی علمی سے مراد اور نہایت محنت کے ساتھ
مطالعہ اور طلبہ کو تعلیم دینا یا سلسلہ پر جہاد کی کھانا کھانہ و انمول و حدیث میں امام و علامہ اور تفسیر
و حدیث و کلام میں خوں نے سرفہرست ہے۔ چونکہ تصوف کا دوق بھی انکو تھا اس لئے شیخ تصوف کی صحبت
سے بھی فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ ان میں کثرت پڑھتے تھے۔ روزے بھی بہت رکھتے تھے و جبکہ کے پابند
تھے۔ شیخ محمد قریب بن ابی صبیح و زور و جہاد میں و غیرہ لے انکو زرقہ تصوف پہنایا تھا۔ انکا معمول تھا کہ
ہر سال سمنہ رکے کر اسے شہر کا مقام پر چھوڑ دیا جہاں کی زمین لکھ لکھتے تھے۔ اور غنیمت و علانیہ لوگوں کو شہ
کی طرف دعوت دیتے تھے۔ انہوں کو اس کی تمام ضرورتوں سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ انکو گناہی
بہت پسند تھی اسی لئے کوئی عبادہ قبول نہیں کرتے تھے۔ بیت المقدس کے داخلے وہاں ایک مدرسہ قائم
کر کے ان کو اسکا شیخ بنا چاہا اور بہا کر لکھ لکھتے تھے یا نہی کے پورے ہم پیش کیے جائیں گے مگر انھوں نے
سمتی سے انکار کر دیا۔ کوئی رئیس طلبہ تقسیم اپنے کیسے کوئی رقم ان کو دینا تھا تو اسکو بھی نہیں لیتے تھے۔
سلطان شرف نے جب آہ کاسطہ کیا تو اسکے لئے اور جانے کیوقت وہ رملہ سے بیت المقدس چلے
گئے کہ کہیں رملہ میں اس سے یا اسکے امراء میں سے کسی سے ملاقات نہ ہو جائے۔

بہر حال زہد و مع میں اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آفاق سے لوگ انکی زیارت کو آتے تھے
ان کے علاوہ اور مدین بکثرت تھے۔ اور بے شمار شیخوں انکی صحبت و تربیت سے مہذب و پاکیزہ بن گئے
ان کے تعظیم عقیدہ متبع سنت اور زہاد متقی بزرگ ہونے میں سبکو اختلاف نہیں تھا۔

جاننے و سمجھنے میں کمال بخاں کس دور کے عالم تھے۔ اور انکی علمی عظمت و جہاد کا کیا تجربہ تھا
مگر اسکا حال بھی یہ تھا کہ ایک دعوت میں جب اسکا دل دھڑکا تو اسنے کیسے کیسے سامنے دیا و طشت لیا تو
علا نے اپنے ہاتھوں سے دونوں تہذیب بن رسول کے سامنے رکھیں پھر وہاں تھیں لکھنؤ و انکا ساتھ و مدد یا انھوں
نے بھی انکار کیا تو سب کچھ دھڑک رہا تھا۔ اسنے مغفرت شروع کی تو علا کی دعا پڑھیں کہتے جاتے تھے

اور روتے جاتے تھے جب کھانے سے فریغ ہو کر وہ جیسے تے تو ایک شخص نے علاء کے ہاں کہ حضرت ابن ہارون
 (شام) میں انکا سا کوئی نہیں ہے تو سارے نے کہا کہ خدا کی قسم میں بھی انکے جیسا کوئی نہیں ہے۔
 انکے مناقب بسط و تفصیل سے لکھے جائیں تو بہت ٹول ہو گا اس لئے اتنے ہی پر اکتفا مناسب
 انکی وفات سنہ ۳۷۵ھ میں ہوئی۔ انکی تصنیفات میں بوداؤ کی شرح مشہور ہے۔

شمس الدین جزیری صاحب جبین

محمد بن محمد بن محمد بن علی، تہذیب و تربیت، جلیس برس تک ان کے کوئی لڑکا
 پیدا نہیں ہوا تھا جب دو چھ کو گئے تو اس نیت سے کہ حق تعالیٰ کو یہ سزا عطا فرمائے جو عالم ہو،
 انھوں نے آب زہر پیا، خدا نے انکی تباہی کی اور سنہ ۳۷۵ھ میں یہ پیدا ہوئے، ابتدا ہی سے فن قرأت
 پر انکی خاص توجہ تھی اس نے بڑے اہتمام کے ساتھ متعدد ماہر اساتذہ سے اسکو حاصل کیا، تا آنکہ نویں صدی
 میں انکو اللہ نے قرار و جودین کا امام بنادیا، قرأت کے بعد انکی توجہ کام زین فن حدیث تھا اسکو بھی بہت سے
 مشائخ سے جن میں ابن کثیر و ابن محجب وغیرہ شامل ہیں بیت تہذیب سے حاصل کیا اور مہارت پیدا کی،
 ان دونوں فنوں کے علاوہ فقہ و اصول فقہ اور معانی و بیان میں انکو دخل تھا تحصیل کے بعد کئی سال
 جامع بنی امیہ میں درس دیا، پھر مدینہ عادیہ و دار الحیثیت اندلیہ کے شیخ مقرب ہوئے۔

سنہ ۳۷۵ھ میں کچھ ایسی پریشانی پیش آئی کہ انکو شام چھوڑنا پڑا اور وہ بروہہ (ترکی) چلے گئے
 سلطان بایزید خاں کا زمانہ تھا، اس نامور بادشاہ نے انکی قدردانی کی اور بڑے احترام سے انکو کئی سال
 اپنا مہمان رکھا، انھوں نے ترکی میں علم و تربیت و علوم حدیث کی خوب نشر و اشاعت کی، جب تیمور لنگ نے ترکی
 پر حملہ کیا تو بایزید خاں کی شہادت کے بعد وہ تیمور کے ساتھ ہند چلے گئے تیمور کے مرنے پر وہ شیراز منتقل ہو گئے
 اور وہاں بہت سے لوگوں نے ان دونوں فنوں میں ان سے استفادہ کیا، سنہ ۳۷۵ھ میں وہاں سے حج کیلئے روانہ
 ہوئے مگر ڈاکوؤں نے مال اسباب لوٹ لیا اور اس مصیبت میں گرفتار ہوئے کی وجہ سے وقت پر پہنچنا ممکن
 نہ ہوا، اس سال حج فوت ہو گیا اس لئے کچھ شیخ میں پھر یہ منورہ میں قیام کر کے جب سنہ ۳۷۵ھ میں مکہ

پہونچے اور حج کے موسم تک ٹھہر کر حج کیا۔

سنہ ۳۲۰ھ میں دمشق اور دہاں سے قاہرہ بھر بقصد تجارت میں گئے اور شاہ بین کے پاس مدینیں سنائیں، شاہ بین نے انعام و اکرام سے عزت افزائی کی۔ بین سے سنہ ۳۲۰ھ میں حج کیلئے مکہ آئے، اسکے بعد شام و بصرہ ہوتے ہوئے شیراز چلے گئے اور وہیں سنہ ۳۲۰ھ میں انکا انتقال ہوا۔ ان دو حجوں کے علاوہ انھوں نے سنہ ۳۲۰ھ میں بھی حج کیا تھا۔

جزری کی تصنیفات میں حصن حصین نہایت بابرکت اور مقبول کتاب ہے، اذکار و اعمیہ ثورہ میں اس سے زیادہ مستند اور مشہور متداول دوسری کوئی کتاب نہیں۔

فن قراءت میں بھی انکی تصنیفات نہایت مفید اور قرار میں متداول ہیں، ان میں النشر فی القراءات العشر بہت مشہور ہے، قراء کے تذکرہ میں طبقات القراء اور غایات النہایات نہایت نافع و جامع کتابیں ہیں۔

ان کے علاوہ حسب ذیل رسائل کے نام بھی انکی تصنیفات میں ملتے ہیں۔

(۱) الاصول و التعلیم فی مقام ابراہیم (۲) الابانۃ فی العمرة من الجمرات (۳) التکریم فی العسرة من التعلیم (۴) غایۃ السنن فی زیارة منی (۵) فضل حرار۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ جب مکہ میں مقیم تھے تو انھوں نے مقدمہ فتح الباری کا ابتدائی حصہ اپنے قلم سے نقل کیا پھر اپنے شاگردوں کی مدد سے اسکو پورا کیا۔ اسکے بعد شیراز سے تقی فاسی کو انھوں نے لکھا کہ تعلیق التعلیق، حافظ ابن حجر کی ایک تصنیف، کا ایک نسخہ کسی طرح حاصل کر کے بھجوائے اتفاق سے جب انکا خط آیا ہے تو میں مکہ میں موجود تھا تقی فاسی نے اس خط کا مجھ سے تذکرہ کیا تو میرے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ موجود تھا میں نے وہی نسخہ انکو بھیج دیا، نسخہ پہنچ گیا تو انھوں نے مجھ کو خط لکھا جس میں اپنی بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا اسی کے ساتھ اپنی کتاب نشر مجکو بھیج دی، وہ دو جلدوں میں تھی ہر جلد پر اپنے قلم سے اجازت نامہ بھی تحریر فرمایا تھا، حافظ ابن حجر نے جزری کی تصنیفات میں نشر اور طبقات القراء کی تعریف کی ہے اور حصن حصین کو نہایت لکھا ہے کہ اہل بین اسکے گردیدہ ہیں۔ (ضور)

مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس

محمد بن یعقوب بن محمد نام تھا، گاذرون میں (جو شیراز کے نواح میں ہے) پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا، خوشنویسی سیکھ لی، اور لغت کی دو کتابیں نقل کر ڈالیں، پھر شیراز میں رہ کر ادب و لغت اور کچھ حدیث کی تعلیم پائی، اس کے بعد واسطہ جا کر قراآت عشرہ کی تحصیل کی، پھر بغداد گئے، اور چند سال وہاں رہ کر حدیث وغیرہ کی تحصیل میں مصروف رہے،

۷۵۷ھ میں دمشق گئے، اور تقی الدین سبکی وغیرہ سے حدیث سنیں، نیز بعلبک و بیت المقدس وغیرہ میں علانی و قلقشندی اور دوسرے محدثین سے جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے حدیث کا استفادہ کیا۔ دمشق میں دس سال قیام کیا، اور وہاں درس بھی دیا، صلاح الدین صفدی نے اسی زمانہ میں ان سے تعلیم پائی ہے، پھر قاہرہ میں ابن عقیل وغیرہ سے اور مکہ میں یافعی و خلیل مالکی سے استفادہ کیا، انھوں نے شمالی و مشرقی ممالک کی سیاحت کی، شمال میں روم تک اور مشرق میں ہند تک گئے۔ ۷۹۶ھ میں زبید (دین) گئے، الملک الاشرف و شاہ مین نے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور حد سے زیادہ انکا اکرام کیا، اس نے ہزار دینار ان کی ذات پر صرف کئے، اس کے علاوہ حاکم عدن نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے زبید میں ان کے قیام کے لئے ساز و سامان مہیا کیا، وہ مطمئن ہو کر الملک الاشرف کی سرپرستی و سایہ عاطفت میں علم کی اشاعت میں لگ گئے۔

ایک سال چند ماہ کے بعد اشرف نے انکو پورے مین کا قاضی مقرر کر دیا، اب ہر طرف سے طلبہ آکر ان سے استفادہ ہونے لگے، بادشاہ نے بھی ان کی مجلس میں سماع حدیث کا شرف حاصل کیا، وہ بیس برس سے زائد مین کے قاضی رہے، انھوں نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح بھی اشرف سے کر دیا تھا، اشرف نے اپنے انعامات سے انکو الامال کر دیا تھا، ایک دفعہ اپنی ایک تصنیف جو اشرف کے نام سے معنون تھی ایک طبق میں رکھ کر پیش کی تو اشرف نے اس طبق کو روپوں سے بھر دیا،

قیام زبید کے زمانہ میں وہ بہت سی دفعہ مکہ حاضہ ہوئے، اور مکہ و مدینہ و طائف میں قیام بھی کیا، وہ اپنے کو مکہ کی طرف منسوب کرنے میں بہت لذت محسوس کرتے تھے، اپنے کو الملتقی الی حرم اللہ تعالیٰ۔ فد کے حرم کا پنہاں گزیر، لکھا کرتے تھے، اس باب میں رضی صنعانی حنفی کی نقل اور تصدیق کرتے تھے،

تقی کرمانی لکھتے ہیں کہ وہ صنعانی کی کتابوں کے بڑے گرویدہ تھے، اور ان کے نقش قدم پر چل کر ہر بات میں حتیٰ کہ مجاہد کے باب میں بھی وہ انکی پیروی کی کوشش کرتے تھے قیام زبید سے پہلے بھی کم از کم پانچ بار مکہ آئے، اور ایک بار دس برس تک محبہ در رہے،

جس ملک میں وہ پہونچے وہاں کے فرماں روا نے انکی خاطر خواہ پذیرائی کی اور اکرام و تعظیم سے پیش آیا، مثلاً تبریز کے بادشاہ منصور نے ہمدان کے حاکم شرف نے، روم، اٹرکی کے سلطان بایزید خاں نے، بغداد کے حاکم احمد بن ادیس نے، حتیٰ کہ تیمور لنگ نے، کما حقہ انکی قدردانی کی،

تقی کرمانی نے لکھا ہے کہ وہ دہلی میں بہت دنوں رہے ہیں، اور وہاں کے بادشاہ نے بھی انکا خاطر خواہ اعزاز کیا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے بیشمار نفیس و بیش قیمت کتابیں اکٹھا کر لی تھیں، وہ خود بیان کرتے تھے کہ میں نے پچاس ہزار شقائق سونے کی کتابیں خریدی ہیں، جب وہ سفر میں چلتے تھے تو کتابوں کے کئی گٹھر ساتھ ہوتے تھے، ہر منزل میں ان کا مطالعہ اور کتب کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے،

انکی تصنیفات کی فہرست بہت طویل ہے، جن میں سب زیادہ مشہور و مستداول لغت میں درج ہے، جس سے اہل علم اس وقت سے اب تک برابر نفع اٹھا رہے ہیں، اور از انجند بخاری کے حصہ مصنفات کی شرح میں جلدوں میں ہے، انکی ایک مطبوعہ مفید کتاب سفر السعاده بھی ہے، جسکی شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح لکھی ہے، لغت میں ایک دوسری کتاب سو جلدوں میں لکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر صرف پانچ جلد ہی پوری ہو سکیں، اس کا نام الا مع المعلم العجائب ہے، حرمین شریفین سے متعلق جو کچھ ہیں اور رسالے انھوں نے لکھے ہیں انکے نام یہ ہیں المنی فی فضل منی، المغاثر المطاہ فی معالم طایہ، معجم الغرام

الى البلد الحرام، اثارۃ الحجۃ لزيارة الحجۃ

محدث و مورث مکہ حافظ تقي الدين فاسي اور مفتاح ابن حجر حبيبہ اجلہ علماء، مجدد الدين کے شاگرد
ہیں، ان دونوں حضرات نے، ان کے فضل و کمال اور علم لغت میں انکی امامت اور فوق العادت
تجربہ و استحضار کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ فن حدیث میں مذہبی و عاقلانہ کی طرح ان کو
بہت زیادہ مہارت نہیں تھی، نیز مشائخ اہل علم کے نزدیک انکی یہ بات ناپسندیدہ اور قابل اعتراض
تھی کہ وہ اپنے کو صدیقی اور ابواسحق شیرازی کی اولاد سے بتاتے تھے، حالانکہ شیخ ابواسحق شیرازی
لا ولد فوت ہوئے تھے،

فاسي نے لکھا ہے کہ وہ پہلی دفعہ سنہ ۸۷۵ھ میں مکہ آئے تھے، پھر سنہ ۸۷۵ھ میں آئے تو پانچ
چھ سال تک براہرو ہیں رہے، طائف میں ان کا ایک باغ بھی تھا، انھوں نے مکہ میں ایک مکان
تعمیر کرا کے اسکو شاہ مین کا مدرسہ قرار دیا تھا اور اس میں مدرسین و طلبہ رکھے تھے، یہ مکان صفار
تھا، اسی طرح کا ایک مکان مدینہ میں بھی تھا، منی وغیرہ میں بھی ان کے مکانات تھے،
مقریزی نے لکھا ہے کہ صاحب قاموس سے آخری دفعہ میری ملاقات سنہ ۸۷۵ھ میں ہوئی
صاحب قاموس کو حرمین سے جو محبت تھی اور حج و زیارت سے ان کو جو شغف تھا، اس کا
صحیح اندازہ اس درخواست سے ہوتا ہے جو انھوں نے سنہ ۸۷۵ھ میں، ملک اشرف شاہ مین کے پاس
حج کی اجازت طلب کرنے کے لئے بھیجی تھی، وہ ہمارے آپ کے پڑھنے کے قابل ہے، میں اصل درخواست
کے بجائے اس کا مختصر ترجمہ پیش کرتا ہوں، صاحب قاموس القاب و آداب کے بعد رقم طراز ہیں کہ

بندگان عالی سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ حقیاب بہت سن رسیدہ ضعیف

و کمزور اور لاغر ہو چکا ہے، اس کے جسم میں اب ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں ہے،

اسکی مثل اس بوسیدہ عمارت کی سی ہے جو اب گرمی تب گرمی، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد سے سمع ہما یونی بار بار آشنا ہوئے ہوں گے

کہ جب آدمی کی عمر ساٹھ سال ہو جائے تو حق تعالیٰ اسکو معذور قرار دیتا ہے

پھر چوتھر سال سے اوپر اور اسی کے قریب ہو وہ توجہاً اولیٰ اس نوازش کا مستحق
 علاوہ مجریں یہ بڑی نازیبا بات ہے کہ ایک مرد مومن کو چار سال ہو جائیں
 اور رب العالمین کے گھر اور سید المرسلین کے مزار انور کی زیارت کا تازہ شوق
 وغیرہ پیدا نہ ہو، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور یہ حقیر تیرہ سال سے اس رنگہز
 کی جادہ پیمائی سے محروم ہے، اضطراب شوق اب حد سے فزوں اور صبر اختیار
 سے باہر ہے، میری انتہائی آرزو ہے کہ تجدید زیارت اور اس آستانہ پر جبرہ ساقی
 کا شرف ایک بار اور نصیب ہو، اس نے مرام خسروانہ سے متوقع ہوں کہ موسم
 گرم ہونے سے پہلے تنہا اس حقیر کو (اہل دعیال کی معیت میں نہیں) سفر کی
 اجازت کے ساتھ سامان سفر کا اشارہ عالی بھی فرمایا جاوے، اس وقت موسم
 بھی خوشگوار ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ایک ماہ ہر دو مقامات مقدسہ
 میں قیام کر کے وہاں کے فیوض و برکات حاصل کئے جائیں۔

زمانہ قدیم سے خلفائے کرام کا یہ دستور بھی رہا ہے کہ سرکار کائنات صلی اللہ
 علیہ وسلم کے حضور میں اپنا سلام پیش کرنے کے لئے مخصوص طور پر فرستادہ بھیجتے
 تھے، جو بالقصہ صرف اسی کام کے لئے بھیجے جاتے تھے، میری درخواست ہے کہ
 حضور اس حقیر کو اسی مقصد سے روانگی کا حکم دیدیں، میری کوئی دوسری تمنا
 نہیں ہے۔

مشوقی الی الکعبۃ الغراء قد زادا فاستقبل القلص الوخادۃ الزادا
 واستأذن الملک المنعم زید علا واستودع اللہ اصحابا واولادا
 اس میں پہلا شعر صفائی حنفی کا ہے اور دوسرا خود صاحب قوس کا ہے،
 شاہ بین کو غالباً یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر وہ حجاز چلے گئے تو پھر واپس آنے کے
 شاہ کا یہ خیال صحیح بھی تھا اس لئے کہ وہ کہ ہی میں وفات پانے کے امید دار بھی

رہا کرتے تھے۔ اس نے اس نے علوم و محبت و عقیدت میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں
یہ جواب دیا کہ میری زبان اور قلم سے یہ لفظ نہیں نکل سکتا کہ آپ میں سے جاسکتے
ہیں اس نے کہ میں بالکل تاریک تھا، آپ کے وجود سے وہ منور ہو گیا، آپ خود
جانتے ہیں کہ یہاں علم مردہ ہو چکا تھا، آپ کی بدولت اللہ نے اس کو حیات تازہ
بخشی، اس نے میں تو آپ کو خدا کی قسم دیکر یہی درخواست کروں گا کہ آپ اپنی
باقی زندگی بھی ہم کو ہی سہہ فرمادیجئے، اے مجدد الدین میں خدا کی سچی قسم کھا کر
کہتا ہوں کہ مجھے دنیا اور اسکی ساری نعمتوں کی جدائی گوارا ہے مگر میں اور اہل
یمن آپکی جدائی گوارا نہیں،

صاحب قاموس کی وفات زبیدہ میں جبکہ انکی عمر نوے سال کے قریب تھی ۱۱۸۵
میں ہوئی،

خواجہ پارسا قدس سرہ

نام نامی محمد بن محمد بن محمود تھا، حافظ الدین کبیر بخاری کی نسل سے تھے اس نے فاضل
بخاری کہے جلتے تھے، ۱۱۸۵ء میں ولادت ہوئی، معقول و منقول میں یگانہ روزگار تھے، فقہ و
حدیث کی تحصیل امام ابو طاهر محمد بن محمد طاہری کی خدمت میں کی، خواجہ صاحب صحیح بخاری کی زوا
انھیں ابو طاهر طاہری اور ان کے والد ابو المعالی سے کرتے تھے، (ضوء)
آپ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے عزیز ترین خلیفہ تھے، خواجہ صاحب نے فرمایا تھا
کہ جو امانت ہم کو اس خاندان خواجگان سے پہونچی ہے اور ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ سب تم کو پہون
کرتے ہیں

خواجہ پارسا کی عظمت و بزرگی کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک
بار حضرت خواجہ بزرگ کے یہاں کوئی مکان تعمیر ہو رہا تھا، اور خواجہ صاحب کے تمام اصحاب مریدین
جو موجود تھے، گارے مٹی کے کام میں لگے ہوئے تھے، خواجہ پارسا جہاں گارا ہوتا تھا وہاں گارا بناتے

یا اٹھاتے تھے۔ جب دہر ہوئی تو خواجہ بزرگ نے سب کہا کہ اب آرام کرو۔ سب لوگ بہت چپ دھو کر سایہ میں جا کر سو رہے تھے، جاگ رہا تھا وہیں دھوپ میں گارے پر پیہ پھیل کر سورت، اس کے بعد خواجہ بزرگ برآمد ہوئے اور تمام لوگوں کی طرف سے گزرتے ہوئے جب خواجہ پارسا کے پاس پہونچے اور ان کو اس کیفیت سے سوتے ہوئے دیکھا تو اپنے پیاروں کے مبارک ان کے پیروں پر ملا اور کہا کہ اے اللہ! ان پیروں کے صدقہ میں بہاء الدین پر رحمت کر (رشحات)

اسی کتاب میں اسی طرح کا دوسرا واقعہ یوں مذکور ہے کہ ایک دن خواجہ پارسا ایک حوض میں پاؤں لٹکا کر مراقبہ میں مشغول تھے کہ حضرت خواجہ بزرگ تشریف لائے اور فوراً تہہ باندھ کر حوض میں اترے اور خواجہ پارسا کے تلووں پر اپنا منہ رکھ کر کہا کہ اے خدا! ان پاؤں کی برکت سے بہاء الدین پر رحمت کر (رشحات)

خواجہ پارسا کا ذکر کفوی نے فقہائے حنفیہ میں، اور سخاوی نے الفوائد الملاح میں کیا ہے اور لکھتا ہے کہ امین اقصائی نے ان سے صحیح مسلم کا کچھ حصہ پڑھا تھا، اور صحیح بخاری کی اجازت ان سے حاصل کی تھی، اور امین اقصائی انکی بہت تعریف کرتے تھے۔

باطنی مقامات عالیہ کے ساتھ علم کتاب و سنت اور معقول میں بھی خواجہ پارسا کا پایہ بہت بلند تھا، جیسا کہ خواجہ صاحب کی تصنیفات، فصول ستہ، فصل الخطاب اور مخزن العارفین وغیرہ اس دعویٰ کا بین ثبوت ہیں۔

عارف جامی اور واعظ کا شفی نے لکھا ہے کہ آپ نے دو حج کئے ہیں، پہلی دفعہ حضرت خواجہ بزرگ شیخ بہاء الدین نقشبند کی معیت میں گئے تھے، دوسری دفعہ ۸۸۳ھ میں بخارا سے نکلے اور کے راستہ سے مغایا، ترمذ، بلخ اور ہرات میں بزرگوں کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے گئے، جس جس شہر سے آپ کا گزربو وہاں کے سادات شایخ اور علما نے آپ کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھ کر نہایت ۱۰۶۰ از و تکریم سے آپ کو ہاتھوں ہاتھ دیا،

عارف جامی فرماتے ہیں کہ اس سفر میں ولایت جامی کے وطن سے بھی آپ کا گزربو

ہوا۔ اس وقت میری عمر کے پانچ سال پورے نہ ہوئے تھے۔ والد نے کسی سے کہا کہ اس کو کندھے پر
خواجہ پارسا کی سواری کے سارنے لیو، خواجہ نے نگاہ ڈالی اور ایک سیر کر مانی مہر ی عنایت فرمائی
اس کو آج باسٹھ سال ہو گئے۔ جب تک وہ نورانی چہرہ آنکھوں میں اور دیدار مبارک کی لذت دہ
میں موجود ہے،

۱۱/ جمادی الاولیٰ کو نیش پور سے حجاز کا رخ کیا اور خیر و عافیت سے مکہ معظمہ پہنچ کر تمام ارکان
حج غیر خوبی سے بجالائے۔ اس کے بعد مزاج مبارک، سارا ہو گیا تاکہ طواف دواع عاری میں میٹھ کر ناپا طواف
کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے، چار شنبہ ۲۳ رذی الحجہ ۱۰۸۸ کو مدینہ پہنچ کر وضو مبارک کی زیارت
کی اور پنج شنبہ ۲۴ رذی الحجہ کو آپ کا دس سال ہو گیا،

اسی سفر میں ۱۲ رذی الحجہ کو مقام منیٰ میں آپ نے امین القضاہ کو بھیج بخاری کی اجازت
عطا فرمائی تھی۔ اسی سال علامہ شمس الدین قناری، ترکی عالم، نے بھی حج کیا تھا، اور خواجہ کی وفات
کے وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، انھیں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں اہل قافلہ
کے سوا اہل مدینہ بھی شریک تھے (ضوء، نفحات، رشحات، فوائد، ہبسیہ)
اس سفر میں آپ کے صاحبزادہ خواجہ ابو نصر پارسا بھی ہم کاب تھے، آپ کی وفات ۱۰۸۸
میں ہوئی،

شمس الدین محمد بن حمزہ قناری

آپ سرزمینِ ترکی کے مایہ ناز عالم تھے، آپ کو امام کبیر اور علامہ نحریر لکھا جاتا ہے، آٹھویں صدی
کے آخر میں جو علماء اپنے اپنے فن میں بیکتا سمجھے جاتے تھے ان میں ایک وہ بھی تھے، ابن الملقن فقد
وحدیث میں کثرت تصنیفات کے لحاظ سے صاحب قیوس فن لغت میں، زین الدین مدنی حدیث
میں، اور شمس الدین قناری تمام علوم نقلیہ و عقلیہ کی واقفیت میں۔ ہر دسار کی کے قاضی تھے،
اور سلطان بایزید خاں کے دربار میں انکی بڑی قدر و منزلت تھی، قاضی شوکانی ابدال طاع میں
قناری کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ دینداری میں ایسے عظمیٰ، اور فیصلوں میں ایسے

منصف وغیرہ جاندار تھے کہ ایک مقدمہ میں انھوں نے سلطان روم کی گواہی اس لئے رد کر دی کہ وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتا تھا۔

فخاری کی تصنیفات میں فصول البدائع کی بھی شوکانی نے بہت تعریف کی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ علم اصول فقہ کی جلیل القدر کتابوں میں سب سے اور بڑی، فصیح اور کثیر الفوائد ہے، فخاری نے پہلی دفعہ سلسلہ میں حج کیا تھا، اور اس سفر میں خواجہ پارسا کی وفات کی وقت وہ مدینہ منورہ میں تھے، اور انھیں نے انکی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

دوسری بار وہ سلسلہ میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے، شوکانی نے لکھا ہے کہ انکی بیانی کمرہ ہو گئی تھی، جب اس مرض سے اللہ نے انکو شفا دی، تو شکرانہ میں یہ دوسرا حج کیا، بیانی کمرہ دریا غائب ہو جانے کا سبب کفوی نے یہ بیان کیا ہے، کہ انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ علماء کا جسم دفن کے بعد بدستور زیر زمین باقی رہتا ہے، اپنے استاد علامہ الدین آؤ کی قبر کھود کر دیکھا تو ان کو جیسا قبر میں رکھا گیا تھا ویسا ہی موجود پایا، حالانکہ ان کی وفات کو ایک مدت دراز ہو چکی تھی، اس کے بعد ایک غیبی صدارانہ کانوں میں آئی کہ اب تو تم نے تصدیق حاصل کر لی، اللہ تمہیں اندھا کر دے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

دوسرے حج میں انھوں نے انطاکیہ اور دمشق کے راستے سے سفر کیا تھا، جب قاہرہ پہنچے تو وہاں کے فضلاء وقت ان سے ملے، مذاکرے اور مباحثے بھی کئے، پھر ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا،

فخاری کی وفات سلسلہ میں ہوئی، سیوطی نے ان کا ذکر بغیۃ الوعاة میں اور کفوی نے طبقات حنفیہ میں کیا ہے،

شیخ کمال الدین ابن الہمام صاحب فتح القدير

محمد بن عبد الواحد نام تھا، اسکندریہ میں پیدا ہوئے، قاہرہ میں تعلیم پائی، اس وقت قاہرہ میں جو جس فن کا سب سے زیادہ ماہر سمجھا جاتا تھا، اس سے اس فن کو حاصل کیا۔ حدیث کی تحصیل جال حنبلی، شمس شامی، شمس حمیری، شہاب واسطی اور حافظ ابن حجر سے کی، ہدایہ کامل سراج قاری الہدایہ سے دو برس میں خوب تحقیق کے ساتھ اس طرح پڑھا کہ خود سراج فرماتے تھے۔ ابن ہمام نے حجر سے جتنا استفادہ نہیں کیا اس سے زیادہ مجھ کو فائدہ پہونچایا،

اصول فقہ میں شرح منار محب بن الشحنے کے پاس قاہرہ میں پڑھنا شروع کی جب وہ حلب جانے لگے تو یہ بھی ان کے ساتھ چلے گئے، تحصیل سے فارغ ہو کر درس و افادہ میں مشغول ہوئے اور تھوڑے دنوں میں ان کے فضل و کمال کی شہرت کا اشارہ چکنے لگا۔ برہان انباسی ان کے رفیق درس تھے، کسی نے دراندازی کر کے چاہا کہ ان میں اور ابن ہمام میں بگاڑ ہو جائے تو انباسی نے کہا کہ اگر دین کی حجتوں کی تحقیق و تفتیش شروع ہو تو ہمارے شہر میں ابن ہمام کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو بیان کرنے کا حق ادا کر سکے،

بساطی اکابر علمائے وقت میں تھے اور وہ ابن الہمام کے استاد بھی تھے جب ان سے اور علاء بخاری سے ابن الفارض کے باب میں مناظرہ کی بات چیت ہونے لگی تو کسی نے کہا حکم کون ہوگا بساطی نے کہا ابن الہمام اس قابل ہیں کہ علماء کے درمیان حکم بن سکیں، ایک دفعہ بساطی سے دریافت کیا گیا کہ آپ سے کس نے کس نے پڑھا ہے تو انھوں نے قایاتی اور ونائی جیسے اکابر کے نام لینے کے بعد کہا کہ اور ابن ہمام اور وہ تو ان لوگوں کے شیخ و استاد ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ابن الہمام علمی کمالات کے ساتھ خوبصورتی، پاکدامنی، خوش آوازی، فصاحت و

بلاغت، نہایت ادب کے ساتھ بحث و مباحثہ، ریاضت اور کرم و بلند حوصلگی میں
بھی ضرب المثل تھے،

پہلی دفعہ جب وہ قہ منصور یہ میں فقہ کا درس دینے کے لئے بیٹھے تو اس موقع پر
اکابر علماء کا اجتماع ہوا، ان کے اساتذہ میں ابن حجر، بایں طائری المدایہ اور بڑا قہر
بھی اس مجمع میں تھے، جب درس کا وقت آیا تو حاضرین کے سخت اصرار کے باوجود وہ
اپنے اساتذہ کا احترام کرتے ہوئے صدر مجلس میں نہیں بیٹھے، بلکہ جہاں پڑھنے والا
بیٹھا ہے وہاں بیٹھے اور قرآن پاک کی آیت یٰٰٓؤنّٰی الْحِکْمَةُ مِنْ یَّشَاءُ پر جو تقریریں
تو علمی مہارت اور وسعت معلومات کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ تمام لوگ ان کا لوہا مان
گئے، ابن حجر کی عادت تھی کہ کسی کی تقریر طولانی ہو جاتی تو مقرر کی تعریف شروع کر دیتے
تاکہ وہ بند کر دے، اس موقع پر بھی انھوں نے مدرس ابن امام کے علم اور مختلف
فنون میں ان کی مہارت کو سراہنا شروع کیا تو بڑھانے کہا ان کی تقریر جاری رہنے
دیجئے، وہ ایسا بول رہے ہیں جس کی نظیر نہیں مل سکتی،

جب وہ شیخونہ کے شیخ نامزد ہوئے تو اس وقت بھی اپنے فرائض نہایت دیا
وامانت سے انجام دیئے، اس کے اوقات کو آباد کیا، اسکی آمدنی بڑھائی اور کسی
بڑے سے بڑے کے ساتھ کوئی رؤر عایت نہیں کی،

سنادی شافعی نے لکھا ہے کان ائمۃ اعلامۃ باصول الدیانۃ والتفسیر
والفقہ واصولہ والفرائض والحساب والتصوف والنحو والصرف و
المعانی والبیان والبدیع والمنطق والجدل والادب والموسیقی وجل علم
النقل والعقل یعنی وہ امام تھے اور اصول مذاہب، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، فرائض
حساب، تصوف، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، مناظرہ، ادب، موسیقی اور
اکثر عقلی و نقلی علوم کے علامہ تھے۔ بلکہ لکھا ہے کہ عالم اہل المرض و محقق اولی الصو

یعنی وہ سب زمین کے واحد عالم اور اہل زمانہ میں یکتا محقق تھے،

ہر چہار مذاہب کے جن جن علماء نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی کیا وہ سب ان کی زندگی ہی میں رئیس العلماء ہو گئے تھے، مثلاً حنفیہ میں تقی شمس اور قاسم شافعیہ میں ابن خضر و مناوی، مالکیہ میں عبادہ و قرانی اور حنبلیہ میں جمال بن صہام اس علی جلالت کے ساتھ وہ بہت منصف مزاج، خوش اخلاق، خرافات پسند، بلند ہمت، بے کینہ، علماء کا احترام ملحوظ رکھنے والے، صاحبین کے معتقد اور اہل دولت سے دور رہنے والے تھے،

سلطان الظاہ حقیق ان کا بڑا معتقد تھا مگر وہ ان کے پاس بھی نہیں جاتے تھے، سلطان یا اس کے وزراء و امراء کو ضرورت ہوتی تھی تو تحریر بھیج کر وہ لوگ دریافت کیا کرتے تھے۔ بلکہ جب ابن الہمام حج کے لئے جانے لگے ہیں تو سلطان نے خود آکر ملاقات کی، انہوں نے بار بار حج کیا اور مدتوں مجاور بھی رہے ہیں، جب انہوں نے چاہ زمزم کے پاس پانی پیا ہے تو اس وقت دین پرست قدم رہنے اور ایمان قائم پر مرنے کی دعا کی ہے، جیسا کہ انہوں نے خود فتح القدیر میں لکھا ہے، اور مکہ و مدینہ میں بھی انہوں نے علم کی نشر و اشاعت کی ہے

ابن الہمام نے اد کاوی اور خوانی کی صحبت میں سلوک کی منزلیں طے کی ہیں خوانی کے ساتھ بیت المقدس تک سفر بھی کیا ہے، خوانی نے ان کے حق میں عالمی کی تھی کہ حق تعالیٰ ان کو عالم باعمل اور بندہ صالح بنائے، السلامہ میں انکی وفات ہوئی (منہ لا مع)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی

آپ کا نام احمد بن علی ہے، سسٹھ میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا، نو برس کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ اس کے بعد عربیت، فقہ، حساب اور لغت وغیرہ کی تحصیل ان فنوں کے ماہر ملّا کی، اور کمال پیدا کیا، لیکن حدیث کا فن ان کو بہت محبوب تھا، اس لئے سسٹھ سے بالکل اس کے ہو رہے، اور حافظ ذہین الدین عراقی کے دامن سے وابستہ ہو گئے،

ان سے کامل طور پر استفادہ کرنے کے بعد، شام و حجاز کا سفر کیا اور بکثرت محدثین سے کتب احادیث کی سماعت کی، یقینی وابن الملّٰق فقہ میں، عراقی و بیہقی حدیث میں مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس لغت میں ان کے استاد تھے۔ فراغ کے بعد درس و افتاء اور تصنیف کے مشاغل میں منہمک ہو گئے،

ان کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے، انکی تصنیفات کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، خصوصاً بخاری شریف کی شرح فتح الباری تو اس قدر مقبول ہوئی کہ مختلف بلاد کے بادشاہوں نے بھی اسکی خواستگاری کی، اور اس کا ایک نسخہ تقریباً تین سو دینار میں فروخت ہوا،

حافظ ابن حجر بھی اپنی اس خدمت کو حق تعالیٰ کا بہت بڑا احسان سمجھتے تھے اس لئے جب اس سے فارغ ہوئے تو خوشی میں ایک شاندار دعوت کی، جس میں پانچ سو دینار صرف ہوئے تھے، اور شاؤ وناور ہی کوئی عالم یا رئیس ہو گا جو اس دعوت میں شریک نہ ہوا ہو،

حافظ کی تصنیفات کی قدر دانی صرف ان کے شاگردوں ہی نے نہیں کی بلکہ ان کے اساتذہ اور معاصرین نے بھی بہت شوق سے ان کو حاصل کیا،

ابتداء میں عمدہ قضا سے گریز کرتے رہے مگر سترہ میں بقول سنی دمی بادل ناخو
اس عمدہ کو قبول کیا اور تقریباً ۳۱ برس اس عمدہ پر شکن رہے۔ لیکن اسکی وجہ سے انکو
بہت پریشانی اور اذیتیں برداشت کرنا پڑیں۔ اس لئے بعد میں انکو سخت نفرت
ہو گئی تھی،

حافظ نے متعدد مدارس میں تفسیر کا اسی طرح کئی مدرسوں میں حدیث کا، اور کئی
ایک میں فقہ کا درس دیا، اسی کے ساتھ دارالعدل میں افتاء کی خدمت اور جامع ازہر پھر
جامع عمرو بن العاص میں خطابت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔
ان کے لئے ایک ہزار بار سے زائد اطوار کی مجلسیں منعقد ہوئیں، جن میں اپنی یاد
سے انھوں نے علوم و معارف کے دریا بہائے۔ اکابر علماء ان کی خدمت میں حاضری پر فخر
کرتے تھے، لوگوں نے اس کثرت سے ان سے استفادہ کیا کہ ان کے زمانہ میں ہر مذہب کے
بڑے بڑے عالم ان کے شاگرد تھے،

ان کے مشائخ اور معاصرین فن حدیث میں ان کے کمال و رموخ کے بہت مداح
تھے، شاعری میں بھی انکو کمال حاصل تھا، ذی الحجہ ۸۵۷ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کے
جنازہ میں اتنا بڑا مجمع تھا کہ بڑے بوڑھوں نے ایسا مجمع کسی جنازہ میں نہیں دیکھا تھا۔
ناز جنازہ میں خلیفہ وقت اور بادشاہ عصر دونوں شریک تھے، اور خلیفہ نے نماز جنازہ
پڑھائی تھی، امراء و اکابر نے ان کے جنازہ کو کاٹھا دیا، اور وہ لوگ قبرستان تک
پیدل چل کر گئے جو اسکی آدمی مسافت بھی کبھی پیدل نہ چلے ہو گئے، (الضوء اللامع)
حافظ ابن حجر ایک بار تو کم عمری میں اپنے مربی کے ساتھ مکہ گئے تھے، اور وہاں انھوں
نے شافعی مسلک کے مطابق نماز تراویح بھی پڑھائی تھی، اور کتابی تعلیم بھی وہیں شروع
کی تھی، پھر جب حدیث کا شوق ان کو ہوا تو اس علم کی تحصیل کے ابتدائی زمانہ میں انھوں
نے حج کیا، اور آب زمزم پینے کے وقت یہ دعا کی کہ علم حدیث میں ان کو امام ذہبی کا مرتبہ

جمل ہو جائے، تقریباً بیس برس کے بعد پھر حج کی سعادت انکو حاصل ہوئی تو خود فرماتے ہیں کہ اس وقت اس فن میں میری واقفیت ذہبی سے کچھ زائد ہی محسوس ہوتی تھی، اسلئے میں نے اس دفعہ اس سے اور اونچا مرتبہ حاصل ہونے کی نیت سے آب زمزم پیا، اس واقعہ کو ابن السہام نے فتح القدر میں خود حافظ کی زبان سے نقل کر دیا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ حافظ کو اس فن میں ایسا کہاں حاصل تھا کہ آج بھی انکو حافظ الدنیا اور خاتمہ الحفاظ کہا جاتا ہے، اور اس فن کی جو خدمت انہوں نے انجام دی ہے، ان کے بعد ایسی محسوس خدمت کم کسی نے انجام دی ہوگی، ان کی فنی خدمتوں کا صحیح اندازہ اس وقت ہوگا، جب کبھی کسی ادارہ کو خدا توفیق دیگا اور انکی بیش بہا تالیفات اتحاف المرء بالاطراف المتبرکۃ، اور المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیۃ اور النکت الطراف علی الاطراف اور تبصیر النکتہ تحریر المشتبہ وغیرہ منظر عام پر آئیں گی۔

۱۔ اس کتاب میں حافظ نے، ادارمی، ابن خزیمہ، درج عبادات، ابن الجارود والوحوانہ لابن حاکم، موطاء، شافعی، مسند احمد، شرح معانی الآثار اور دارقطنی کی حدیثوں کی نشاندہی کی ہے، اور ان کے اطراف جمع کئے ہیں، میں نے اس کی تین جلدیں حیدرآباد میں دیکھی ہیں۔ ۲۔ اس کتاب میں صحاح ستہ کی حدیثوں کے سوا جو حدیثیں مسند طحاوی، مسند مسدود، مسند حمیدی، مسند العدنی، مسند ابن ابی شیبہ، مسند احمد بن منیع، مسند عبد بن حمید، مسند عارث بن اسامہ، نصف مسند ابن راہویہ اور کچھ مسند ابی یعلیٰ کی حدیثیں حافظ نے یکجا کر دی ہیں۔ اس کا ناقص نسخہ بھی حیدرآباد میں امیں نے دیکھا ہے۔ اب اس کے مکمل نسخہ کا فوٹو میرے پاس موجود ہے اور میں نے اس کے محذوف الاسانید نسخہ کو ایڈٹ کرنا بھی شروع کر دیا ہے، ایک جلد مکمل ہو گئی ہے۔

۳۔ یہ کتاب اطراف مزنی کے ساتھ بیرونہ می میں چھپنا شروع ہو گئی ہے۔
۴۔ مصر میں طبع ہو گئی ہے

امام بدر الدین عینی شاح بخاری

محمود بن احمد نام تھا، اصلاً حلب کے باشندہ تھے، قاہرہ میں قیام تھا، ۳۳۵ھ میں پیدا ہوئے، اوائل عمر میں، خود اپنے مولد فنتاب اور حلب میں علومِ آلیہ کی تحصیل کی، اور ان میں کمال پیدا کیا،

سنا دی نے لکھا ہے: برع فی هذه العلوم، ۳۳۵ھ میں ان کے والد کا انتقال ہوا اس کے بعد انھوں نے حج کیا، اور دمشق آئے، بہیت المقدس کی زیارت کی، اور علامہ میری فقیہ منفی کی خدمت میں فقہ کی تحصیل میں لگ گئے، انھیں کے ساتھ پھر قاہرہ آئے، اور برابر ان سے استفادہ کرتے رہے، قاہرہ میں بلقینی، زین الدین عراقی، اور صیغی وغیرہم سے فنِ حدیث حاصل کیا، اور کتبِ احادیث کی سماعت کی،

سنا دی نے لکھا ہے کہ وہ امام و علامہ تھے، تاریخ و لغت کے حافظ تھے، مطالعہ سے تھکتے نہ تھے، انھوں نے اس کثرت سے کتابیں تصنیف کی ہیں کہ اپنے شیخ ابن حجر کے بعد ان زیادہ کثیر تصنیف عالم میرے علم میں نہیں ہے، وہ بہت تیز اور اچھلکتے تھے، رات بھر میں پوری قدوری لکھ ڈالی تھی، مقریزی کا بیان ہے کہ اسی طرح حادی بھی ایک رات میں انھوں نے لکھ لی تھی،

انھوں نے حدیث کا درس دیا، افتاء کی خدمت انجام دی، اور ہر مذہب کے ائمہ نے کئی طبقہ تک ان سے استفادہ کیا، حتیٰ کہ حافظ ابن حجر نے بھی ان سے سُن کر چند فوائدِ قلوبند کئے، بلکہ ان سے تین حدیثوں کی سماعت بھی کی،

ناچیز کہتا ہے کہ یہ حافظ ابن حجر کی انصاف پسندی کی دلیل ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ عینی بھی رجالِ طحاوی لکھنے کے وقت حافظ ابن حجر سے بعض رجال کی نسبت استفسار کیا کرتے تھے، حافظ ابن حجر نے اپنے لڑکے محمد کے لئے بھی عینی سے اجازت حاصل کی تھی، سنا دی کہتے ہیں کہ عینی بہت متواضع اور منسار تھے، ان کا نام بہت مشہور اور ان کی

شہرت دور دور تھی۔

یعنی نے جامع ازہر کے قریب اپنے گھر سے متصل ایک مدرسہ بھی بنوایا تھا۔ اسی میں نماز جمعہ بھی پڑھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ جامع ازہر میں نماز پڑھنے کو صاف صاف کر دہ کہتے تھے، کیونکہ اس کا واقف رافضی اور صحابہ کو برا کہتا تھا۔

وہ سیکونت قاضی، محتسب اور ناظر اجلاس تینوں تھے، ان سے پہلے ایک ساتھ تینوں عہدے سخا دی کے خیال میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوئے۔

مدرسہ مؤیدیہ میں حدیث کا درس دیتے تھے، کئی بادشاہوں نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی، المؤید نے ان کو اپنا سفیر بنا کر بلا دروم (ٹرکی) بھیجا، پھر جب انطاہلر بادشاہ ہوا تو اس نے اور زیادہ ان کا اکرام کیا۔ اس کے بعد الاشراف ہسباے تو ان کا اتنا گرویدہ ہوا کہ ان سے ان کی تاریخ پڑھوا کر ٹرکی زبان میں اس کا ترجمہ سنا کرتا تھا،

یعنی کو دونوں زبانوں میں مہارت تامہ تھی۔ اس کے علاوہ عینی اسکو امور دین کی تعلیم بھی دیتے تھے، جس سے اشراف کی بہت کچھ اصلاح ہوئی، وہ کہا کرتا تھا کہ عینی نہ ہوتے تو ہمارے اسلام میں خامی رہ جاتی،

عینی کی تصنیفات میں عمدۃ القاری شرح بخاری، حافظ ابن حجر کی شرح طحطاوی میں مقبول و مستداول ہے، اور ہر چند کہ خوردہ گیر مصنفین یہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ عینی نے بہت سے مطالب فتح الباری سے لئے ہیں مگر اس سے عینی کے فضل و کمال اور ان کی وسعت معلومات پر پر وہ ڈالنا ممکن نہیں ہے۔

عینی کا یہی ایک علمی کارنامہ نہیں ہے، اس کے علاوہ بنایہ، شرح ہدایہ، اور شرح معانی الآثار کی دو شرحیں مبانی الاخبار، اور منتخب الافکار وغیرہ بھی ان کے علمی شاہکار ہیں، خوردہ گیروں کو بتانا چاہئے کہ ان کی یہ تصنیفات کئی کتابوں کا چرہ ہیں، بنایہ تو ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے، اور معانی الآثار کی دونوں شرحیں اگرچہ اب تک چھپی

نہیں ہیں مگر ہندوستان میں ان دونوں کے ناقص قلمی نسخے موجود ہیں، ان کو پڑھئے تو آپ کو عینی کی علی عظمت کا اندازہ ہوگا، امام عینی نے ایک حج توشیحہ سے پہلے کیا ہے، دوسرا حج انھوں نے ۹۹۰ھ میں کیا، ذی الحجہ ۹۹۵ھ میں وفات پائی،

شیخ الاسلام سعد الدین دیرمی حنفی

سعد بن محمد نام تھا، حافظ ابن حجر اور عینی کے معاصر تھے، سخاوی نے ان کا ذکر ذکر العالم الکبیر و حاصل نداء التفسیر کے عنوان سے کیا ہے، ۸۳۰ھ میں پیدا ہوئے، حافظہ نہایت قوی تھا، قرآن پاک کے علاوہ کنز وغیرہ کئی کتابیں زبانی یاد تھیں، قاضی عیاض کی مشارق کا اکثر حصہ بارہ دن میں یاد کر ڈالا تھا، فقہ میں حافظ الدین ہنزاری اور قونوی کے، اور حدیث میں اپنے وقت کے مشہور محدثین ابن المندس، ابوالخیر بن الحلانی اور صدر یاسونی وغیرہم کے شاگرد تھے،

سخاوی کا بیان ہے کہ وہ امام علامہ تھے، نہایت قوی حافظ، اور مسائل کے استخار میں پہاڑ تھے، مناظرہ میں کوئی ان کو انکی جگہ سے ہلانہیں سکتا تھا، اس قدر حدیثیں بر زبان تھیں کہ بیان سے باہر فصاحت و روانی تقریر کا بھی یہی حال تھا، امراء و سلاطین اور خواص و عوام سب کے دلوں میں ان کا بے حد احترام اور سب کی نگاہوں میں ان کی بڑی عظمت تھی،

یہاں تک کہ ایک دفعہ ابن الہمام، اور امین اقصرائی سے انکی جگہ پر منصب قضا قبول کرنے کو کہا گیا تو دونوں نے یہ جواب دیا کہ شیخ سعد الدین کی موجودگی میں یہ کسی طرح مناسب نہیں،

ایک دفعہ ابن الہمام سفر حج سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے مدرسہ مؤید یہ میں شیخ سعد الدین کو سلام کرنے حاضر ہوئے، حافظ ابن حجر ان کی تعظیم و اکرام، اور ان کے محاسن کا

اعتراف کرنے میں سب سے پیش پیش تھے،
 سخا دی کہتے ہیں کہ اس باب میں ان کا معاملہ حیرت انگیز تھا، اسی طرح شیخ سعد الدین
 بھی ابن حجر کی وفات کے بعد اپنی تنہائی کو بڑی طرح محسوس کرتے تھے،
 سعد الدین کے فضل و کمال کا شہرہ دور دور تک تھا، چنانچہ بادشاہ مصر الظاہر
 جقمق کا قاصد سمرقند کے بادشاہ شاہ رخ کے پاس گیا تو اس نے چند علماء کی خیریت پوچھی
 جن میں ایک سعد الدین بھی تھے، جب قاصد نے بتایا کہ یہ سب لوگ زندہ مع انحر ہیں
 تو اس نے خوشی کا اظہار کیا اور شکر خدا بجا لایا،

ان کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی، اور ہر مذہب کے فضلاء ان کی شاگردی پر
 ناز کرتے تھے، تمام ملکوں سے ان کے پاس فتویٰ آتے تھے،

شیخ سعد الدین نے مہلاج شمس میں کیا تھا اس کے بعد پھر کئی جع کئے،
 ان کا بیان ہے کہ میں جب شمس میں حج کو جانے لگا تو شیخ ابو بکر موصلی کی خدمت
 میں سلام کے لئے حاضر ہوا، شیخ نے مجھے دعا دیکر رخصت کیا لا اس قدر پروردگار نے تاکید کی تھی
 کہ جب کسی منزل پر قیام کی نوبت آئے تو قافلہ کے بیچ میں قیام کرنا،

چنانچہ میں اس کا برابر خیال رکھتا تھا، مگر ہوتا یہ تھا کہ جو لوگ ہمارے دائیں بائیں
 ہوتے تھے وہ منتقل ہو جاتے تھے، اور ہم کنارے پڑ جاتے تھے، صرف عرفات میں گنچ میں
 رہ سکے، بائیں ہمہ ہماری کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی، اور ہم ہر طرح محفوظ رہے، صرف
 ایک چاتو جے راستہ میں امیں نے خرید لیا تھا گم ہو گیا مگر اسکی نسبت میرے دل میں شک
 تھی کہ وہ مال مشتبہ تھا،

ہر حال مجھے اس پر بڑا تعجب تھا کہ ہمارے آس پاس سے لوگ کیوں منتقل ہو جاتے
 ہیں، اور ہم کیوں کنارے پڑ جاتے ہیں، تا آنکہ غزہ میں ایک بوڑھے شتر بان سے میری
 ملاقات ہوئی، جو علم تصوف کی بہت عمدہ باتیں کرتا تھا، مجھے اسکی ظاہری حالت کی بنا پر

بڑا تعب ہوا، لیکن میرا یہ تعب بہت جلد زائل ہو گیا، جب اس نے بتایا کہ وہ بہت سے مشائخ تصوف کی صحبت میں رہا ہے، از انجملہ شیخ ابوبکر موصلی تھے۔ انھوں نے اس کے اونٹ پر سفر حج کیا تھا، پھر اس نے کہا کہ وہ مجھے برابر تاکید کرتے تھے کہ منزل پر کنارے قیام کیا کروں، اس لئے کہ اس میں اچھی راحت رہتی ہے، اور قضاے حاجت وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے، باقی رہی حفاظت، تو محفوظ رہی رہتا ہے جس کا خدا محفوظ رکھے، جب یہ بات میں نے شربان سے سنی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں جو کوشش کے باوجود ہر منزل میں کنارے پڑ جاتا ہوں یہ ابوبکر موصلی کا باطنی تصرف ہے،

شیخ سعد الدین دیری کی وفات ۷۷۳ھ میں ہوئی، ان کے جنازہ میں بادشاہ وقت اور تمام قضاۃ و امراء و اعیان شریک تھے (ضوء المانع، فوائد مہیہ، شذرات) (اقادہ)، شیخ ابوبکر موصلی آٹھویں صدی کے اکابر ادیان میں تھے، علم و عمل کے جامع تھے بڑے بڑے ائمہ اعلام ان کے فیض یافتہ اور معتقد تھے، ابن رمدان جیسے محدث و فقیہ نے ان کے ہاتھ سے خرقة پہنا تھا، اور سعد الدین دیری جیسے جلیل القدر علامہ ان سے دعا لینے جاتے تھے۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بہت بڑے بڑے لوگ جیسے شہاب زہری اور شمس الدین صرخدی ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے،

کچھ اہل بیتا ان کا ذریعہ معاش تھا، اور انھوں نے بکثرت حج کئے تھے، الملک الظاہر ان کے حجرہ میں ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، اور اپنی شاہانہ حیثیت کے مطابق بہت بڑی قم نذرانہ میں پیش کی، مگر شیخ موصلی نے ایک پیسہ بھی قبول نہیں کیا،

شیخ کی وفات ۷۷۳ھ میں ہوئی، آپ کا مزار قدس میں ہے، آٹھویں صدی میں آپ کا تذکرہ بھول سے رہ گیا، اب مذکورہ بالا واقعہ کی مناسبت سے یہ مختصر تذکرہ زمیت بخش کتا ہو رہا ہے،

شیخ حسین بن معز بلخی بہاری

ہندوستان کے مشہور مشائخ طریقت میں ہیں، شیخ شرف الدین یحییٰ مینوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور اپنے چچا شیخ مظفر سے خلافت پائی تھی، چچا کے ساتھ ہجارت گئے، اور چار سال تک وہاں قیام کیا۔ تجویہ و قرأت کی تحصیل وہیں کی، صحیح بخاری و صحیح مسلم کو حرفاً حرفاً اپنے چچا شیخ مظفر سے پڑھا،
آپ کی وفات سنہ ۷۷۷ھ میں ہوئی۔

شیخ امین الدین لکھنوی

بجنور (ضلع لکھنؤ) کے بزرگ عالم تھے، انھوں نے سات جگہ تھے، حجاز واپسی میں گجرات پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا، شاہ لکھنؤ لاکر دفن کی گئی، آپ کا سال وفات سنہ ۷۹۱ھ ہے،

شیخ احمد کھٹو

شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ وہ مشائخ گجرات میں سب سے بڑے ہیں، بابا اسحق مغربی کے خلیفہ و مجاز طریقت تھے، مظفر شاہ گجراتی کے عہد حکومت میں احمد آباد سے چند میل کے فاصلہ پر قصبہ سرکیمچ میں سکونت اختیار کی، مظفر شاہ کا پوتا احمد شاہ بانی احمد آباد آپ کا مرید تھا، احمد آباد آپ کی زندگی میں سنہ ۷۷۷ھ میں آباد ہوا ہے،

آپ کا بیان ہے کہ یہ فقیر جب زیارت خانہ کعبہ کے ارادہ سے حجاز پر سوار ہوا تو ایک دن وضو کرنے میں اتفاق سے پاؤں پھسل گیا، اور یہ فقیر دریا میں جا پڑا۔ فقیر نے تیز نا شروع کیا اور برابر یا حَافِظُ یا حَافِظُ یا سَرَقِیْبُ یا ذَکِیْنُ یا اللہ کا ورد کرتا رہا، تھوڑی دور تیرنے کے بعد پیروں کے نیچے ایک پتھر ملا، فقیر اس پر کھڑا ہو گیا، پانی

کمر کے برابر تھا۔ میں نے ان اسما کا ورد برابر جاری رکھا۔ اس کے بعد ناخدا اور ملاحوں نے جھکو مچھلی کی طرح سمندر سے نکالا،

فرماتے ہیں کہ جب میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ روانہ ہوا تو ساتھ میں امام خانجماں اور شیخ تاج الدین سرکھچی اور ایک تیسرے شخص بھی تھے، جب ہم مسجد نبوی میں اترے تو ساتھیوں نے کہا کہ کھانا لانا چاہیے، میں نے کہا کہ میں تو حضرت مصطفیٰ صلی علیہ وسلم کا مہمان ہوں، وہ لوگ باہر گئے اور کھانے سے فارغ ہو کر آئے تو ساتھ ہی نماز عشا پڑھی گئی، وہ لوگ نماز پڑھ کر سو گئے اور میں ہاتھ دھو کر تسبیح پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص نے آواز دی کہ حضرت کا مہمان کون ہے؟ میں نے سمجھا کوئی دوسرا ہو گا، پھر دوسری اور تیسری آواز آئی تو میں نے سمجھا کہ یہ آدمی مجھ ہی کو بلارہا ہے،

میں اٹھا اور اس کے سامنے گیا، دیکھا کہ ایک طبق ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، جھکو دیکھ کر اس نے کہا حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھیجا ہے، میں نے دامن پھیلا دیا، اس نے کھجوریں میرے دامن میں ڈال دیں اور طبق لے لیا، ان کھجوروں کی لذت اور شیرینی کا بیان نہیں کر سکتا صبح کو سو کر اٹھا تو جو خواب میں نے دیکھا تھا، ان تین ساتھیوں نے بھی دیکھا تھا، خواب یہ تھا کہ ایک نہایت خوش فضا مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تشریف فرما ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سونے کے زیوروں سے لدی ہوئی ایک عورت کھڑی ہے، حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ اس عورت کو قبول کر۔

فقیر نے عرض کیا کہ بابو! میرے پیر بابا اسحق نے قبول نہیں کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بابو یہ ہیں، میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو حضرت علی کے پاس ذرا نیچے بابو (بابا اسحق) کھڑے ہیں، اور داتوں تلے انگلی دبا کر فرما رہے ہیں کہ بابا! حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فرمان ہے اسکو قبول کر، میں نے جس عورت

کو قبول کر لیا،

شیخ احمد کھتو فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ آیا یہ عورت دنیا کی صورت مثالی تھی، اور آج جو ہمارے یہاں دنیا کی ہستات ہے وہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے، شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ شیخ احمد کی زندگی میں ان کے یہاں فقراء کا دسترخوان بڑا وسیع تھا، اور وفات کے بعد تو انکی خانقاہ میں ایسا سنگ جاری تھا کہ امیر و بادشاہ بھی سیر ہو سکتے تھے، فقراء و مساکین کا کیا ذکر؟

شیخ احمد کھتو نے اپنے سفر حج کے واقعات کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت جب وہ اور ان کے ساتھی آخری سلام پڑھنے کے لئے روضہ نبوی کے پاس حاضر ہوئے تو روضہ پاک کے نگراں دس گز (دہاتھ) سیاہ کپڑا ہاتھ میں لیسکر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ عمار سر پر باندھ لیجئے، میں نے کہا بالودان کے پیر، نے سر پر گڑھی نہیں باندھی ہے۔ بس ٹوپی پہنتے تھے، نگراں نے کہا، محمد سے حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں افرایا ہے کہ اس شخص کو دس گز سیاہ کپڑا دینا اور کہنا کہ اس کو سر پر باندھو، اور خلق خدا کو دعوت دو، میں نے عمار لیسکر آنکھوں پر رکھا، پھر سر پر باندھا،

شیخ احمد کھتو کی وفات ۱۰۴۰ھ میں ہوئی، مزار مبارک سرکیمچ میں ہے، اس ناچیز نے اسکی زیارت کی ہے، شیخ عبدالحق نے ان کے مقام مزار کی نسبت لکھا ہے، مقامیست بغایت لطیف و منزہ و معفا و مروح کہ نفار آں بر روی زمین کم باشند اخبار الاخیار، نزہۃ الخواطر

مولانا عبدالرحمن جامی

درس نظامی کی مشہور و معروف کتاب شرع جامی کی بدولت آپ کے نام سے مدارس کا بچہ بچہ واقف ہے، شرح کافیہ کے علاوہ بزرگوں کے تذکرہ میں آپ کی کتاب نفحات الانس، اور آپ کی مثنویاں تحفۃ الاحرار و سبحة الابرار نیز سلسلۃ الذہب نہایت پاکیزہ اور مشہور کتابیں ہیں،

آپ نہایت بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ بہت عالی مقام عارف و صوفی بھی تھے مولانا سعد الدین کاشغری سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے، اور انھیں سے خلافت بھی حاصل تھی،

اس سلسلہ کے شہرہ آفاق بزرگ خواجہ عبید اللہ احرار سے آپ کو بے پایاں عقیدت تھی، اور انکی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے تھے، خواجہ احرار کی مدح میں آپ کا یہ شعر، یوسف زینچا پڑھنے والوں کو یاد ہو گا۔

چوں فقر اندر لباس شاہی آمد بستہ پیر عبید اللہ آمد

مولانا جامی شیخ کامل اور عارف صادق ہونے کے باوجود جلدی کسی کو مرید نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ بار شہنشاہی ندارم (پیر بننے کا بوجھ مجھ سے نہ اٹھے گا) لیکن آخر عمر میں چاہتے تھے کہ کوئی طالب صادق کو اسکی تربیت فرمائیں، فرماتے تھے کہ کوئی سچا طالب نہیں ملتا، مولانا جامی کی علمی جلالت کا شہرہ دور سے دور تک تھا، چنانچہ ٹرکی کے سلطان بایزید خاں نے قاصد بھیج کر آپ کو ٹرکی آنے کی دعوت دی، مگر آپ نے معذرت کر دی (شذرات) اسی طرح دکن کے ملک التجار خواجہ محمود گادان نے جب بیدر میں ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کیا تو اس کی صدارت کے لئے، مولانا جامی سے درخواست کی تھی، اور کہا جاتا ہے کہ مولانا آمادہ تھے، مگر کسی وجہ سے نہ آ سکے، (نزمہ) — مولانا نے اپنے اس شعر میں محمود گادان ہی کی طرف اشارہ کیا ہے،

ہمدہ قافلہ ہمدردوں کن گرد

شرف و تقویٰ از ملک التجار

مولانا جی کا چایا ایک ریختی جی تھا۔ آپ نے دستہ ربیع۔ دس ششہ میں جب چایا کا اردو کیا تو اس کے بہت سے گہرے بنے ہوئے، درء ضعیف کہ یہاں ہر روز آپ کی توجہ سے سس کو کے لیے، تمام کام انجام دیتے ہیں، جنہیں ہر ایک کا خواب یا پیادہ جج کے برابر ہوگا۔ مولانا نے مزاح کے انداز میں جواب دیا کہ جی باب، مگر چونکہ پیادہ چایا کرتے کرتے بہت تھک گئی ہوں، اس لیے چاہتا ہوں کہ اب سو رومی سے چکر آؤں۔

ہمدہ قافلہ ہمدردوں کن گرد۔ ربیع۔ دس ششہ کو بہت سے روانہ ہوئے، اور نیشاپور، سمرقند، بسطام، دامغان، سمنان، اور قزوین ہوتے ہوئے ہمدان پہنچے، تو ہمدان کے حاکم شاہ منوچہ نے نہایت اخلاص و نیاز مندی سے آپ کا استقبال کیا، اور آپ کے پوسے قافہ کو تین دن رات اپنے یہاں مہمان رکھا، در شاہانہ طور پر میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد ایک بڑی جمیعت کے ساتھ اس قافلہ کو بغداد کی سرحد تک پہنچانے کی بات کر کے دستار کے خط ناک علاقہ میں اس قافہ کو کوئی گز نہ پہنچے، وسط جہد کی لڑائی میں قافہ بغداد پہنچا۔ چند دنوں کے بعد مولانا نے کربلا میں مشہد حضرت حسین کی زیارت کی، پھر بغداد لوٹ آئے۔

بغداد میں یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ فتحی نام ایک بد باطن جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھا اس سے اور مولانا کے کسی خادم سے تین تین باتیں ہوئیں، اس پر وہ بگڑ گیا، اور قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ ازراہ خیانت نفس بغداد کے رافضیوں سے ساز باز کیا، اور سلسلہ، لہجہ کے چند اشعار کو ماقبل و مابعد سے الگ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ دیکھو یہ اشعار اسلامی عقیدہ کے خلاف ہیں،

بات انہی زعمی کہ تحقیق واقعہ کے ہے ایک مجلس ترتیب دی گئی، جس میں قاضی حنفی، قاضی شافعی کے ساتھ ۱۰۰ حکماء، ۱۰۰ امراء شریک تھے، اور جس مدرسہ میں یہ مجلس جاتی تھی

تھی، اس کے بام دور پر عوام و خواص کی بھر جمع تھی، سلسلہ الذہب پیش ہوئی،
 اور جن اشعار پر فتنہ برپا کیا گیا تھا، اس کے آگے پیچھے کے اشعار پڑھے گئے،
 جب اصل حقیقت کھلی تو لوگ حیران رہ گئے، اس کے بعد سب کے سامنے نعمت
 حیدری سے جو بغداد کے رافضیوں کا سردار تھا، اور وہی اس فتنہ پردازی میں پیش پیش تھا
 مولانا جامی نے دریافت کیا کہ تم کو شریعت کے رو سے ہم پر اعتراض ہے، یا طریقت کے رو سے؟
 اس نے کہا دونوں حیثیتوں سے، مولانا نے فرمایا کہ اچھا یہ بات ہے تو پیسے حکم شریعت کے مطا
 اٹھ اور اپنی مونچھ جس کو تو نے مدۃ العمر ہاتھ نہیں لگایا ہے، اسکو ترشوا، یہ کہنا تھا کہ مجلس
 سے چند آدمی اٹھے اور جب تک قینچی آئے ان لوگوں نے آدمی مونچھ کسی چھری پر رکھ کر چاقو
 سے کاٹ دی، اور آدمی قینچی سے کاٹی گئی،

اس کے بعد مولانا نے اس کو اہل طریق کا بھی راندہ درگاہ ثابت کر کے کہا کہ بلجا اور بل
 جا کے توبہ کر کے آ، پھر مناظرہ کرنا، اس کے ساتھیوں میں ایک اور شخص تھا جس نے مولانا جامی
 کے اشعار کے ساتھ کچھ اپنے اشعار بھی ملا دیئے تھے، اس کی نسبت مجلس نے فیصلہ کیا کہ اس کو
 گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھرایا جائے،

بعد ازاں چار مہینے قیام کرنے کے بعد مولانا جامی نے حجاز کا رخ کیا، اور آخر شوال میں نجف
 پہونچے اور حضرت علی کے مزار کی زیارت کی، موقع پر آپ نے ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے۔

قد بدامشہد ولای آئینخواجلی کہ مشاہد شدازاں مشہد انوار جلی

ذی قعدہ کے شروع میں یہاں سے رخت سفر بندھا، اور مدینہ کے لئے روانگی ہوئی، راستہ
 میں آپ نے ایک قصیدہ تصنیف کیا جو بہت سے معجزات نبوی کے بیان پر مشتمل ہے، اس کا دوسرا
 مطلع یہ ہے۔

یار مدینہ است ایس حرم کز خاکش آئینہ جا یا ساحت باغ ارم، یا عرصہ عمر و ضل بختاں

۲۲۔ دن کے بعد مدینہ منورہ پہونچے، اور ردۃ نبوی کی زیارت کرنے کے بعد مکہ روانہ ہوئے،

دش دن کے بعد ذی الحجہ کو مکہ پہونچے، اور حج کے تمام مناسک اور شرائط و آداب بجالانے کے بعد ۱۵ ذی الحجہ کو شام کے لئے براہِ مدینہ روانہ ہوئے، راستہ میں ایک غزل کھی، جس کا ایک شعر یہ ہے

چو حلقہ و در کعبہ بعد نیا ز گزرم دعاے حق و گیسوئے مشکبوی تو کردم

۲۵ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ پہونچ کر دوبارہ روضہ اطہر کی زیارت اور صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی سعادت حاصل کی ۲۷ کو وہاں سے کوچ کیا، اور محرم کے اخیر عشرہ میں دشتِ پہونچے اور وہاں پالیس دن قیام کیا،

اس مدت میں قاضی محمد خیفریؒ سے احادیث کی سماعت کی، اور سند لی، قاضی صاحب نے نہایت خاطر داری، اور عزت و اکرام کے ساتھ مہانداری کا حق ادا کیا ۴ ربیع الاول کو دمشق سے رخصت ہو کر بارہ دن میں مولانا حلب آئے

وہاں کے اکابر نے بھی آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا، اور ہدیے پیش کئے، ۱۱ ربیع الثانی کو حلب آگے بڑھے تو محمد بیگ تین سو سوار ساتھ لے کر گردستان اور خطایک علاقوں میں قافلہ کی حفاظت کے لئے تبریز تک آپ کے ساتھ رہا،

تبریز میں بھی اکابر علماء و اراعیان نے بہت پُر تپاک استقبال کیا، اور اعزاز و اکرام کے ساتھ پورے قافلہ کو نہایت عمدہ مکانات میں ٹھہرایا، پھر اصرار کر کے مولانا کی ملاقات ہاں کے حاکم حسن بیگ سے کرائی

حسن بیگ نے شاہانہ ہدیے اور نذرانے پیش کئے، اور ہر امر تمام درخواست کی کہ آپ اب تبریز ہی میں اقامت فرمائیں، مولانا نے والدہ کی ہنس رسیدگی کا بہانہ کر کے خراسان کی راہ لی ۲۰ جمادی الاولیٰ کو تبریز پہونچے تھے، اور ۶ جمادی الثانی کو وہاں سے چل کر ۱۰ شعبان

شعبہ کو ہرات پہونچے، مرزا سلطان حسین اس وقت مرو میں تھا، آپ کی بھجیب ڈاسی کی خبر اسکو ملی تو اپنے خاص معتمدوں کے ہاتھ بہت سے تحفے اور اظہارِ اخلاص و نیاز مندی

پر مشتمل ایک خط بھیجا، جس کی ابتدا اس شعر کی تھی کہ

اهلا بجمع ملک الشریف فانه فرح القلوب ونزعة الادرع

عین ایسوقت امیر نظام الدین علی شیر کا رقبہ بھی پہنچا، جس میں یہ رباعی درج تھی

رباعی

انصاف بدہ لے فلک مینا نام تازیں دو کد ام خوب تر کرد خرام

خورشید جہان تاب تو از جانب صبح یا ماہ جہاں گرد من از جانب شام

مولانا جامی نے سہ ماہی میں سفر آخرت اختیار کیا،

ہم طالب علموں پر شرح جامی کے واسطے مولانا کا بڑا احسان ہے، اس لئے بے اختیار

آپ کا تذکرہ طویل ہو گیا ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

مولانا جامی نے جب تک حج نہیں کیا تھا اس وقت تک وہ زیارت حرمین کے لئے

بہت مضطرب اور بے چین تھے، ان کا دل شوق سے بھر پڑا، اور اس تمنا میں انکی آنکھیں

اشک ریز تھیں، ایک غزل میں فرماتے ہیں کہ

کے بود یارب کہ رود ریز بطنم گم کہ بک منزل و گد در مدینہ جا کنم

اور سلسلۃ الذہب میں فرماتے ہیں

کے بود کہ میان منبر و قبر کردہ صد چاک جیب خرقہ صبر

گردد آن منزل بہشت نشا رفتہ بادیدہ سرشک فشاں

کے بود کز برائے روز بھی خاطر پُر امید و دست تھی

رود راں قبلہ گاہ حُثمت و ناز پیش سینہ نہادہ دست نیاز

و مہم در معنی سفتہ خالی از لاف و عویے گفستہ

آئینی اللہ، اَسْلَامُ عَلَیْکَ اِنَّمَا الْعَوْلٰی وَالْفَلَاحُ لَدَیْکَ

سلام آدم جو اہم دہ مرے بردل خسراہم نہ
 بس بود جاہ واحترام مرا یک عییک از تو صد سلام مرا
 اور مولانا کی یہ تمنا جب پوری ہوئی، تو ان الفاظ میں حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر بجالائے
 داد مرا نعمت توفیق حج من قرع اباب و نچ و لچ
 در حرم خویش مرا رہ نمود دنگ غلام از دل گمرہ زدود
 داد مرا در حرم خود مقام ساخت مرا طائف بیت الحرام
 مولانا نے اس سعادت کے حصول کے بعد مناسب حج میں ایک منظوم رسالہ تصنیف فرمایا ہے، آخری اشعار اسی رسالہ سے لئے گئے ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ ہرنالج میں میرے مطالعہ سے گذر رہا ہے، اس نسخہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں خانہ کعبہ، منی اور عرفات وغیرہ کی قلمی تصویریں بھی دی ہوئی ہیں،

سلسلہ سے سلسلہ تک

مفتی و مورخ مدینہ نور الدین سمہودی

علی بن عبداللہ نام تھا، حسنی سید تھے، مورخین ان کو امام و مقتد کے اوصاف کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ سلسلہ میں بمقام سمہود (مصر) پیدا ہوئے، ابتداً اپنے والد سے بہت کچھ پڑھا، پھر قاہرہ، اگر شمس جو جری، جلال علی، شرف مناوی اور سعد الدین دیری وغیرہم کے پاس تکمیل کی، دیری و جو جری و ہامی نے ان کو تدریس کی اجازت دی،
 سلسلہ سے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی، وہاں ابوالفرج مراغی سے بحضرت احادیث کی سماعت کی، اور مکہ میں متعدد محدثین سے جنہیں نجم الدین عمر بن فہد بھی ہیں، حدیثیں سنیں، حرمین کے طلسم نے آپ سے بہت فائدہ اٹھایا، مدینہ پاک کی تین تاریکیں نکھیں، جن میں پہلی جل گئی، دوسری کا نام الوفا اور تیسری کا خلاصۃ الوفا،

یہ دونوں مصر میں چھپ گئی ہیں۔ مدینہ منورہ کی ان سے بہتر تاریخ دیکھنے میں نہیں آتی۔
 سلسلہ میں ان کا قیام مکہ میں تھا، اس کے بعد بیت المقدس کی زیارت کر کے
 پھر مدینہ میں سکونت اختیار کی، اور آخر عمر تک وہیں ختم رہے۔
 سخاوی کا بیان ہے کہ اہل مدینہ میں شاید ہی کوئی ہو جس نے ان سے نہ پتہ چلا ہو۔
 سخاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مختلف فنون سے واقف امام ہیں، بحیثیت مؤرخ، لکھی
 نظیر نہیں تھی،
 سمودی کی وفات ۱۱۹۷ھ میں ہوئی،

حافظ شمس الدین سخاوی

ابو الخیر محمد بن عبد الرحمن سخاوی سلسلہ میں پیدا ہوئے، فقہ و عربیت، قرأت و
 حدیث اور تاریخ میں بڑے فائق تھے۔ انھوں نے جتنی کتابیں پڑھی اور اساتذہ سے سنی
 ہیں، ان کا شمار مشکل ہے،
 اساتذہ میں حافظ ابن حجر کے ساتھ ان کو بڑا خصوصی تعلق تھا، مدتوں ان سے وابستہ
 رہے، انھوں نے حافظ سے ان کی تصنیفات کا اکثر حصہ سنا اور ان کو حاصل کیا، حافظ سے ایسی
 چیزیں بھی ان کو حاصل ہوئیں جن میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے،
 ابن حجر نے ان کے باب میں فرمایا تھا کہ وہ میری جماعت میں سب ممتاز ہیں، ان کے
 شیوخ کی تعداد چار سو سے زائد ہے، صحیح بخاری کی سند ان کو ایک سو بیس سے زائد محدثوں
 سے حاصل تھی ان کے پاس ایک ایسی سند بھی تھی جس میں ان کے اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے درمیان صرف دس واسطے تھے،

جب تک ابن حجر زندہ رہے، ان سے استفادہ کے شوق اور علم کی حرص میں تاریخ
 بھی نہیں نکلے، ان کی وفات کے بعد اپنے والدین کے ساتھ حج کو گئے تو دوریہ کے سفر میں غریب ہو

اور جدہ میں حدیثیں سنیں، اور اہل شعبان میں کہہ پونے، اور حج تک قیام کی۔ اس درمان میں مختلف محدثین سے مختلف مقامات شذ غار ثور کی بندہ کی، کوہ حرا، جدانہ، منیٰ اور مسجد خیف نیز مکہ کے مشاہد ماثورہ میں حدیثوں کی سماعت کی، حتیٰ کہ خانہ کعبہ کے اندر، اور حطیم میں سماع حدیث کا شرف حاصل کیا،

پھر ۸۹۱ھ میں دوبارہ حج کیا، اس سفر میں ان کے والدین کے علاوہ بڑے بھائی اور ان کے عیال بھی ساتھ تھے، اس موقع پر بھی مسجد حرام اور طائف میں حدیثیں سنیں، تیسری دفعہ ۸۹۲ھ میں حج کو گئے اور ۸۹۳ھ و ۸۹۴ھ میں وہیں رہے، اس دفعہ تین ماہ مدینہ منورہ میں بھی ان کا قیام رہا،

چوتھی دفعہ ۸۹۲ھ میں گئے اور ۸۹۳ھ و ۸۹۴ھ وہیں گزارا، پانچویں بار ۸۹۶ھ میں یہ سعادت حاصل ہوئی۔ اور اثناء ۸۹۷ھ تک مکہ میں مقیم رہ کر مدینہ منورہ چلے گئے، وہاں چند مہینے رہے اور روزے وہیں رکھے، پھر شوال ۸۹۷ھ میں مکہ واپس آکر ایک زمانہ تک رہے، آخر میں مدینہ جا کر مقیم ہوئے اور وہیں پونہ ساک ہوئے، حافظ سخا دی نے اپنے مسموعات کے ساتھ اپنی تالیفات کی پوری تفصیل "الضوء اللامع" میں دی ہے، اور اسی کے ساتھ اس عہد کے اکابر علماء نے جن اونچے الفاظ میں ان کا تعارف کرایا ہے، اس کو بھی شرح وسط میں ذکر کیا ہے۔

کچھ شہد نہیں کہ ان کی تالیفات پر از معلومات اور بہت مفید ہیں، بالخصوص "الضوء اللامع" جو نویں صدی کے رجال علم کی مبسوط تاریخ ہے، مفید معلومات سے لبریز ہے، الایہ کہ معاصرین کے حق میں ان کا قلم محتاط نہیں ہے، حالانکہ اسی کتاب میں بقاعی، سیوطی، اور دیلمی اور بعض دوسرے مصنفین کا جگہ جگہ انھوں نے شکوہ کیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے معاصرین پر بہت جرح و قدح کی ہے، اور سخا دی نے اس پر بہت برا فروختگی کا اظہار کیا ہے، سخا دی کا یہ شکوہ بالکل بجا ہے، مگر اس کے پیش نظر خود ان کی تحریر کا اس عیب پاک ہونا

نہایت ضروری تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی معاصر اس بلاء میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا
 اَلَا مَتَّ عَصِيَّةُ اللّٰہِ ،

الضوء للمراجع کے علاوہ اصول حدیث میں انکی کتاب فتح المغیث اور زبان زد حدیثوں
 کے بیان میں المقاصد الحسنہ بھی بہت نافع ہے، یہ تینوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں، اور خوشی کی
 بات ہے مؤخر الذکر کتابوں کی اشاعت میں ادلیت کا شرف ہندوستان کو حاصل ہے،
 حافظہ سخی دی کی وفات سنہ ۱۳۳۵ میں ہوئی،

سیدی علی ابن میمون

بلاد مغرب کے رہنے والے تھے، آپ کا شمار اکابر ادیباء میں ہے، اجلہ علماء نے آپ
 کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور سلوک کی منزلیں طے کی ہیں، مثلاً مفتی حنفیہ محمد بن رمضان
 اور مفتی شافعیہ عبدالرحمن حموی اور سیدی محمد بن عراق وغیرہم،

بلاد مغرب سے پہلے بیروت آئے، سیدنا محمد بن عراق سے پہلی ملاقات وہیں ہوئی
 اس کے بعد قاہرہ آئے اور وہاں سے حج کو گئے، حج سے واپسی کے بعد شام میں کچھ دنوں
 قیام کیا اور بہتوں کی تربیت فرمائی، پھر بردسا میں مستوطن ہوئے، آخر میں دوبارہ شام
 آئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی،

آپ سخت متبع سنت تھے، فرماتے تھے کہ اگر سلطان بایزید خاں بھی میرے پاس
 آئے گا تو اس کے ساتھ بھی سنت ہی کے مطابق معاملہ کروں گا، آپ جو ملنے آتا تھا اس
 کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، نہ لوگ ان کے لئے کھڑے ہوتے تھے،

کوئی عالم ان کے پاس آتا تھا تو اسکی تعظیم کے لئے بکری کی ایک کھال بچھا دیتے تھے
 وہ بڑے حق گو تھے، کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے، بہت غصہ ور تھے، مدیون کی
 کوئی نازیبا حرکت دیکھتے تو ڈنڈے سے مارتے تھے، بادشاہوں اور حکام کا کوئی ہدیہ نہیں لیتے

تھے، نہ کوئی منصب قبول فرماتے تھے، اس کے باوجود روزانہ اپنے پاس سے بیس مریدوں کو کھانا دیتے تھے،

سیدی محمد بن علی کا بیٹا سیدی علی بن میمون خرقہ پہننے اور پہنانے کے قائل نہیں تھے، اسی طرح وہ چہرہ میں بٹھانے کے بھی قائل نہیں تھے،
سیدی علی بن میمون کا حال غمی نے، الکوکب، سائرہ میں تفصیل سے لکھا ہے بشمول
میں آپ کی وفات ہوئی ہے،

سیدی محمد بن عراق

آپ کی ولادت ششمہ میں ہوئی، آپ جبر کسی امراء کی اولاد میں تھے، پہلے سامیہ
وضع میں رہتے تھے اور بڑے صاحب دولت و شہرت تھے، پھر سب چھوڑ چھا کر سیدی علی
بن میمون کے دامن سے لپٹ گئے،

قصہ یہ ہوا کہ ایک دن شیخ ابراہیم ناجی و عفا کہہ کر واپس آ رہے تھے کہ ان سے راستہ
میں ملاقات ہو گئی، یہ گھوڑے سے اتر پڑے اور شیخ کو سلام کیا، شیخ نے پوچھا یہ کون آدمی ہیں
لوگوں نے کہا یہ خدا ہیں، شیخ نے مہربان کہا، اور ان کے والد کے لئے دعائے رحمت کی، محمد بن
عراق نے درخواست کی کہ میں جس غفلت اور بکھیرے میں ہوں دعا کیجئے، اللہ مجھے اس سے نجات
دے، شیخ نے فرمایا کہ جہاں چاراد عطا ہوا کرتا ہے وہاں آیا کرو اور ہمارے یہاں آمد و رفت
رکھو انشاء اللہ فائدہ ہوگا،

محمد بن علی فرماتے ہیں کہ میرے دل میں، انکی محبت گھر کر گئی اور رات بہت بے چینی
سے کٹی، صبح کو فجر کی نماز میں نے سیدی ابوبکر موصلی کی خانقاہ میں پڑھی، جہاں شیخ کا وعظ ہوا تھا
اور وہاں میں شریک ہوا، اس کے بعد برکت کا ظہور شروع ہو گیا، میں کھیل کود اور بہت
سی نصیبت سے، ٹکب ہو گیا۔ اور تجارت و زراعت کا شغل اختیار کر لیا،

محمد بن ۶۱۰ اق برابر انکی خدمت یہ ملتے جلتے تھے تا آنکہ تصوف کا فرقہ ان کے ہاتھوں سے
پہنا۔ اور فقہ و حدیث و تفسیر کی تفصیل بھی ان سے کی، ان کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی ان
فنون کو اور ان کے سوا دوسرے علوم کو حاصل کیا،

جب شیخ ابراہیم ناجی کی وفات ہو گئی تو وہ سحر کے وقت اور نمازوں کے بعد دعا کیا کرتے
تھے کہ کوئی دوسرا مرشد مل جائے، چنانچہ ان کے بعد ان کو سیدی علی بن میمون کی صحبت نصیب
ہوئی، جن کے ہاتھ پر ان کی تکمیل ہوئی،

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سیدی علی بن میمون سے پہلی ملاقات سیدی محمد بن عراق کی
بیروت میں ہوئی، اس کے بعد وہ حج کیلئے چلے گئے، تھے، اس درمیان میں سیدی محمد بن عراق
سنتھ میں سفر گئے، اور پھر شیخ الاسلام زکریا اور علامہ سیوطی وغیرہما سے انکی ملاقات ہوئی،
اس کے بعد جب وطن لوٹے تو والدہ سے اجازت لے کر حج کیا، سنتھ میں سیدی علی بن
میمون ٹرکی سے حماۃ آئے تو سیدی محمد بن عراق کو خط بھیج کر بلایا، آپ گئے اور چار ماہ
دس دن وہاں رہے، پھر سیدی علی بن میمون کے حکم سے بیروت آکر، مدینہ کی تربیت
فرمانے لگے، کچھ دنوں کے بعد سیدی علی بن میمون کے حکم سے دمشق آئے اور سیدی علی
بن میمون بھی حماۃ سے دمشق آگئے، پھر جب سیدی علی بن میمون مجدالمعوش منتقل ہوئے تو
آپ بھی ان کے ساتھ منتقل ہوئے، وہیں سیدی علی بن میمون کی وفات ہوئی،

ان کی وفات کے بعد بیروت میں مکان اور فقراء کے لئے رباط بنوا کر رہنے لگے، پھر
اہل دمشق کے اصرار سے آپ دمشق آئے، یہاں جمعرات کا دن مریدوں کی تادیب کے لئے
اور جمعہ کا دن تجویہ سکھانے کے لئے اور ہفتہ کا دن درس حدیث و فقہ کے لئے مقرر فرمایا،
آخر آخر میں صمد تشریف لے گئے اور وہیں متوطن ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ گھڑ کو گوسالے

لکھا کہ ۱۶۔ سوال کو شام کا نائب سفر حج کا ارادہ رکھتا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ یہ قافلہ آپ کی
اتحی و نگرانی میں روانہ ہو، آپ نے جواب میں لکھا کہ میں کسی قافلہ کی سرپرستی نہیں کر سکتا جب تک

کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو،

جب یہ خط دمشق پہونچا تو وہاں سے جواب آیا کہ آپ تشریف نہ لائیں گے تو نذیشہ ہے کہ اکثر لوگوں کا حج خراب ہوگا، اس لئے استخارہ فرمائیے اور جلد جواب دیجئے،

اس خط کے بعد آپ آمادہ ہو گئے، اور کھلا بھیجا کہ میں فلاں مقام میں ملوں گا، اور اپنے گھر والوں کو بھی اجازت دیدی کہ دمشق قافلہ کے ساتھ وہ لوگ حج کے لئے روانہ ہو جائیں، چنانچہ آپ مقام موعود میں اس قافلہ کے ساتھ ہو گئے، اور آپ کی برکت سے قافلہ کی روانگی سنت کے مطابق ہوئی، یعنی اونٹوں کے گلے سے گھنٹیاں نکال ڈالی گئیں، اس کے سوا دوسری جو بعتیں حجاج کے قافلہ میں اس وقت رائج تھیں، ایک قلم موقوف کر دی گئیں، کہا جاتا ہے کہ سیدی محمد بن عراق نے یہ سفر پیادہ پا کیا تھا،

یہ ۹۲۲ھ کا واقعہ ہے، اس وقت سے آپ مدینہ پاک میں متوطن ہو گئے، وہاں سے آپ نے بار بار حج کیا اور حرمین میں آپ کی آمد و رفت برابر جاری رہی۔

کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں، ان میں تنزیہ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ بہترین کتاب ہے، جس کے قلمی نسخے ہندوستان وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

۹۳۳ھ میں آپ نے مکہ معظمہ میں وفات پائی، اور خزانۃ العلما کے دروازہ پر آپ مدفون ہوئے، آپ کے جنازہ میں شریف مکہ ابو یوسف بن برکات بھی شریک تھے،

امام السلطان ابن الکمر کی حنفی

ابراہیم بن عبدالرحمن نام تھا، قرآن کریم کے علاوہ، اربعین نووی، شاطبیہ، قدوری اور الفیہ کے حافظ تھے، حافظ ابن حجر، شیخ ابن امام، سعد الدین دیرمی اور تفتی الدین شمشی وغیرہم کے شاگرد تھے، مہر میں قضاء کے عہدہ پر تھے، مگر یہ عہدہ بقوں سخاوی ان کے رتبہ سے فروتر تھا، اس لئے کہ بڑے بڑے فاضل اور قضاۃ ان سے استفادہ کے لئے انکی خدمت میں حاضر تھے اب سر میں ملے ہوئے ہے ۸۵۰ھ سنوئی ۱۴۴۷ھ رات

ہوتے تھے، سلطان قاتیباہی کے ساتھ ان کو بڑی خصوصیت حاصل تھی، سفر و حضر میں ان کو ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا، ایک بار اس کے سامنے انھوں نے اپنے مرنے کی تمنا ظاہر کی، تو سلطان بے چین ہو گیا، اور کہا کہ میری آرزو ہے کہ میں آپ کے سامنے مردوں تاکہ آپ مجھ پر قرآن پڑھیں اور میری قبر کی زیارت کریں اور مجھ کو اس سے نفع پہنچے،

ابن الکرمی نے تصنیف و تالیف، روایت و تحدیث، درس و افتاء، اور خطبہ و عطا ہر قسم کی علمی خدمت انجام دی ہے، نہایت ذکی، فصیح و بلیغ، اور خوش تقریر و خوش مذاق تھے آپ نے تین حج کئے تھے، اور اہل حرمین آپ سے اور آپ نے، اہل حرمین سے علمی استفادہ کیا، ۳۲۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی، سخا دی نے ان کا حال بہت تفصیل سے لکھا ہے، اور بہت زیادہ مدح و ثنا کی ہے، علماء و اکابر کے ساتھ ان کے حسن سلوک کی، نیز بادشاہ اور امراء کی نگاہوں میں ان کی عظمت و جلالت کے بہت سے واقعات لکھے ہیں،

عارف باللہ سید احمد بخاری

پسے خواجہ عبید اللہ احرار کی محبت میں تھے، پھر خواجہ کے حکم سے شیخ الہی کی صحبت اختیار کی اور اہل و عیال کو چھوڑ کر ان کے ساتھ بلادِ روم و ترکی چلے گئے، شیخ الہی ان کا بہت احترام کرتے تھے، فرماتے تھے کہ سید احمد نے ہمارے ساتھ ۶ سال تک عشاء کے وضو و فجر کی نماز پڑھی ہے،

سید احمد سے دریافت کیا گیا کہ اس مدت میں آپ سوتے کب تھے؟ تو فرمایا کہ صبح کو شیخ الہی کا فجر اور گدھا لیکر لکڑی چٹنے کے لئے میں پہاڑ پر چڑھ جاتا تھا، اور کچھ دیر انگوچرنے کے لئے چھوڑ دیتا تھا، اور کسی پہاڑ کے سہارے ٹیک لگا کر سو جایا کرتا تھا،

سید احمد نے شیخ الہی سے ساز و سامان لئے بغیر محض منوکلانہ حج کی جرات چاہی، شیخ نے ان کو ایک گدھا سواری کے لئے اور دس درہم عنایت فرمائے، اس کے علاوہ انھوں

نے شیخ کے دستہ خوان سے ایک روٹی، اور ایک قرآن پاک اور مشنوی مورخہ دوم کا ایک نسخہ لیا اور چل کھڑے ہوئے، راستہ میں قرآن پاک کسی نے چرایا، و مشنوی سودوم میں بیچ ڈالی، بس اتنے ہی میں انھوں نے حج کیا، اس کے باوجود وہ بہت کسادگی سے خراج کرتے تھے، مکہ مکرمہ میں تقریباً ایک سال تک مقیم رہے، اور مدت اقامت میں انھوں نے خذر مانی تھی کہ روزانہ سات طواف، و رسات سہی کریں گے، رات کو بھی یا تو طواف کرتے ہوتے تھے، یا کوئی دوسری عبادت، یا تھک جاتے تو ذرا استراحت کرتے تھے، مگر سوتے نہ تھے، ملوک میں ان کا طریقہ عزیمت کو اختیار کرنا، سنت پر عمل کرنا، بدعت سے احتراز کرنا کم ملنا جلنا، فاقہ، خاموشی، شب بیداری، اختیار کرنا، روزے رکھنا، اور ذکر غفی پر مداومت کرنا تھا، ان کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی۔

حافظ قطب الدین قسطلانی شاح بخاری

احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی سہمہ میں پیدا ہوئے، فن قرأت میں امام تھے، فقہ و حدیث میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، وعظ گوئی میں بے مثل تھے، ان کی زبان و قلم میں کثرت تھی، سخا دی سے انکی بعض تالیفات سنی تھیں، انکی شاح بخاری بقول صاحب السنو، مسافر سب شروح سے جامع اور بہتر ہے، مولانا حبیب اللہ نے بھی سیرت محمدیہ میں بے نظیر، پرتاثر اور بہت نافع ہے، کہتے ہیں کہ حافظ سیوطی کو ان سے شکایت تھی کہ وہ اپنی کتابوں میں میری تصنیفات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور میرا حوالہ نہیں دیتے،

قسطلانی کو یہ معلوم ہوا تو قاہرہ سے روضہ تک جہاں سیوطی رہتے تھے، پہیل چل کر مسجد کے لئے گئے، دروازہ پر دستک دی تو سیوطی نے پوچھا کون ہے انھوں نے کہا میں قسطلانی ہوں، میں گئے پانوں ننگے سر حاضر ہوا ہوں، تاکہ آپ کا دل میری جانب سے صاف ہو جائے، سیوطی نے اندر ہی سے جواب دیا کہ میرا دل صاف ہو گیا، مگر دروازہ نہیں کھولا، نہ ملاقات کی،

مخادی کا بیان ہے کہ انھوں نے متعدد حج کئے تھے، سترہ میں سال بھر مکہ میں رہے،
پھر سترہ سے سترہ تک تین سال مسلسل مکہ میں اقامت پذیر رہے، اس کے بعد سترہ
میں حنیفہ کے بھائی کے ساتھ حج کے لئے آئے،
قسطانی کی وفات سترہ میں ہوئی،

فاطمہ بنت یوسف تادونی حلبی

نہایت نیکو کار و پرہیزگار خاتون تھیں، محدث برہان الدین سے حدیثیں سنی تھیں انھوں
نے دو حج کئے، حلب آکر عمدہ زمانہ پوشاکوں سے بلکہ دنیا سے ان کا دل بھر گیا، بیت المقدس
کی زیارت کے بعد تیسرا حج کیا، اور مکہ میں سترہ میں وفات پائی،

امیر ابن اجا محدث حنفی

عمود بن محمد نام تھا، مالک اسلامیہ کے کاتب اسرار تھے، نہایت خالی رتبہ امیر تھے،
سترہ میں ولادت ہوئی، قاہرہ میں سترہ تک تعلیم پائی، سترہ میں حلب کے قاضی مقرر
ہوئے، سترہ میں حج کیا، حج سے واپسی کے بعد سلطان غوری نے ان کو قاہرہ بلا کر سترہ
میں کاتب ہر اپنے پرائیوٹ سکرٹری کا عہدہ سپرد کیا، غوری کے عہد حکومت میں سترہ
میں بھی حج کی سعادت حاصل کی۔

اس موقع پر مکہ کے مشہور و فائق محدث جابر اللہ بن فدر نے، جس شیعہ کی روایت
سے بیس حدیثوں کی تخریج ان کے لئے کی اور اس کا نام تحقیق الرجال لعلو المقراً اجا رکھا،
قاہرہ واپس ہونے کے بعد مدتوں مریض رہے، سلطان غوری انکی عیادت و زیارت کے
لئے ان کے گھر آیا، غوری کے انتقال کے بعد سلطان طومان باگ نے بھی سابق عہدہ پر ان کو برقرار
رکھا، اس کے بعد جب سلطان سلیم خاں (ڈرکی) قاہرہ آیا تو اس نے بھی وہ عہدہ ان کو تفویض

کرنا چاہا مگر انھوں نے بڑھاپے اور ضعف کا غدہ کیا، سلطان سلیم نے حلب میں سکونت اختیار کر لی ان سے درخواست کی، اسکو انھوں نے قبول کیا اور سلطان کے ساتھ وہ قاہرہ سے حلب آئے اور ملتے دم تک وہیں رہے، لوگوں نے انکی مدح میں نہایت عمدہ عمدہ قصیدت لکھے ہیں، عالیشان باغوں نے بھی ایک زوردار قصیدہ انکی مدح میں لکھا ہے، ۳۵۰ھ میں وفات پائی،

علامہ عبدالحق سنباطی

آپ ابن اہمام اور سعد دیرمی وغیرہا کے شاگرد تھے، حافظ ابن حجر و ہمام عینی نے انکو درس و افتاء کی اجازت دی تھی، جامع ازہر میں بھی انھوں نے درس دیا تھا، ایک بار اپنے والد کے ساتھ حج کیا، پھر دوبارہ حج کیا تو مکہ و مدینہ دونوں جگہ قیام کر کے دونوں مسجدوں میں طلبہ کو بہت سے متون کی تعلیم دی، پھر قاہرہ آکر درس و افتاء میں مشغول ہو گئے، آخر آخر میں اپنے تمام متعلقین کو لیکر صرف اس لئے مکہ چلے گئے، کہ انکو مکہ یا مدینہ میں مرنا نصیب ہو،

اس بہانہ سے حجاز کے طلبہ کو بہت نفع پہونچا، اور کئی پشتوں نے ان سے علم حاصل کیا، مکہ میں ۳۵۰ھ میں انکی وفات ہوئی، اس سفر میں ان کے لڑکے احمد بھی ساتھ تھے، وہ حرم میں وعظ کما کرتے تھے، اس کے بعد جامع ازہر میں یہ خدمت انھوں نے انجام دی، شعرائ کا بیان ہے، آتنا بڑا مجھ کسی دوسرے کے وعظ میں میں نے نہیں دیکھا، احمد کی وفات ۳۵۰ھ میں ہوئی،

علامہ علاء الدین رومی حسینی

ٹرکی کے باشندہ تھے، علی بن احمد نام تھا، سلطان بایزید خاں مرہ آرائے سلطنت ہوا،

تو اس نے ایک دن انکو خواب میں دیکھا، اسکو عقیدت ہو گئی، اور اس نے انکو بویا کر وہ نہیں آئے تو کسی مدرس میں مدرس مقرر کر دیا، بدتوں درس دینے کے بعد وہ حج کی نیت سے نکلے اور مصر آکر ایک سال وہاں قیام کیا، پھر حج کر کے روم (ترکی) لوٹے، تو بایزید خاں نے انکو افتاء کا منصب سپرد کیا، اور سو درہم روزانہ ان کے لئے مقرر کیا،

اس کے بعد جب بایزید نے قسطنطنیہ میں اپنا مدرسہ تعمیر کرایا، تو اسکو بھی ان کے جوا کر کے ان کے وظیفہ میں پچاس درہم روزانہ کا اضافہ کر دیا،

آپ شب روز تلاوت و عبادت اور تدریس و افتاء میں مصروف رہتے تھے، کسی بڑائی سے یاد نہیں کرتے تھے، دروازہ بند کر کے ہمیشہ ایک بالافانہ پر رہتے تھے، بالافانہ کے دروازہ سے سوالات ڈال دیئے جاتے تھے اور وہ جواب لکھ کر لٹکا دیتے تھے،

امرا المعروف و منی عن، لشکر کے باب میں ان کے یہاں امیر و غریب میں کوئی تفریق نہیں تھی، ایک بار سلطان سلیم (ترکی) نے سرکاری دفاتر کے ڈیڑھ سولازموں اور افسروں کے قتل کا حکم صادر کر دیا، جب ان کو خبر ہوئی تو خلافت دستور انھوں نے دربار شاہی کا رخ کیا،

مفتی حضرات دربار میں نہیں جایا کرتے تھے، جب دربانوں اور دوسرے لوگوں نے انکو دیکھا تو سخت متحیر ہوئے، پوچھا آپ نے کیسے تکلیف کی، فرمایا میں سلطان سے ملنا پاتا ہوں، اطلاع کرائی گئی، سلطان نے انکو تنہا بلایا۔ جب سلطان کے پاس پہنچے تو سلام کر کے بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ مفتیوں کا فرض ہے کہ وہ سلطان کی عافیت کا پورا پورا لحاظ رکھیں،

میں نے سنا ہے کہ آپ نے ڈیڑھ سولازمین سرکار کے قتل کا حکم نافذ فرما دیا ہے جن کا قتل شرعاً جائز نہیں ہے، سلیم بہت تند مزاج تھا اس نے کہا آپ حکومت کے معاملہ میں دخل نہ دیجئے، یہ آپ کا کام نہیں ہے، آپ نے فرمایا میں تو آپ کی آخرت و عاقبت کے معاملہ میں دخل دے رہا ہوں، اور یہ میرے فرائض میں داخل ہے، آپ اگر انکو معاف فرمادیں گے تو آپ کی نجات ہے، ورنہ بڑے عذاب میں گرفتار ہوں گے،

یہ سب سلطان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور سب کی جاں بخشی کر دی، اس کے بعد قموڑی
 دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد سلطان سے کہا کہ ان لوگوں کے سابق منصب بھی ان کو عطا
 فرما دیجئے، سلطان نے اسکو بھی قبول کر لیا،
 آپ کی وفات سلسلہ میں ہوئی،

مبارک بن عبداللہ حبشی دمشقی

آپ بڑے باخدا بزرگ تھے، آپ کے مرید بکثرت تھے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر
 کے باب میں نہایت سخت تھے، کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، شراب بندی کے سلسلہ میں ترکی
 حکومت کے عامل سے کئی بار ٹکری،

آپ اپنے مریدوں کو میکہ ناکوں پر بیٹھ جاتے تھے، اور جب شراب لانے والے شراب
 لے ہوئے گذرتے تو مشکوں کو پھاڑ کر شراب بہا دیتے، اسکی خبر حکام کو پہونچی تو آپ کے چند مرید کو
 گرفتار کر کے لے گئے، شیخ مبارک چھڑانے کے لئے آگئے تو ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا

جب قاضی بن عمبلون کی سفارش سے رہا ہوئے تو شیخ کے باقی ماندہ مریدوں نے بدبول
 کر جیلانی نہ کا دروازہ توڑ دیا اور ان کے مریدوں کو نکال لائے، حکومت کو طیش آیا اور تقریباً ستر
 مریدوں کو حکومت نے قتل کرادیا،

شیخ مبارک اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کو گئے، مکہ پہونچے، تو پیسہ چلک گیا
 اور فاتے ہونے لگے، شیخ نے ایک مرید سے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بازار لے چلو، اور مجھے بیچ کر
 جو قیمت وصول ہوا اسکو باقی لوگوں پر خرچ کر دو، اس نے ایسا ہی کیا، شیخ کو کسی عجمی تاجر نے
 خریدا تھا، پھر اس نے آپ کو آزاد کر دیا،

آپ کی وفات سلسلہ میں ہوئی، دمشق میں مدفون ہوئے

سراج الدین عبادی

آپ کا نام عمر تھا، بڑے جید عالم تھے، زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری میں بڑے متاثر تھے،
مجاہد الدعوات بھی تھے، آپ نے قواعد زکشی کی شرح لکھی ہے جو دو جلدوں میں ہے،
آپ حج کے بعد جب زیارت نبوی کے لئے مدینہ حاضر ہوئے تو رات کے وقت جب لوگ
سورہ تھے، حجرہ نبوی کا دروازہ از خود کھل گیا، آپ اندر گئے، جب زیارت کر کے باہر آئے تو
دروازہ آپ سے آپ مقفل ہو گیا،
آپ کی وفات ۳۴۵ھ میں ہوئی،

شیخ عبد اللطیف جامی

آپ محدث و مفسر، اور شیخ طریقت تھے، اپنے مریدوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ حج کے
لئے روانہ ہوئے، پہلے قسطنطنیہ گئے، سلطان سلیمان خان کا زمانہ تھا، اس نے اور امراء و دولت مند
آپ کا بڑا اکرام کیا، سلطان کو آپ نے ذکر کی تلقین بھی فرمائی، اس کے بعد حلب و دمشق آئے اور
غالباً ۹۳۹ھ میں آپ نے حج کیا، ۹۶۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی،

امام ابوالحسن بکری صوفی و محدث

آپ کا نام علی بن محمد تھا، شیخ الاسلام قاضی زکریا کے شاگرد تھے، علوم شریعت، فقہ و حدیث
و تفسیر میں متبحر تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، علم تصوف میں ان کے استاد شیخ رضی الدین
غری تھے، امام شعرانی کا بیان ہے کہ وہ مصر کے پہلے عالم ہیں، جنہوں نے مصر سے محفہ (پالکی) میں سفر
حج کیا، ان کے بعد اوروں نے بھی کیا،

شعرانی فرماتے ہیں کہ ایک بار سفر حج میں، میں بھی ان کے ساتھ تھا، میں نے ان سے زیادہ وسیع
اخلاق کا انسان نہیں دیکھا، نہ ان سے زیادہ صدقہ دینے والا دیکھا، خواہ علانیہ ہو یا چھپا کر، عموماً ان

کو وہ کسی کو کچھ نہ دیتے تھے، اکثر ارات میں صدقہ دیتے تھے، ان کی کم سنی کے باوجود عوام و خواص کا ان کی طرف بڑا رجوع تھا، لوگ ان کو قطب قرار دیتے تھے،
قاہرہ میں ان کی وفات ۳۷۷ھ میں ہوئی۔

ناچیز کتاب کے شیخ علی ستقی ہندی بھی ابوالحسن بکری کے درس حدیث میں شریک ہوئے ہیں، اور انکی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں، شیخ ابوالحسن نے جب علی ستقی کی کثر العماں کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ یٰسَیُّوْطِیْ مَنْتَ عَلٰی الْعُلَیْنِ وَلِلْعَلِّیِّ مَنْتَ عَلَیْہِ رِیْوُطِیْ کا احسان سائے لوگوں پر، اور سیوطی پر علی ستقی کا احسان ہے، ستقی کے علاوہ، ملا علی قاری، اور شیخ ابن حجر کی وغیرہ بھی ابوالحسن بکری کے تلامذہ ہیں،

سید قطب الدین صفوی ابی

عیسیٰ بن محمد نام تھا، شہد میں پیدا ہوئے، گجرات میں شیخ ابوالفضل کا زردانی کی خدمت میں مختصر و مطول وغیرہ پڑھ کر اجازت حاصل کی، پھر وہیں ابوالفضل استرابادی کے پاس متعدد اسباق کی سماعت کی، اس کے بعد دلی گئے اور علماء کی مجلسوں میں شریک ہوئے، اور بحث و مذاکرہ ہوا، تو ان کا کمال ظاہر ہوا،

ابراہیم بن سکندر شاہ نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی، اس کے بعد انھوں نے حج کیا، اور چند سال مکہ میں اقامت کی، مدینہ حاضر ہوئے تو وہاں شیخ احمد بن موسیٰ شیشنی کی صحبت اختیار کی، انھوں نے آپ کے سر پر دستار باندھی اور اجازت دی اس کے بعد دمشق و حلب اور ٹرکی کی سیر و سیاحت کر کے قاہرہ میں مقیم ہوئے، اور وہیں ۳۹۵ھ میں وفات پائی،

شذرات میں ہے کہ وہ زمانہ کے عجائب میں تھے، وہ سید معین الدین ابی صاحب تفسیر معینی کے والد تھے،

شیخ ابن حجر مکی

آپ کا نام احمد بن محمد تھا، اقلیم مصر کے محلہ ابی الہیثم میں سلسلہ میں پیدا ہوئے، ۷۲۵ھ میں جامع ازہر میں داخل ہوئے، شیخ الاسلام ذکریا النصارى، عبدالحق سنباطی اور ابوالحسن بکری وغیرہم سے علوم و فنون حاصل کئے، بیس برس سے کم ہی عمر میں انکو اساتذہ نے درس و افتاء کی اجازت دیدی، اواخر ۷۳۳ھ میں مکہ آئے، اور حج کر کے مجاور حرم ہو گئے، چند دنوں کے بعد مصر واپس آئے اور ۷۳۷ھ میں اہل و عیال کو قتل کر دیا، پھر ۷۳۸ھ میں حج کو آئے تو اس وقت سے مستقل مکہ میں سکونت اختیار کر کے مجاور حرم ہو گئے، اور اہلینا کے ساتھ درس و فتویٰ کے علاوہ تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے،

انکی تصنیفات میں صواعق محرقة، الزواجر، تطہیر الجنان وغیرہ چھپ چکی ہیں، ان کے شاگردوں کی تعداد بیشمار ہے، اس دور میں انکی شاگردی پر فخر کیا جاتا تھا، وہ شیخ الاسلام خاتمہ العلماء، اور امام الحرمین کے اپنے انقاب سے یاد کئے جاتے تھے، ان کے شاگردوں میں علی متقی، ملا علی قاری، اور ہندوستان کے شیخ الاسلام ملا عبد النبی بھی ہیں، انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی، مکہ میں ان کا مزار ہے،

شیخ عبد الوہاب شرانی

وہ عالم باعمل، زاہد و فقیہ، محدث و اصولی، اور صوفی و مری تھے، ۹۱۱ھ میں مصر آکر بڑی جانفشانی سے علوم و فنون میں مہارت پیدا کی، محدثین کی خدمت میں رہ کر علم حدیث میں بھی کمال پیدا کیا، پھر سلوک کی طرف میلان پیدا ہوا اور نہایت سخت سخت مجاہدے کئے، برسوں ان کا معمول تھا کہ نہ دن کو بیٹھے تھے نہ رات کو مسلسل کئی کئی دن رونے رکھتے، اور گدڑی پہنتے تھے، غسل کے بعد ذکر کی مجلس شروع کرتے تھے تو صبح ہی کو ختم کرتے تھے، اس طرح انکی روحانیت بہت قوی ہو گئی تھی،

مشائخ طریقت میں علی خواص، صغی، درشناوی کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے، اس کے بعد تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، انکی متعدد تالیفات چھپ چکی ہیں، وہ نہایت پابند سنت، اور سخت پرہیزگار تھے، محتاجوں اور فاقہ مستوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے، لوگوں کی اذیتیں برداشت کرتے تھے، انکی خانقاہ میں تقریباً سوا سو اندھے اور معذور جمع ہو گئے تھے، سب کو کھانا پکڑا دیتے تھے، بہت باہمیبت و حرمت تھے، امراء ان کے دروازہ پر حاضری دیتے تھے، ان کی خانقاہ سے شب و روز شہد کی مکھیوں کی آواز کی سی آواز آتی رہتی تھی،

ان کا مقولہ تھا، کہ شریعت جد صریحے چلے ادھر چلو، کشف کے ساتھ نہ چلو، کشف غلط بھی ہوتا ہے، اور فرماتے تھے کہ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ بکثرت کرو،

امام شعرانی نے متعدد ج کئے ہیں، سب پہلے ج انھوں نے ۹۱۵ء میں کیا، پھر ۹۲۷ء میں بھی اپنے ج کا ذکر انھوں نے کیا ہے، اس سفر میں شیخ علی متقی سے ان کو شرف ملاقات حاصل ہوا ہے، پھر ۹۵۳ء میں بھی یہ سعادت انکو ملی ہے، ایک ج میں وہ شیخ ابو الحسن بکری کے ہم سفر تھے،

وہ ج کے لئے جاتے تھے تو مکہ و مدینہ میں بزرگان دین کی صحبت میں رہنے کا اہتمام کرتے تھے، اپنی کتابوں میں جگہ جگہ انھوں نے ج کے ضمن میں بزرگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا ذکر کیا ہے،

شیخ شعرانی کی وفات ۹۷۲ء میں ہوئی،

خطیب شربینی

محمد بن محمد نام تھا۔ آپ کا شمار علمائے کبار میں ہے، آپ سے بیشمار لوگوں نے نفع اٹھایا ہے، اہل مصر کا ان کے صلاح و تقویٰ پر اجماع تھا، سب لوگ ان کے علم، زہد و تقویٰ اور کثرت

عبادت کے مزاج تھے،

انکی عادت تھی کہ ابتدائے رمضان سے جامع مسجد میں اعتکاف شروع کرتے تھے، تو عید کی نماز کے بعد ہی نکلتے تھے، جب حج کرتے تھے تو جب تک خوب تھک نہ جاتے تھے سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے، اور مصر سے روانہ ہو کر جب برکتہ الحاج سے آگے بڑھتے تو وہاں سے راستہ بھراہل قافلہ کو مناسک حج اور آداب سفر سکھاتے اور نماز کی ترغیب دیتے، اور قصر نماز وغیرہ کی تعلیم دیتے، راستہ میں قرآن کی تلاوت بھی بہت کرتے تھے، جب مکہ میں ہوتے تو کثرت سے طواف کرتے، اسی کے ساتھ روزے بھی رکھتے تھے، سفر میں بھی اکثر روزہ رکھتے، نیز کھانے پینے آرام و راحت میں اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، ان کو گناہی پسند تھی،

مختصر یہ کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، سلسلہ میں انکی وفات ہوئی مولف کتا ہے کہ مدت ہوئی نول کشور پریس سے تفسیر کی ایک کتاب السراج المنیر شائع ہوئی ہے، اس کے مولف بھی خطیب شرمینی ہیں، مگر کتاب کے آخر میں ان کا نام محمد بن احمد چھاپا ہے، اس لئے تحقیق طلب ہے کہ وہاں غلطی ہوئی ہے، یا شذرات الذہب میں سہو ہوا ہے، یا دونوں کی شخصیتیں جدا جدا ہیں، السراج المنیر کی تالیف سے سلسلہ میں فراغت ہوئی ہے اس لئے زمانہ تو وہی ہے جو ہمارے خطیب شرمینی کا ہے،

استاذ اعظم محمد بن ابی الحسن بکری

آپ مشہور محدث و شیخ طریقت ابوالحسن بکری کے صاحبزادہ تھے، قاضی زکریا اور اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد تھے، ان کو درس و اعلا میں حیرت انگیز کمال تھا، انکی تقریریں سننے والوں کو صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان کا علم کسی نہیں، وہی ہے، انکی تقریر نہایت صحیح و فصیح ہوتی تھی کبھی کوئی غلطی نہیں پکڑی جاسکی، اپنے زمانہ میں وہ ہمیشہ عالم تھے، ان کا معمول تھا کہ ہر دوسرے سال حج کیا کرتے تھے، انکی وفات قاہرہ میں سلسلہ میں ہوئی،

شیخ احمد بن محمد نروالی

آپ کا لقب علامہ الدین تھا، سترھہ میں پیدا ہوئے، نروال (گجرات) میں تحصیل کرنے کے بعد مجاز کا سفر کیا، اور وہیں اقامت کر لی،

کہ میں عبد العزیز بن محمد الدین عمر سے حدیث کی سند حاصل کی، نہایت صالح و متقی بزرگ تھے، ان کے رط کے قطب الدین نروالی مفتی و مورخ مکہ کا بیان ہے کہ جب تک ہمارے والد کی بیانی قائم تھی اس وقت تک ان کا برابر یہ سہوں تھا کہ دسویں ذی الحجہ کو کنکری مارنے کے بعد فوٹو لکھ کر حطیم میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے، اور مغرب کی نماز کے وقت تک برابر طواف کرنے والوں کو دیکھا کرتے تھے، مغرب کے بعد طواف زیارت کر کے سہی کرتے، اس کے بعد منی روانہ ہو جاتے،

فرماتے تھے کہ لازمی طور پر ہر سال اولیاء اللہ حج کو آتے ہوں گے، اور وہ حضرات افضل ہی پر عمل کرتے ہوں گے، یعنی دسویں ہی کو طواف کرتے ہوں گے اس لئے میں منی سے جلد چلا آتا ہوں اور حطیم میں بیٹھ کر طواف کنیوٹو لکھوں میں دیکھتا رہتا ہوں کہ شاید کسی دلی پر میری نگاہ یا اسکی نگاہ مجھ پر پڑ جائے اور اسکی برکت مجھے حاصل ہو،

مفتی قطب الدین کہتے ہیں کہ پھر جب انکی بیانی جاتی رہی تو ہم لوگ ان کو بیجا کر حطیم میں بٹھادیتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ میں نہیں دیکھ سکتا تو شاید انھیں کی نگاہ مجھ پر پڑ جائے، اور برکت حاصل ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

آنا کہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشتہ چشمتہ با کنند
شیخ کی وفات مکہ میں سترھہ میں ہوئی (نزمیتہ)

حافظ سخاوی نے انوار اللہ معین لکھا ہے کہ احمد نروالی نے سترھہ میں حج کیا، و بجاورت مکہ کی اقامت اختیار کی، انھوں نے مجھ سے بخاری و مسلم و شفاء قاضی عیاض اور دوسری کئی کتبیں پڑھیں، میں نے انکو بہت لمبی سند لکھ کر دی، شیخ احمد سند لیکر

ہندوستان چلے آئے تھے اس کے بعد پھر کہ گئے تو وہیں کے ہو رہے،

شیخ قطب الدین ہنروالی مفتی مکہ

آپ کا نام محمد بن احمد تھا، شیخ احمد ہنروالی کے صاحبزادہ تھے، ۹۱۵ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد سے تحصیل علم کے بعد مکہ گئے، اور وہاں محب الدین احمد نویری اور محدث یمن عبدالرحمن ابن الدیج سے حدیثوں کی سماعت کی، ۹۲۲ھ میں مصر جا کر علم حاصل کیا، قاضی شوکانی نے البدر الطالع میں انکی بڑی مدح سرائی کی ہے، لکھا ہے کہ وہ اشرف رکھام مکہ کی طرف سے انشاء لکھا کرتے تھے، ترکوں میں انکی بڑی قدر و منزلت تھی، ترکی حکومت کے امراء و اکابر میں سے جو کوئی حج کے لئے آتا تھا اسکو بھی طواف کرایا کرتے تھے، ان کے سوا کسی کو وہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے، ترکی لوگ بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے تھے، یہ ان رقموں سے عمدہ عمدہ قیمتی کتابیں خریدتے تھے، اور ضرورت مندوں کو دیتے تھے،

ان کو سیر و تفریح کا بھی بہت شوق تھا، طائف بہت جاتے تھے اور اپنے ساتھ علماء و ادباء کی ایک جماعت کو بھی لے جاتے تھے، اور سب کے مصارف خود برداشت کرتے تھے، احمد شاہ گجراتی نے جو مدد مکہ میں قائم کیا تھا اس کے متولی ہی تھے، دوبار قسطنطنیہ گئے، دوسری مرتبہ ۹۲۵ھ میں وہاں گئے، تو سلطان سلیمان خاں نے ان کو خلعت شاہانہ عطا کی، سلیمان خاں نے مکہ میں سلیمانیہ نام کے چار مدرسے چاروں مذہبوں کے لئے قائم کئے تو مدرسہ حنفیہ سلیمانیہ کو ان کے حوالہ کیا، اور پچاس عثمانی یومیہ ان کا وظیفہ مقرر کیا،

سلطان مراد خاں نے انکو مفتی مکہ کا عہدہ سپرد کیا، اور یومیہ پچاس عثمانی اس نے بھی وظیفہ مقرر کیا، نیز حرم کا خطیب بھی انھیں کو نامزد کیا، اور خطابت کے صلہ میں یومیہ مزید چالیس عثمانی مقرر ہوئی، پھر سلطان مراد خاں نے صفیہ بیگم عثمانیہ قائم کیا، اور اس میں تدریس کا عہدہ ان کو سپرد ہوا تو پھر یومیہ پچاس عثمانی کا وظیفہ مقرر ہوا

ماہل یہ کہ حکومت ٹرکی میں ان کا بڑا اعزاز تھا، سلطان مراد ان کی باتوں کو رد نہ کرتا تھا۔۔۔ ان کی بہترین تصنیف الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ہے جو مصر میں طبع ہو چکی ہے،

ترکوں نے جب یمن فتح کیا، تو ایک کتاب البروق الیہائی فی انعم العثمائی بھی انھوں نے لکھی ہے۔ صاحب شذرات الذہب نے مفتی قطب الدین کو الامام العلما کے عنوان سے ذکر کیا ہے، مفتی صاحب کی وفات مکہ میں سن ۱۲۹۵ھ میں ہوئی

شیخ علم الدین حاجی

آپ تارک الدنیا، اور علاقے سے مجرد تھے، اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، جب مکہ منظم کے لئے روانہ ہوتے تو ایک ہانسی ایک تیشہ ساتھ لے لیتے اور راستہ میں جنگل کی کڑیاں اور گھاس کاٹ کر فروخت کر کے کھاتے، کسی سے بھیک نہ مانگتے، نہ نذر قبول کرتے، اپنے کو بزرگ ظاہر نہیں کرتے، عوام کی طرح رہتے سہتے تھے،

ملا محمد نرنولی کا بیان ہے کہ میرے دادا، اور شیخ صدر الدین کھرولی اور شیخ علم الدین، ایک ساتھ حج کے لئے نکلے، جب سمندر کے ساحل پر پہنچے تو جہاز والوں نے تقشیش شروع کی کہ کوئی اپنے ایسے خویش و قریب کو چھوڑ کر تو نہیں آیا ہے، جو اسکی خدمت کا محتاج ہو، کوئی ایسا ہو تو جا کر اس کی خدمت کرے،

شیخ علم الدین اپنی مکر سے ہانسی اور تیشہ باندھے ہوئے تھے، انکو بلا کر کہا کہ میرے خویش و اقارب بس یہی ہیں، جہاز والے مسکرائے اور ان کو کشتی میں بٹھالیا۔ باقی دو حضرات واپس چلے آئے،

شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری

آپ سید جلال بزرگ کی اولاد میں تھے، بڑے بزرگ اور علم و عمل میں ممتاز تھے، ایک دن ملتان میں اپنے استاد و خسر سید عبدالدین بخاری کی خدمت میں حاضر تھے کہ سید نے فرمایا کہ دنیا میں اب بھی خدائے تعالیٰ کی ایسی دو نعمتیں موجود ہیں جو تمام نعمتوں سے بالاتر ہیں مگر لوگ انکی قدر نہیں پہنچاتے، ایک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک جو بھفت حیات مدینہ منورہ میں موجود ہے، دوسرے قرآن پاک جو بعینہ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔۔۔ حاجی عبدالوہاب اس نکتہ کو سنتے ہی اٹھے، اور پیرے زیارت مدینہ کی رخصت چل کر کے خشکی کے راستہ سے روانہ ہو گئے اور یہ سعادت عظمیٰ حاصل کر کے وطن لوٹے، سکندر لودھی کے زمانہ میں وہ ملتان سے دہلی آئے، سلطان سکندر کو ان سے اعتقاد پیدا ہوا اور ان کی تعظیم و تکریم میں اس نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، حاجی عبدالوہاب دوسری بار دہلی سے حرمین کی زیارت کے لئے گئے اور یہ سعادت مکرر حاصل کی۔ شیخ کی وفات دہلی میں ۹۳۲ھ میں ہوئی۔

شیخ عبدالنسب گنگوہی

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے، جوانی میں حرمین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ بعض فقہائے مکہ کے پاس کچھ حدیث نبوی پڑھی۔ بعض فقہاء کہے مراد ابن حجر کی ہیں، جیسا کہ دوسرے تذکرہ میں اسکی تصریح موجود ہے، حج سے واپسی کے بعد اباحت سماع کے مسئلہ میں ان کا اپنے والد شیخ رکن الدین سے اختلاف ہو گیا، جس سے انکی بڑی شہرت ہوئی، اس زمانہ میں اکبر کو ایک صدر کی تلاش تھی جو علم و دیانت کے ساتھ متصف ہو، چنانچہ ۹۷۱ھ میں انکو مسند صدارت تفویض ہوئی، اور صد سے زیادہ جاہ و جلال

اور رسوخ و اعتبار انکو حاصل ہوا۔ اکبر ان کا بچہ مقتد تھا، حدیث سننے کے لئے خود ان کے گھر پر ہوتا تھا، اور انکی جوتیاں سیدھی کرتا تھا، — مگر چند برسوں کے بعد زمانہ نے کر دیا بدلی، اور بادشاہ کا مزاج ان سے برہم ہو گیا،

اکبر کے مزاج کو ان سے برہم کرنے میں ابو الفضل اور فیضی کا ہاتھ تھا، چنانچہ ان کے مہر مورخ بدایونی نے لکھا ہے کہ ایک شخص جو شرفاگردن زدنی تھا، اس کے قتل کا حکم صادر کرنے پر ان لوگوں نے اکبر کو شیخ عبدالبنی سے برگشتہ کر دیا، تا آنکہ ۹۸۶ھ میں انکو صدارت سے معزول کر کے مولانا عبداللہ سلطانپوری مخدوم الملک کے ساتھ مکہ روانہ کر دیا۔

مکہ سے واپسی کے بعد مخدوم الملک تو گجرات پہنچ کر ۹۹۱ھ میں انتقال کر گئے، اور شیخ عبدالبنی دہلی آئے اور جیلانہ بھیج دیئے گئے، جیلانہ ہی میں ۱۰۰۹ھ میں انکی وفات ہوئی، شیخ عبدالبنی نے کئی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں، ازاںجملہ سنن الہدیٰ انکی بہترین تصنیف ہے جو شیخ عبدالحق کے مطالعہ میں بھی رہی ہے۔ اسی طرح انکی ایک کتاب دلائل النبی بھی اچھی کتاب ہے،

افسوس ہے کہ انہیں سے اب تک کوئی طبع نہیں ہوئی، مولانا عبدالحق رائے بریلوی نے شیخ عبدالبنی کی حیات سنت الدینی لغت بدعت کی تعریف کی ہے (لاحظہ ہو نزہۃ الخواص ص ۳۲)

شیخ جمالی

ان کا اصل نام جلال خان تھا، جمالی ان کا تخلص ہے، مولانا سہاء الدین دہلوی کے مرید تھے، انھوں نے سیاحت بہت کی تھی، حرمین شریفین کی زیارت سے بھی بہرہ اندوز ہوئے، علاوہ دہانی اور مولانا جامی کی زیارت بھی کی تھی۔ شاعری میں کمال حاصل تھا، لغت میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے، اور بعض صلحاء نے خواب میں دیکھا تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے صہ

موسمی زہوش رفت بیک پر تو مصفا تو عین ذات می نگری و تسمی
شیخ جالی کی وفات سلسلہ میں ہوئی، ان کے بڑے بیٹے شیخ محمد انی نے بھی اہل علم
سمیت زیارت حرمین کی سعادت حاصل کی تھی، ان کی وفات سلسلہ میں ہوئی،

سید رفیع الدین صفوی

حسبی ونسبی فضائل سے آراستہ تھے، ان کے آباء و اجداد عالم و صالح و متقی تھے،
میر معین الدین صفوی صاحب تفسیر معینی ان کے اجداد میں تھے،
سید رفیع الدین بڑے ادنیٰ درجہ کے عالم و محدث تھے، معقولات میں دوائی کے
شاگرد تھے۔ دوائی چونکہ ان کے خاندان کے شاگرد تھے، اس لئے ان کے گھر اگر ان کو
پڑھاتے تھے، سید رفیع الدین حدیث میں حافظ سخاوی کے شاگرد تھے،
کہا جاتا ہے کہ شیخ سخاوی نے قبل اس کے کہ سید رفیع الدین انکی خدمت میں پہنچیں
پچاس سے زائد کتابوں کی سند لکھ کر ان کے پاس بھیج دی تھی، اس کے بعد وہ حاضر خدمت
ہوئے اور ایک مدت مدید تک ان کے سامنے زانوئے تلمذہ کیا اور مشافعت ان سے حدیثیں
سُنیں۔ سید رفیع الدین شیراز میں پیدا ہوئے، اور سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں ہجرت
ہوتے ہوئے دہلی آئے، سلطان ان کا بہت گرویدہ ہوا، پھر اسکی اجازت سے انھوں نے
آگرہ میں سکونت اختیار کی، مزار بھی وہیں ہے، سلسلہ میں انکی وفات ہوئی،

میر سید عبدالاول جوہپوری

تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں ماہر تھے، ان کا خاندانی وطن زید پور تھا، انکی پیدائش
دکن میں ہوئی اور وہیں تحصیل علم سے فارغ ہو کر نام پیدا کیا، پھر ہجرت آئے، اور وہاں سے
حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے، وہاں سے لوٹ کر احمد آباد آئے، آخر میں خانقاہان محمد

بریم فاں جو بقول محدث دہلوی درویشوں کی محبت اور علماء و فضلاء کی تربیت و تقدیر و منزلت میں دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، کے اصرار سے دہلی آئے اور دو برس زندہ رہ کر ۹۶۸ھ میں گزلی عالم آخرت ہوئے، آپ کی یادگار بنھاری کی ایک شرح ہے جس کا نام فیض البھاری ہے، سیرت پر فارسی زبان میں آپ کا ایک مختصر رسالہ بھی میں نے دیکھا ہے،

حضرت شیخ علی متقی صاحب کثرالعمال

علی بن حسام الدین نام تھا۔ آبائی وطن جو پور ہے، آپ کی پیدائش برہان پور کی ہے والد نے سات ہی آٹھ سال کی عمر میں آپ کو شاہ باجن چشتی برہانپوری کے ہاتھ پر بیعت کرادی تھی۔ چند دنوں کے بعد باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور کوئی سرپرست نہ ہونے کے سبب لڑکپن لودلعب میں گزرا، جوانی کے قریب پہونچے تو کسی بادشاہ کی معیت میں مندو (مانڈو) مالوا آئے اور کچھ دنیا ہاتھ لگی، مگر یک بیک ایک غیبی کشش سے ان کا دل دنیا سے سرد ہو گیا اس لئے دنیا کو لات مار کر، شاہ باجن کے لڑکے اور جانشین شیخ عبدالحکیم کی صحبت اختیار کی اور ان کے ہاتھ سے مشائخ چشت کا خرد خلافت زیب تن کیا

چونکہ عزیمت و تقویٰ ان کے خیر میں تھا، اس لئے ملتان پہونچ کر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں درع و تقویٰ کی منزلیں طے کیں، ساتھ ہی ساتھ دو سال میں تفسیر بہیاد اور عین العلم کا مطالعہ بھی ان کی خدمت میں کیا، اس کے بعد توفیق نے یادری کی اور حجاز پہونچے حجاز میں شیخ ابوالحسن بکری (جو بابا جماع اپنے زمانہ کے ادیاء میں تھے) کی صحبت اور شاگردی اختیار کی، ان کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی استفادہ کیا،

شیخ نے مستقل طور پر کمہ میں اقامت اختیار کر لی، اور بقول محدث دہلوی اپنے عبادت و بندہ کے انوار سے عالم کو منور کیا، اور آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے ساری دنیا مستفید ہوئی۔ طلبہ کی تعلیم، مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف کی راہ سے عم اور دین کی عظیم اہم

خدمتیں انجام دیں،

کثر اعمال ان کا اتنا بڑا علمی کارنامہ ہے کہ ان کے استاد شیخ ابوالحسن بکری فرمایا کرتے تھے کہ سیوطی کا احسان سائے عالم پر ہے، مگر سیوطی پر متقی کا احسان ہے کہ انکی کتاب کو مرتب کر کے استفادہ آسان کر دیا،

شیخ ابن حجر کی بھی آپ کے استاد تھے، اور اپنے زمانہ میں مکہ کے سب سے بڑے عالم و فقیہ تھے وہ باوجود استاد ہونے کے، علی متقی کی حدیث فہمی وجودت استنباط کے اس درجہ قائل تھے کہ کسی حدیث کی مراد سمجھنے میں انکو وقت ہوتی تو اپنا آدمی بھیج کر علی متقی سے دریافت کراتے تھے کہ اس حدیث کو آپ کثر اعمال کے کس باب میں رکھا ہے، پھر اس قرینہ سے حدیث کی مراد سمجھنے کی کوشش کرتے تھے،

شیخ ابن حجر سے استاد شیخ علی متقی نے پڑھا تھا، مگر بعد میں شیخ ابن حجر علی الاعلان اپنے کو ان کا حقیقی شاگرد دیکھتے تھے، بلکہ آخر میں ان کے مرید ہو کر ان کے ہاتھ سے خرقہ خلافت بھی پہنا مکہ کے دوسرے علماء کبار بھی حدیث دانی میں انکی نکتہ رسی، و دقیقہ بینی کے قائل اور بہت مداح تھے، مشائخ وقت ان کے کمال ولایت کے معترف تھے، اور خواص و عوام جس طرح مشائخ سلف کا نام لیا کرتا ہے، اس طرح تنظیم و تکریم سے ان کا نام لیتے تھے، شیخ علی متقی کے تلمیذ ارشد اور خلیفہ راستین شیخ عبد الوہاب متقی کا بیان ہے کہ شیخ جب ملتان سے روانہ ہو کر گجرات پہنچے تو اس وقت گجرات میں سلطان بہادر شاہ گجراتی کی حکومت تھی، سلطان آپ کے اوصاف و کمالات سکر خواہشمند ہوا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو، آپ نے اسکو منظور نہیں فرمایا،

آپ کا اس وقت یہ حال تھا کہ جدھر جاتے تھے لوگ پروانہ وار آپ پر ٹوٹے پڑتے تھے اور آپ حجرہ کا دروازہ بند کر کے یاد حق میں مشغول رہتے، کسی کو آنے نہیں دیتے تھے، اتفاق سے اس وقت قاضی عبد اللہ سندھی جو بڑے پرہیزگار اور نامی عالم تھے، سندھ

ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے، راستہ میں کچھ دنوں کے لئے گجرات میں ٹھہر گئے تھے۔ قاضی صاحب شیخ علی مشقی سے محبت و عقیدت کا نہایت قوی رابطہ رکھتے تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ سلطان بہادر کو حد سے زیادہ شوق ملاقات ہے، اور اسکی طلب صادق ہے تو شیخ سے عرض کیا کہ سلطان کی درخواست کو منظور فرما کر ایک بار ملنے کی اجازت دیدی جائے۔ آپ چاہیں تو اس سے بات بھی نہ کریں، ہم اسکو باتوں میں لگائے رہیں گے، آپ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ نامشروع لباس پہن کر اور غیر شرعی وضع قطع میں آئے اور میں اسکو اس طرح دیکھ کر خاموش رہوں، امر موعود و نہی عن المنکر نہ کروں۔

قاضی صاحب نے کہا کہ حضرت جو چاہیں کہہ سکتے اور کر سکتے ہیں، سلطان کو تو صرف اسکی تمنا ہے کہ ایک بار خدمت اقدس میں حاضری کا شرف اسکو حاصل ہو جائے، اس کے بعد آپ رضی ہوئے، اور سلطان بہادر آیا، شیخ نے جو جو نصیحتیں مسافر کو کہیں سب کہیں۔

دوسرے دن سلطان نے گجرات کا ایک کردرتنگہ (جو میرے خیال میں اسی ہزار روپے سے زائد ہوتا ہے) نذرانہ بھجوایا۔ شیخ نے وہ سب اٹھا کر قاضی عبداللہ کو دیدیا اور فرمایا کہ چونکہ اس رقم کے حصول کا واسطہ آپ بنے ہیں اس لئے اس کا تعلق آپ سے ہے۔

شیخ عبد الوہاب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مکہ کے ایک وزیر نے آپکی دعوت کیلئے بڑا اصرار کیا اور کہا کہ بندہ کے گھٹ تک قدم رنجہ فرمائیں تاکہ برکت ہو۔ فرمایا مجھے معذور تصور فرمائیں، میں میں سے دعا کروں گا، خدا برکت دیگا، مگر وہ نہیں، انا، تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تین شرطوں کے ساتھ منظور ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ میری جہاں خواہش ہوگی وہاں بیٹھوں گا، یہ اصرار نہ ہو کہ صدر مقام میں تشریف رکھئے، دوسری یہ کہ مجھکو چاہے گا وہ کھاؤں گا، یہ اصرار نہ ہو کہ یہ نہیں وہ کھائیے، تیسری شرط یہ کہ جب ہمارا جی چاہے گا اٹھ کر چلے آئیں گے، کوئی یہ نہ کہے کہ فوراً دیر اور تشریف رکھیں، وزیر نے سب شرطیں منظور کیں تو وعدہ فرمایا کہ کل آئیں گے۔

دوسرے دن شیخ نے اپنے تھیلے میں جسکو وہ ہر وقت گلے میں لٹکائے رہتے تھے، روٹی کے

کچھ ٹکڑے رکھے اور تن تنہا وزیر کے گھر روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھ تو اس نے ایک شاہانہ مجلس سجائی تھی۔ آپ اس مجلس میں دروازہ کے قریب بیٹھ گئے، اس نے کہا میں تشریف رکھئے، فرمایا کہ یہ خلاف شرط ہے، وہ چپ ہو گیا، بعد ازاں کہ جلدی کرو وقت تنگ ہے، اس نے جلدی سے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے، آپ نے تھیلے سے روٹی نکالی اور اسی کو کھایا وہ بولا، ذرا اس کھانے کو بھی چکھ لیجئے، فرمایا ہم نے تو پیسے ہی شرط کر لی ہے کہ جو مزاج میں آئے گا کھائیں گے، اس کے خلاف اصرار نہ ہوا، اس کے بعد اٹھے، اور سلام کر کے روانہ ہو گئے، شیخ علی متقی فرماتے تھے کہ جو چیز حدل کئی سے حاصل ہوئی ہو وہ کبھی ضائع نہ ہوگی، اگر گرم بھی ہو گئی تو پھر لمبا کیگی، اس پر پنا ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک بار ہم سمندر کے سفر میں کشتی پر سوار تھے، کہ طوفان آگیا، اور کشتی ٹوٹ گئی، ہم کئی آدمی ایک تختہ پر کئی دنوں کے بعد ساحل پہنچے اب ہم کو پیدل سفر کرنا پڑا، تو بہت سی کتابیں ساتھ تھیں، جن کو بیکر چلنا ممکن نہ تھا، طوفان میں کتابیں بھیگ بھی گئیں تھیں، ہم نے ان سب کتابوں کو عرب کے ریگستان میں دفن کر دیا اور وہاں ایک علامت بنا دی،

جب ہم پیدل چل کر مکہ معظمہ پہنچے، اور عمرہ کا طواف کر کے سعی سے فارغ ہوئے تو کئی بدو اپنے سردوں پر گھڑیاں لاوے ہوئے ہمارے سامنے آئے اور کہنا یہ کتابیں ہیں، انکو ہم بھینا چاہتے ہیں، ہم نے کھلوا کر دیکھا تو وہی ہماری کتابیں تھیں، ہم نے خاموشی سے ان کتابوں کی قیمت بدوؤں کو دیدی اور کتابیں لے لیں،

کتابوں کے اوراق چپک کر سوکھ گئے تھے، انکو پھر پانی میں تر کر کے جلا جلا کر دیکھا تو ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا تھا،

شیخ عبدالباق فرماتے ہیں کہ آپ کا شرفقت علم دین کی خدمت اور اس کے نشر و افادہ اور اہل علم کی امداد و اعانت میں صرف ہوتا تھا، آپ اپنے ہاتھ سے سیاہی تیار کر کے کتابیں نقل کرنے کے لئے طالب علموں کو دیا کرتے تھے، اور جو جو حکم یا باب و مفید کتابیں عرب میں مستیا

ہوتی تھیں، انکی کئی کئی نقلیں کرا کے لوگوں کو دیا کرتے تھے، اور دوسرے ملکوں میں جہاں وہ
پایہ تھیں بھجوا دیا کرتے تھے۔

کھانا برائے نام کھاتے تھے، تھوڑا سا شوربا جس کی مقدار چند تولوں سے زیادہ نہیں
ہوتی تھی اسی کے چند چمچے آپ بیتے تھے، اور باقی لوگوں کو تقسیم کر دیتے تھے۔

شیخ عبد الوہاب فرماتے ہیں کہ جوانی میں نفیس بست پڑھتے تھے، آخر عمر میں ذکر خفی، تفکر
اور تصنیف علوم دین انکی عبادت تھی، پھر بھی بڑھاپے کی کمزوری، اور ضعفِ شانہ کی وجہ سے رات
میں دس بارہ دفعہ پیشاب کرنے کی ضرورت ہوتی تھی، اور ہر دفعہ وضو کر کے دوپا چار یا زیادہ
رکتیں نفل کی پڑھا کرتے تھے،

ابتداء میں جب قوت تھی تو عتابت ذریعہ معاش تھی، بعد میں بیواؤں سے قرض لی کر
کام چلاتے تھے، اور جب کہیں سے فتوح حاصل ہوتی تو قرض ادا کر دیتے تھے، کبھی کبھی اس نذرانہ
کو بھی اپنے مصروف میں لاتے تھے، جس کی نسبت ظن غائب ہوتا تھا کہ یہ حلال کمائی کا ہے،

بزرگوں کا دھوم دھام سے عرس کرنے کے بجائے، یہ اندازہ لگا کر کہ کھانے میں کتنا طبع
ہوگا، اتنی رقم محتاجوں اور فقیروں کو خفیہ طریقہ سے دیدیتے تھے، اور فرماتے کہ کھانے کی مجلس
ترتیب دینا، اور عوام کی بھرپور جمع کرنا تکلف اور تشویش سے خالی نہیں ہے،

شیخ علی متقی سلطان محمود گجراتی صغیر کے عہد سلطنت میں دوبارہ مکہ سے گجرات آئے ہیں
بادشاہ اکثر و بیشتر آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا، مگر چونکہ نامشروع لباس اس کے جسم پر ہوتا تھا اسلئے
آپ اسکی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے، اور قطعاً التفات نہیں فرماتے تھے، تاآنکہ ایک دن وہ
صلوا کا لباس پہن کر آیا، اُس دن آپ نے رضامندی کی نگاہ سے اس کو دیکھا۔

اُس نے موقع مناسب سمجھ کر درخواست کی کہ آج حضرت "فقیر کے گھر تشریف لے چلیں
آپ نے منظور فرمایا، تو سلطان محمود نے شیخ کے چوڑوں کو خود کا نہ ہادیا اور اپنے گھر لایا،

آصفی نے لکھا ہے کہ ان کی، علی بن ابی طالب کے شاگرد و خلیفہ شیخ حسام الدین کو ایک دن خواب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خسیب ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اس وقت سب فضل کون ہے، فرمایا تمہارے شیخ، پوچھا اس کے بعد کون ہے، فرمایا محمد بن طاہر ہندوستان میں،

شیخ عبدالحق کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے، شیخ کا بیان مولا محمد طاہر کے حال میں آئے گا یہ تذکرہ بہت طویل ہو گیا، پتہ بھی ختم کرنے کو قی نہیں چاہتا، شیخ کے اجمالی حالات میں ان کے تلمیذ رشید شیخ حسام الدین متقی نے ایک رسالہ بنام انصاف المتقی فی فضل شیخ علی المتقی لکھا ہے، ایک اور رسالہ علامہ عبد القادر بن احمد فامی نے بھی لکھا ہے جس کا نام انقول المتقی فی مناقب المتقی ہے، اس میں ان کی سیرت اور ریاضت و مجاہدہ کا ذکر تفصیل سے ہے، فامی نے لکھا ہے کہ سب سے شیخ علی متقی سے اس زمانہ کے علماء اور علماء میں جو بھی ملا ہے مثلاً شیخ ابوالحسن بکری، شیخ وجید محمودی، ابن حجر کی، شمس الدین علی اور شمس الدین بکری سب نے ان کی حمید تعریف کی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی زاد المتقین اور اخبار الاخیار میں آپ کے حالات کچھ شریح و بسط سے لکھے ہیں،

شیخ عبد الوہاب شعرائی جب سلسلہ میں حج کیلئے گئے ہیں تو اس سال انہوں نے شیخ علی کی ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا ہے، درحقیقت شعرائی میں بعض اوقات کرام آپ کا ذکر کیا ہے، شعرائی فرماتے ہیں کہ میں بار بار ان کے پاس گیا ہوں اور وہ بھی کئی دفعہ میری قیام گاہ پر آئے ہیں، وہ زائد متقی عالم تھے، بہت خفیت تھے جسم پر گوشت برائے نام معلوم ہوتا تھا، اکثر خاموش اور گوشہ نشین رہتے تھے، گھڑت جہد کی نماز پڑھنے کے لئے نکلتے تھے، اور کہیں کنارے ہی پڑھ کر جلدی سے گھر واپس آتے تھے، شعرائی فرماتے ہیں وہ مجھے اپنے گھر میں لے گئے تھے، میں نے ان کی قیام گاہ کے آس پاس چند چھپرے دیں میں پہلے درویشوں کی ایک جماعت کو

تلاوت یا ذکر یا اقبہ یا علیہ وسلم میں مشغول پایا،

سلسلہ میں کا قلمی نسخہ ان کے پاس تھا

فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ان کے جیسا کوئی دوسرا محکمہ نہیں بھایا۔ فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے چاندی کے دو چھوٹے سکے بھی یہ لکھ کر عنایت فرمائے کہ اس شہر میں معذرت کیسا یہ پیش کر رہا ہوں۔ شعرانی کہتے ہیں کہ ان سکوں کی برکت سے مجھے خدا نے بڑی کٹالشی عطا فرمائی، اور میں نے اتنی زیادہ رقم وہاں خرچ کی جس کا مجھے دہم و گمان بھی نہ تھا، حضرت شیخ علی مستقی کی وفات سلسلہ میں ہوئی،

میاں محمد طاہر بیٹن

گجرات کے شہر بیٹن کے رہنے والے تھے، قومیت کے لحاظ سے بوزے تھے، سلسلہ میں پیدا ہوئے، بلوغ کی عمر سے پہلے قرآن پاک کے حافظ ہوئے، اس کے بعد پندرہ برس تک اپنے دیار کے علماء و اساتذہ کے پاس رہ کر متعدد علوم و فنون میں مہارت پیدا کی، اس کے بعد سلسلہ میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق میں گھر سے نکلے اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر ایک مدت تک اس سرزمین میں قیام کیا،

شیخ ابوالحسن بکری، شیخ ابن حجر کی، شیخ علی بن عراق، شیخ جبار اللہ بن فہد، اور شیخ برخوردار سندھی وغیرہم سے علم حدیث وغیرہ میں استفادہ کیا، خصوصیت کے ساتھ شیخ علی مستقی کی صحبت اختیار کی، اور مدید ہو کر استفادہ علم ظاہر کے ساتھ باطنی فیوض سے مالا مال ہوئے،

حجاز سے واپس آکر ان بدعات کا قلع قمع کیا جو انکی قوم میں رائج تھیں، اور اپنی قوم کی سنی جماعت اور بدعتی جماعت میں امتیاز پیدا کر دیا۔ اپنے علم حدیث میں کئی مفید کتب ہیں تالیف فرمائی ہیں، ان میں سب سے بہتر، اور اس فن کی دوسری بہت سی کتابوں سے فائق کتاب "جمع البحار" ہے، وہ بظاہر لغت حدیث کی کتاب ہے مگر درحقیقت اسکو پوری صحاح ستہ کی شرح و توضیح کہنا چاہئے۔ دوسری مفید کتاب "المغنی" ہے جس میں راویوں کے ناموں اور نسبتوں کو ضبط کیا ہے،

یہ دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں، مگر اب دونوں کیاب بلکہ تقریباً یاب ہیں۔ ہندوستان کے اہل ہمت و غیر کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی اس بے نظیر علمی خدمت کی قدر کریں، اور از مرئو پورے اہتمام سے انکی تصحیح کر کے شائع کریں تاکہ ہر ملک کے اہل علم، اس گوہر گراں مایہ سے اپنے جیب و دامن بھر سکیں۔

شیخ محمد طاہر نے اپنی کتابوں کے دیباچہ میں شیخ علی مستقی کی بہت مدح و ثنا کی ہے، ان کو ان کے شیخ نے وصیت کی تھی کہ طالب علموں کے واسطے سیاہی بنایا کریں، اس لئے ان کا معمول تھا کہ سبق پڑھانے کے وقت بھی سیاہی رگڑا کرتے تھے،

شیخ محمد طاہر نے عمد کیا تھا کہ جب تک ممدویت کے فتنہ سے گجرات پاک نہ ہوگا اس وقت تک وہ اپنے سر پر عامہ نہ باندھیں گے، جب سندھ میں اکبر نے گجرات فتح کیا اور وہ شیخ سے ملا تو اس نے اپنے ہاتھ سے شیخ کے سر پر عامہ باندھ دیا، اور کہا کہ دین کی مدد اور بدعتیوں کی سرکوبی کے ہم ذمہ دار ہیں،

چنانچہ اس نے مرزا عزیز کو کا گجرات کا گورنر مقرر کیا، اس نے شیخ کی حایت کی اور شیخ نے جس قدر ہوسکا بدعات کا استیصال کیا، اس کے بعد مرزا عزیز کی معزولی کا پروانہ آگیا اور اسکی جگہ عبدالرحیم خان خاناں گورنر ہوا تو ممدویوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ اپنے گوشوں سے نکل پڑے،

شیخ نے یہ رنگ دیکھ کر اپنا عامہ اتار دیا اور اکبر سے ملنے کیلئے آگرہ روانہ ہوئے، شیخ کے تعاقب میں کچھ ممدوی بھی روانہ ہوئے، اور انھوں نے اجین کے قریب پنچکر شیخ کو شہید کر ڈالا یہ سلسلہ کا واقعہ ہے، شیخ کی نعش، پٹن لائی گئی، اور وہیں دفن کی گئی۔

۱۷۹۹ء بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولف کے بہوٹن بعض حوصلہ مند تجار جن کا جدہ میں قیام ہے، اس کتاب کے ثواب میں چھپوا رہے ہیں، اس حقیر نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے، اور بڑی حد تک تصحیح بھی کی ہے ۱۳

۱۸۰۰ء میں نے پٹن میں مولانا طاہر کے مزار کی زیارت کی ہے ۱۴

حضرت شیخ علی متقی کے ذکر میں۔ آپ تین مرتبہ بن متقی کا خواب پڑھ چکے ہیں، اس خواب کا ذکر شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی اخبار انبیاء میں کیا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ شیخ حسام الدین کا بیان ہے کہ مجھ کو ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں جان بولی میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ من افضل الناس فی ہذا الزمان (اس زمانہ میں سب سے افضل شخص کون ہے؟) فرمایا افضل الناس میاں عیات۔ ثم شیخ، ثم محمد طہ (سب سے افضل میاں غیاث ہیں، پھر تمہارے پیارے بیٹے محمد بن محمد)۔ اس خواب سے شیخ محمد طہ کی عظمت کا اندازہ کیجئے۔ — میاں محمد غیاث سورت کے قریب بھڑوچ کے رہنے والے ایک بزرگ تھے۔ بڑے مہار، دوستی اور متبع سنت تھے۔

شیخ رحمت اللہ سندی

شیخ رحمت اللہ، قاضی عبد اللہ سندی کے صاحبزادہ تھے۔ شیخ علی متقی کے ذکر میں ہم بتا چکے ہیں کہ قاضی عبد اللہ سند سے اہل دعویاں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہوئے تو چند دنوں تک انہوں نے احمد آباد (گجرات) میں قیام کیا، اس زمانہ میں حضرت شیخ علی متقی بھی حجاز کے ارادہ گجرات پہنچے تھے، قاضی صاحب نے شیخ کی صحبت اختیار کر لی تھی، اور شیخ ہی کے طفیل میں قاضی صاحب کے مصارف سفر بلکہ قیام مدینہ کے مصارف کا بھی انتظام ہو گیا تھا۔ اس سفر میں شیخ رحمت اللہ بھی ساتھ ہی رہے اور پھر شیخ رحمت اللہ نے حضرت شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کی، اور انکی خدمت میں ظاہری و باطنی کمالات کا اکتساب کیا، مدینہ میں شیخ علی ابن عراق صاحب "نرمیہ الشریعہ" سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

قاضی عبد اللہ کے رفقاء سفر میں ایک بزرگ شیخ عبد اللہ تھے، انہوں نے شیخ علی متقی کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک کی نثریں پڑھنے کی تھیں، شیخ علی متقی کے فیض صحبت سے یہ دونوں بزرگ شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبد اللہ تقویٰ کے، ایسے اونچے مقام پر پہنچ گئے تھے، کہ ٹرکی حکومت کے

حکام جو شیخ کے مجید متقدّم تھے، جب مکہ آتے تو شیخ اپنے ائمہ مریدوں اور شاگردوں کے گدازے کے لئے وظیفہ مقرر کر دیتے تھے، مگر شیخ رحمۃ اللہ و شیخ عبداللہ اور شیخ عبدالوہاب کے لئے وظیفہ قبول نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ وہ رقم شہد سے خالی نہیں ہوتی تھی،

یہ دونوں بزرگ مدتوں اس دیار پاک میں درس و عبادت میں مشغول رہے، تقریباً ۱۰۰۰ میں بعض مجبوریوں کی بنا پر احمد آباد آ کر قیام کیا، آخر عمر میں مریض ہوئے، اور اسی حالت میں حجاز روانہ ہو گئے، کہ منظر پہنچ کر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۱۰۰۰ میں ان کا انتقال ہو گیا،

خواجہ عبدالشہید عبید اللہ ان دونوں بزرگوں کی نسبت فرماتے تھے ان تینوں کو دیکھ کر وہ تینین (حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، یاد آ جاتے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ سندی نے مناسک حج میں دو رسالے لکھے ہیں، بڑے کا نام جمع المناسک و نفع المناسک ہے۔ اسی کو "المناسک الکبیر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کا بہترین فہم جامع مسجد بمبئی کے کتب خانہ میں ناچیز نے دیکھا ہے، یہ کتاب ۱۰۰۰ میں قسطنطنیہ میں چھپ بھی چکی ہے، مطبوعہ نسخہ میرے پاس موجود ہے، جو مولانا عبداللہ زمری مرحوم کا ہدیہ اور ان کی بے پایاں محبت کی ایک یادگار ہے، اس کے ساتھ شیخ احمد کشمیری نووی کا رسالہ "جامع المناسک" بھی طبع ہوا ہے،

شیخ رحمۃ اللہ جامع المناسک کو پھر مختصر کیا ہے، اور اس کا نام "باب المناسک" رکھا ہے، اسکی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے، جس کا نام المناسک ہے، یہ شرح بھی طبع ہو چکی ہے، (تنبیہ اول) ابن العماد حنبلی نے شذرات جلد ہشتم میں اس نام کے دو بزرگوں کا ذکر کیا ہے ایک کا ذکر شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ کے عنوان سے ہے، اور سن وفات ۱۰۰۰ء، دوسرے کا ذکر شیخ رحمۃ اللہ بن عبداللہ کے عنوان سے ہے اور ان کا سن وفات ۱۰۰۰ء بتایا ہے، ہم یہاں جن کا ذکر کر رہے ہیں وہ یہی دوسرے بزرگ ہیں اور وہ حسب تصریح

شیخ عبدالحق قاضی عبداللہ سندی کے صاحبزادہ ہیں، (تنبیہ دوم) شیخ عبدالقادر عیدروس نے "جامع المناسک و نفع المناسک" کو شیخ عبداللہ بن سعد

کی تصنیف قرار دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، جیسا کہ جمع الناسک کے دیباچہ سے ظاہر ہے،
 "جمع الناسک کے باب میں شیخ علی متقی فرمایا کرتے تھے کہ درمناسک حج بے مدلی و بے لطف
 واقع شدہ است" (زاد المتقین صفحہ ۲۷۱)

سلسلہ سے سلسلہ تک شیخ عبد الوہاب متقی

آپ کے والد بزرگوار شیخ دلی اللہ دیار مند و مانندہ کے اکابر و اعیان میں سے تھے، پھر حلو
 زمانہ سے مجبور ہو کر برہان پور میں سکونت اختیار کی، یہاں بھی عزت و اکرام کے ساتھ رہے، شیخ
 عبد الوہاب ابھی بہت کم سن تھے کہ ان کے والدین کا انتقال ہو گیا، مگر توفیق الہی شامل حال
 تھی، اسی وقت سے حق کی طلب میں فقر و تجرد کی راد اختیار کر کے سیر و سیاحت شروع کر دی
 زیادہ تر گجرات اور اطراف دکن، نیز سیلون و سرندیپ میں سیاحت کرتے تھے، اکثر تین دن زیادہ
 کہیں ٹیام نہیں کرتے تھے، الا یہ کہ کسی جگہ تحصیل علم یا مشائخ و صلحاء کی صحبت کا موقع پائے
 آجاتا تو وہاں ضرورت کے مطابق طویل قیام کرتے تھے،

ابھی بیس سال کے بھی نہ تھے، اور ڈارلہی بھی نہیں نکلی تھی کہ خوش بختی نے ان کو مکہ
 معظمہ پہونچا دیا، شیخ علی متقی اس وقت مکہ میں مقیم ہو چکے تھے، چونکہ شیخ دلی اللہ سے انکی
 جان پہچان تھی، اس لئے شیخ عبد الوہاب کے آنکی خبر پا کر شیخ علی متقی خود ان کے پاس آئے اور بڑی
 عنایت و مہربانی فرمائی، یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ وہ ان کی صحبت و رفاقت میں رہیں،

چونکہ شیخ عبد الوہاب کا خط بہت پاکیزہ تھا اس لئے یہ بھی کہا کہ ہو سکے تو ہمارے لئے یہی کتنا
 کیا کرو، اس وقت شیخ عبد الوہاب نے مجردانہ بے نیازی کی بنا پر کہہ دیا کہ دیکھا جائیگا کہ قسمت میں
 کیا ہے؟ مگر حضرت شیخ علی متقی کے فضل و کمال اور انکی استقامت کا مشاہدہ ہوا تو بہت شوق سے
 حضرت کی صحبت اختیار کر لی، ان کے والد نے شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت بھی کی تھی،

شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کرنے کے بعد شیخ کے اشارہ سے انہوں نے خط نسخ کی مستقیم بہم پہنچائی اور شیخ کے لئے اتنی کتابیں نقل کیں اور اس قدر محنت سے کہ اس کا تصور دشوار ہے، فرضیکہ شیخ کی پیروی و خدمت اور ان کو خوش رکھنے کی اتنی زیادہ کوشش کرتے تھے کہ ان کو فانی الشیخ کہنا درست تھا، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ شیخ نے بھی ان پر بہت خاص طور پر توجہ فرمائی اور اپنے ظاہری و باطنی عنایات کے ساتھ مخصوص فرمایا تا آنکہ وہ شیخ کے کمالات کا منہ بٹکا ہو رہا ہو، ہو گئے،

شیخ عبدالوہاب حادی الاولیٰ ۹۶۳ھ میں حاضر خدمت ہوئے اور بارہ سال تک صحبت میں رہے، زندگی بھر وہ ان سے جدا نہیں ہوئے،

شیخ عبدالحق کا بیان ہے کہ مستلزمہ تک شیخ عبدالوہاب نے چالیس حج کئے تھے، پھر سے زمانہ اقیام مکہ میں کبھی ان کا حج فوت نہیں ہوا۔ اپنے پیر کی وفات کے بعد صرف ایک دفعہ قرابتداری کا حق ادا کرنے کے لئے گجرات آئے تھے، مگر فوراً مکہ لوٹ گئے تاکہ حج فوت نہ ہو ان کی کرامت ہی تھی کہ مکہ سے ہندوستان آنے میں کشتی ۱۵ دن میں آئی، اور جانے

میں چالیس روز گئے، شیخ عبدالحق فرماتے ہیں، یہ دونوں باتیں بہت نادر الوقوع ہیں، شیخ عبدالحق دہلوی غالباً دو سال ان کی خدمت میں رہے ہیں، اور علم ظاہر کی تحصیل کے ساتھ ساتھ باطنی تربیت کی سعادت بھی حاصل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہل حرمین اور تمام مشائخ حرمین، اور مصر و شام کے مشائخ میں سے جن حضرات نے انکو دیکھا تھا، سب انکی ولایت اور بزرگی کے معتقد تھے، فرماتے ہیں کہ میں حزب البحر نقل کر رہا ہوں، کشتی میں سوار ہونے کی وقت اسکو پوچھا گیا کہ رہے ہو؟ میں نے کہا حزب البحر نقل کر رہا ہوں، کشتی میں سوار ہونے کی وقت اسکو پوچھوں گا، پوچھا حزب البحر کی اجازت حاصل ہے؟ میں نے کہا شیخ عبدالوہاب متقی سے اجازت لوں گا، پوچھا شیخ سے شناسائی ہے، عرض کیا میں دو سال سے انکی خدمت میں ہوں، فرمایا، مبارکباد تمہارا حج برورد اور تمہارا عمل مقبول ہے، میں نے پوچھا، آپ نے یہ کیسے فرمایا، کہا میں نے یمن کا سفر کیا ہے

اور وہاں کے تمام مشائخ و فقراء کو شیخ کی طرح وٹنا کرے میں متفق پایا ہے، نیز سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ لنگہ کے قلعہ ہیں،

شیخ عبد الوہاب نے چالیس سال کی عمر تک شادی نہیں کی تھی۔ جب چالیس سال کے درمیان عمر ہوئی تو شادی کی۔ شادی سے پہلے جو فتوح حاصل ہوا تھا، یا کتابت سے جو مستحق سب درویشوں اور فقراء پر صرف کر دیتے تھے کچھ بھی بچا کر نہیں رکھتے تھے، لیکن شادی کے بعد اہل و عیال کے حق کو مقدم رکھتے تھے، یہاں پر مسافروں کی خبر گیری اور فقراء کی غنواروں میں کوتاہی دینے میں رکھتے تھے،

کہ خطرہ میں انکی ذات ہندوستانی جو جگہ کی پشت پناہ تھی، کھانے پکڑے اور نقد ہر چیز سے مدد کرتے تھے،

شیخ عبد الحق فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں علوم شرعیہ کا ایسا عام شاذ و نادر ہی کوئی ہوگا، تاہم تو گویا پوری اذہر تھی، فقہ و حدیث کا بھی یہی حال تھا۔

شیخ عبد الحق فرماتے ہیں کہ ایک بار معراج سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کا تذکرہ ہوا تو ذیابا کہ اگر وہاں جانے کی توفیق ہو تو پہاڑ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام و نزول فرمایا تھا اس جگہ سے غافل و محروم نہ رہنا، پھر اس جگہ کی نشاندہی و تعیین فرما کر کہتے تھے کہ قسمت یا در ہو تو اس مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میرے ہے

ایک دفعہ ہم اس جگہ سو گئے تھے جب جب آنکھ جھپکتی تھی، حضور کا جہل جہاں آرا نظر میں ہوتا تھا، ایک دو پہر سے کم مدت میں سو بار سے زیادہ یہ سادت حاصل ہوئی۔ شیخ عبد الوہاب اس عمرہ کے لئے بہت جاتے تھے، اور روزہ رکھتے ہوئے ننگے پاؤں جاتے تھے، سترائے تک بقیہ مدت تھے، دجیسا کہ شیخ عبد الحق نے زاد المستقین میں لکھا ہے ہم نرہتہ خواط میں آپ کی سن وفات سند لکھا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

شیخ ابراہیم محدث اکبر آبادی

آپ کی ولادت ونشودنہا نکپور میں ہوئی وہیں علم کی تحصیل بھی کی، اس کے بعد بغداد کا سفر کیا، وہاں دصائی سال تک حدیث و تفسیر پڑھتے رہے۔ پھر حج و زیارت کی سعادت حاصل کر کے معہ چلے گئے، اور وہاں شیخ شمس الدین علقمی سے حدیث کا علم حاصل کیا، اور محمد بن ابی بکر بنی نے انکو اجازت عطا فرمائی، پھر مکہ معظمہ جا کر عبد الرحمن بن قعد اور شیخ مسعود مغربی، نیز شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے، ان سب حضرات نے ان کو اجازت عطا فرمائی، اس کے بعد دوبارہ مصر کا رخ کیا، اور وہاں چوبیس سال تک درس دیتے رہے، ہر سال موسم حج میں مکہ آتے اور حج کی سعادت حاصل کر کے معر لوت جاتے،

آخر آخر میں وطن کی محبت غالب آئی، درہندوستان آکر اکبر آباد میں سکونت پذیر ہوئے بدایونی نے لکھا ہے کہ بڑے پرہیزگار و عبادت گزار تھے، ساری عمر علوم دین باکھوص حدیث کا درس دینے میں صرف کی،

امر معروف و نہی مسنکر بھی کرتے تھے، ایک بار اکبر بادشاہ نے انکو عبادت خانہ میں بلایا تو وہ آداب بجا نہیں لئے، جو شاہی دربار میں مقرر تھے، پھر ایک خطبہ دیا جس میں خوب ترغیب و ترہیب فرمائی، آپ فقہ و حدیث عربیت میں بڑے فائق عالم تھے، آپ کی وفات ستمبر میں ہوئی،

شیخ صبغۃ اللہ بروجی

آپ بھڑوچ میں پیدا ہوئے، شیخ وجیہ الدین گجراتی سے علم حاصل کیا، اور انھیں کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک کی منزلیں طے کیں، شیخ نے انکو اجازت و خلافت عطا فرمائی، ان کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور بے نیازی و استغناء کی بنا پر انکو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، امراء کے طبقہ میں بھی ان کی بڑی عظمت تھی،

پسے ایک دفعہ سفر حجاز کیا اور حج کر کے جڑ پونہ آپس آگئے، سنہ ۹۹۹ھ میں اولہ منتقل ہوئے
اور ایک مدت تک میغم رہے، پھر دوبارہ زیارت نبوی کے شوق نے بے مین کیا تو احمد نگر آکر
برہان شاہ حاکم احمد نگر کے پاس ایک سال رہے، اس کے بعد حرمین کی نیت کر کے وہاں سے
نکلے تو پانچ سال بی پور میں رہے، حاکم بیجا پور ابراہیم عادل شاہ نے اسباب سفر مہیا کئے، اور
ساتھ مصارف کا انتظام کیا حتیٰ کہ اپنی ایک خاص کشتی بھی عنایت کی، شیخ اور ان کے سارے شاگرد
دو دیر اسیں سوار ہو کر جدہ پھر مکہ پہنچے، اور سلسلہ میں حج کر کے مدینہ منورہ آئے اور جبل احد
میں قیام کر کے طلبہ کو درس دینا اور مریدین کی تربیت فرماتا شروع کیا۔

بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے ان سے نفع پایا سید امجد مرزا، شیخ اسعد بلخی، شیخ احمد بن علی
تساوی، شیخ محمد بن عمر مہدی، شیخ ابراہیم مہدی، ملا شیخ بن الیاس کردی، اور شیخ عبد العظیم حنفی
سکے ان کے جلیل القدر تلامذہ و مریدین میں ہیں۔

مجی نے خلافت الاثر میں درغزنی نے لطف اللہ میں سکھا ہے کہ شیخ صبیح اللہ نے
نازیچگانہ جامعہ کے ساتھ بالالتزام حجہ نبوی کے مشرفی جہ وکے کے پاس پڑھتے تھے، غزنی کہتے
ہیں کہ میں نے انکی زیارت وہیں کی اور دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ نہیں آپ دعا کیجئے آپ
عاجی ہیں، میں آئین کھتا ہوں، میں انکا حکم بجالایا، میں انکا کی اور وہ آمین کہتے رہے، غزنی کہتے ہیں
کہ انکی زنجبٹ سفید، اور چہرہ روشن تھا، ان کے چہرہ سے عبادت کا نور اور علم کا دہہ بظاہر ہوتا تھا
شیخ نہایت فیاض اور سخی تھے، دوز و دوسے ان کے پاس پوس سال ایک لکھ و دس کی
تقدار میں دیا کرتے تھے، وہ سامنے کا سارا فقار پرچہ دینے دیتے تھے، اپنے پاس کچھ باقی نہ رکھتے تھے
انکی وفات سلسلہ میں ہوئی، مزار بقیع مغربی ہے۔

شیخ ابابا فتح محمد برہا پوری

شیخ عیسیٰ بن قاسم برہا پوری کے خلف ارشد تھے، بڑے متبحر عالم اور فقہ و حدیث میں ممتاز تھے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

محمد مسعودؒ میں پیدا ہوئے، قرآن پاک سے لیکر مصباح و کافیہ تک خود ان کے والد شیخ سیف الدین نے تعلیم دی، کچھ کسی دوسرے استاد کے پاس بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسہ اور شرح عقائد پڑھی، اور پندرہ سولہ سال کی عمر میں مفتی و مطول کا درس لیا اور تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں بقدر کفایت تمام علوم نقلی و عقلی سے فائز ہو گئے، اس کے بعد کلام پاک حفظ کیا، خلیق حمد لفظی کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ شیخ نے ابتدائی زمانہ میں کلام پاک یاد کر لیا تھا، بیس برس کی عمر میں درس و تدریس کا مشغول اختیار کیا، ۳۰ برس کی عمر میں بادیہ پٹی جاز کا شوق دانگیہ ہوا، اسی ارادہ سے ۹۵ھ کے شروع میں مالوہ جوتے ہوئے گجرات پہنچے تو معلوم ہوا کہ جب کا موسم گزر چکا ہے، اس سے کچھ دن مزید غریب کو کو حاکم مالوہ کے پاس قیام کیا، چھ ماہ و تشریف لیگے، موقع سے فائدہ اٹھا کر محمد غوثی مصنف گلزار ابراہیم نے شیخ سے استفادہ کیا پھر مالوہ سے احمد آباد تشریف لیگے،

ان دنوں طبقات کبریٰ کے مصنف مزار نظام الدین احمد صوبہ کے بخشی تھے، انھوں نے نہایت گرم جوشی سے شیخ کا استقبال کیا، اور اہل کار کے آئندہ موسم حج تک اپنے پاس رکھ کر جب موسم قریب آگیا تو مزار نظام الدین کے حُسن کو شش اور ارادہ و اعانت سے شیخ نے جہانیں سوار ہو کر حجاز کا سفر کیا،

بدیونی نے لکھا ہے کہ شیخ دہلی سے ایک جذب کی حالت میں بے سار و سامان گجرات پہنچ گئے تھے،

شیخ موسم حج سے بہت پہلے کہ معظمہ پہنچ گئے، چونکہ علم حدیث کا شوق بہت تھا اسلئے جاتے ہی مکہ کے بعض محدثین کی خدمت میں حاضری شروع کر دی، اس کے بعد شیخ عبد الوہاب متقی کے علمی و عملی کمالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کے دامن سے ہٹ گئے،

رمضان آیا تو انہیں کے زیر نگرانی حرم شریف میں سنت عتکاف پڑھا۔ جد رمضان
انہیں کے پاس مشکوٰۃ کی تصحیح اور اس کے مقدمہ میں مشغول رہے۔ جب حج کا موسم آیا تو شیخ جبہا
ہی کی معیت میں ترمذی مناسک حج ادا کئے۔ بعد ازاں مدینہ منورہ کی معیت میں حج سے
فراغت کے بعد جب مدینہ کا ارادہ کیا تو شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ ہوا نہایت سرد ہے، اور تم
کمزور بدن کے آدمی ہو، اگر اسی وقت چلے گئے اور کوئی بات ہو گئی تو واپسی کو جلد ہی چٹنے کا
اس لئے چند روز تحمل کرو۔

شیخ عبدالحق مدینہ منورہ کی وضائی کیسے بہت بیتاب تھے۔ مگر شیخ کے مشورہ کی خدمت
ورزی کیسے کرتے، مجبوراً محمد و صفیر دو ماہ صبر کیا جب ربیع الاول آیا تو بیتابی شوق پڑھی اور
شیخ سے پھر اجازت چاہی، شیخ نے فرمایا کہ اگر زائد صبر کی طاقت نہیں ہے تو ہر رک ہو۔ اجازت پا کر
۲۳ ربیع الاول کو شیخ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ اور ۵ ربیع الثانی کو مدینہ منورہ پہنچے اور
سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں وضائی کی سعادت سے مشرف ہوئے، جمعہ کی رات آنی تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا قصیدہ پیش کیا۔ جب اس شعر پر پہنچے
خراجم در غم ہجرت یا رسول اللہ جال خود نہا رہے بجان زار شیدا کن

تو اس کی تکرار کرتے کرتے زار زار رونے لگے۔ شیخ کہتے ہیں، غائب گمان ہے کہ حضرت سے اس کو
پسند آیا، کیونکہ جب سلسلہ کی ۷۱ یا ۱۰ تاریخ کو رات میں جب حد کے قریب ایک مسجد میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خواب میں دیکھا اور حضرت سے بے لگیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا
حضرت شیخ کم و بیش تین سال مکہ معظمہ میں رہے۔ حرمین کے محدثین سے حدیث کی سند لی، علماء
کی صحبت سے مستفید ہوئے، خصوصیت کے ساتھ شیخ عبدالوہاب کی صحبت اختیار کی، سب سے زیادہ انہیں
سے فائدہ اٹھایا، شیخ نے ان پر خاص توجہ کی۔

شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں ہندوستان سے اس پایہ کا کوئی دوسرا شخص ان مقامات
مقدسہ میں نہیں آیا، ہاں شیخ علی متقی کے زمانہ میں ایک دواؤی آئے تھے، شیخ نے خدمت سے یہ بھی فرمایا

کرتے تھے کہ شیخ عبدالحق کی خاطر کو عزیز رکھو، ورنہ ان کے وجود کو غنیمت سمجھو، وہ مہمان عزیز ہیں شیخ
 عبد الوہاب نے حدیث و تصوف کی تعلیم کے ساتھ شیخ عبدالحق کی باطنی تربیت بھی فرمائی تھی،
 حجاز سے واپسی سے پہلے ان کو شیخ عبد الوہاب نے کتب تفسیر و حدیث و کتب تصوف
 و عربیت اور مصنفات سیوطی و شیخ علی نقی کا اجازت نامہ لکھوا کر عنایت فرمایا، ان کے علاوہ
 دوسرے صحابہ حرمین نے بھی شیخ عبدالحق کو حدیث و قرأت کی مدد فرمائی،
 شیخ عبدالحق کی علمی خدمات محتاج بیان نہیں ہیں، مشکوٰۃ کی شرح "اشعۃ اللغات" شرح سفر السعادۃ
 مدارج النبوة، المناقب، باسنہ، اور ان کی دوسری کتبوں سے ایک عارف فیض حاصل کیا ہے، اور ان ہی وہ فنون
 جاری ہے اس شیخ کے سوانح حیات میں دو حقائق ہیں اور دو سرے حقائق
 ہو چکی ہیں۔

شیخ کی وفات ۱۲۸۵ھ میں ہوئی، دہلی میں حوص شمسی کے نذر آپ۔ فون ہیں، اس حقیقہ نے
 وزارت کی زیارت کی ہے۔

شیخ آدم بنوری

آپ نے اپنے اچھے اچھے خضر و غانی سے طریق کی تعلیم پائی، پھر ان کے ماتم سے مہند آیت اور حضرت
 مجدد الف ثانی کی صحبت میں مدتوں رہے، ان کے طریقہ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ امتیاز شریعت اور
 بیرونی سنت کا غایت درجہ اہتمام فرماتے تھے،

ان کے مریدین کی تعداد بہت زیادہ تھی، کہا جاتا ہے کہ چار لاکھ نوے سو ان کے باقیہ
 بیعت کی، اور ان میں سے ایک ہزار آدمیوں نے علم و معرفت کا دواؤ جمع کیا، انکی خانقاہ میں تقریباً
 ایک ہزار طالبوں کو روزانہ ان کے مطبخ سے کھانا دیا جاتا تھا،

۱۲۸۵ھ میں جب وہ لاہور روانہ ہوئے تو دس ہزار روایات و مشائخ اور مختلف طبقات کے
 لوگوں کی ایک فوج انکی معیت میں تھی، اس زمانہ میں شاہ جہاں لاہور میں تھا، اسکو معلوم ہوا تو
 اس نے اپنے وزیر سعد اللہ خاں کو حکم دیا کہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال معلوم کرے،

سعد اللہ خاں آیا، مگر صحبت کمتر رہی، اس نے اس نے بادشاہ کے کانوں تک حقیقت کے خلاف نامناسب باتیں پہنچی تھیں، بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ اپنے کنبے قبیلے اور مریدین کے ساتھ حجاز چلے جائیں، شیخ روانہ ہو گئے اور حج کر کے مدینہ منورہ میں تازہ زندگی مقیم رہے۔

آپ کی وفات ۸۳۷ھ میں ہوئی، سیدنا حضرت عثمانؓ کے مزار کے قریب آپ مدفون ہیں،

شیخ ابو تراب گجراتی

چانپنیر میں پیدا ہوئے، اور احمد آباد میں سکونت اختیار کی، جب اکبر نے گجرات فتح کیا، تو ۹۵۷ھ میں ان کو میرا کاج بنا کر حرمین میں تقسیم کرنے کے لئے پانچ لاکھ چاندی کا سکہ اور دس ہزار خلعت فاخرہ ان کو دیکر روانہ کیا، وہ حج و زیارت سے مشرف ہو کر ۹۹۱ھ میں ہندوستان آئے، شیخ ابو تراب کی وفات ۱۰۳۷ھ میں ہوئی۔

گیارہویں صدی کے اکابر میں سے جو حضرات ہندوستان سے حج کے لئے گئے ہیں، ان میں مندرجہ ذیل حضرات منائیت ممتاز ہیں۔

(۱) حضرت شاہ علم اللہ بریلوی المتوفی ۱۰۹۷ھ

(۲) سید غضنفر نہ والی جن کے شاگردوں میں احمد بن علی شادوی، عبدالرحمن بن عیسیٰ مدنی اور امام عبدالقادر طبری تھے۔

سلسلہ سے مستریک

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

آپ کی ولادت بمقامت سہ ماہی سال ۱۱۰۱ھ کو ہوئی، علم کا پانچویں سال تھا کہ مکتب میں
بٹھائے گئے، پانچویں سال میں ان کے والد بزرگوار نے ان کو نذر میں کھڑا کیا اور روزہ رکھوایا، اسی
سال سے حریم قرآن پاک تمکین، اور قرآنی شریعت کی تعلیم، دسویں سال میں شریعت جہاں پر پختہ شدہ کی او
فی الجہد حاصل کی، اور پندرہویں سال میں بیفہمی پڑھنے لگے، اسی سال اس عہد کے دستور
کے مطابق فنون متعارفہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کی، ان کے پیر بزرگوار نے بڑے پیار پر ایک
دعوت کا انتظام کر کے امام و خاں کو مدعو کیا، اور اس مجلس میں درس کی اجازت دیکر دعا برکت کی
۲۹ برس کے ہوئے توحیدین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، سلسلہ میں حج کی سعادت حاصل
کئے، اگلا سال ۱۱۳۱ھ بھی اس مقدس سرزمین میں گزرے، طواف و زیارت کے ساتھ ساتھ
محدثین سے احادیث کی روایت و اجازت و مشائخ کی صحبت کے برکات و فیوض حاصل کرتے رہے
بعد ازاں مدینہ منورہ کی حاضری کا شرف حاصل کیا، سال کے باقی میں گزرے، یہاں مزاج
فیض باریکی طرف کمر بستہ رہے، و رہا فیض حاصل کیا، و یہاں بھی محدثین سے روایت و اجازت
حدیث و مشائخ طاعت سے فائدہ سلوک حاصل کرتے رہے،

شیخ بوہر کے ہاتھ سے وہ خرقہ پہن جو ترم خرقہ کے صوفیہ کا جامع ہے، علماء حرمین کے
ساتھ خوب خوب صحبتیں رہیں، اور اسی سال کے آخر میں دوسرا حج کر کے سلسلہ کے آغاز میں
وطن کا قصد کیا، و بعد ۱۱۴۳ھ رجب سلسلہ کو بخیر و وفایت گھر پہونچے،
خود شاہ صاحب نے حکا ہے کہ آخری، جب میں شیخ بوہر کو آدمی کی خدمت میں رخصت
ہونے کے لئے حاضر ہوا تو میں نے یہ متوجہ بھی نہ

سینٹ کل طریق کنت اعرفہ الہ طریق یود بھی لوبیکم

شیخ بہت متثر ہوئے اور بے اختیار رونے لگے،
اس کے بعد یہ

حاجی صفۃ اللہ محدث خیر آبادی

آپ نے سلسلہ میں سفر حج کیا تھا، اور تین حج کے ہندوستان واپس ہوئے تھے، شیخ محمد طاہر دکنی مدنی اور عبداللہ بن سہم بصری سے حدیث کی سند حاصل کی تھی، آپ کی وفات سلسلہ میں ہوئی،
(ماثر الکرام و تاج العروس)

حج سے واپسی کے بعد آپ نے منطق، فلسفہ کا درس دینا بالکل بند کر دیا، صرف حدیث و تفسیر کا درس دیتے تھے، ہندوستان میں قطب الدین شمس آبادی یا قطب الدین بن عبدالکلیم سہاوی کے پاس پڑھا تھا،

شاہ ابوسعید بریلوی

آپ نے علامہ اللہ امین صوفی کے پاس علم حاصل کرنے کے بعد اپنے چچا شیخ محمد صابر کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک مدت تک اذکار و اشغال میں مشغول رہے پھر شیخ ولی اللہ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جم کر ان کی صحبت میں رہے، جب شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا تو ان کے خلیفہ اکبر شیخ محمد عاشق کی صحبت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی، اور شاہ محمد عاشق نے ان کو بہت شاندار اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا،

سلسلہ میں اپنے مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ سفر حج کیا، ۲۸ ربیع الاول کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، اور موسم حج کا انتظار کر کے حج کیا، پھر مدینہ حاضر ہوئے، وہاں چچہ صینیہ قیام کر کے شیخ ابوالحسن سدی صغیر کے پاس مصابیح کی سماعت کی۔ پھر مکہ آکر شیخ محمد میرداد انصاری کے پاس پڑھی،

واپسی میں مدتوں مدراس میں قیام فرما کر وہاں کے لوگوں کو فیض پہونچایا، جن حضرات نے ان سے کسب فیض کیا ان میں ان کے استاد شیخ میرداد انصاری بھی تھے، سلسلہ میں انتقال فرمایا، رائے بریلی میں مدفون ہوئے

شاہ محمد عاشق بھلتی

شاہ دلی اللہ کے خلیفہ اکبر، اور بقول شیخ ابو حامد کردی ان کے کمالات کا آئینہ تھے،
رشتہ میں شاہ صاحب کے ماموں زاد بھائی تھے، شاہ صاحب کے خلفاء اور تلامذہ میں ان کے پایہ
کا دوسرا کوئی نہ تھا، شاہ عبد العزیز دہلوی اور شاہ رفیع الدین نے تکمیل علم ظاہر اور اکتساب
فیض باطن انھیں کی خدمت میں کیا،

شاہ دلی اللہ نے ۱۰۴۲ھ میں جب سفر حجاز کیا ہے تو رفاقت میں شاہ محمد عاشق اور
ان کے والد شیخ عبید اللہ بھی تھے۔ اور صرف سفر اور ادائے مناسک ہی نہیں بلکہ مشائخ حدیث
کے پاس سماعت حدیث میں شریک تھے،

شاہ صاحب کے حالات میں انھوں نے القول الجلی نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس کا
قلمی نسخہ میں نے کاکوری میں دیکھا ہے، شاہ صاحب کی "دعاء الاعتصام" کی شرت بھی لکھی ہے، اس کا
قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے، ان دونوں کے علاوہ سوک میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام
"سبیل الرشاد" ہے، اور ان سب سے بڑا کا نام یہ ہے کہ مصنفی شرح موطا کی تبیض انھیں نے کی ہے،
شاہ محمد عاشق جنکی وفات ۱۰۸۷ھ میں اور شیخ عبید اللہ کی ۱۰۴۵ھ میں ہوئی،

شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی

۱۰۳۰ھ میں پیدا ہوئے، ان کا خاندان علم و شجاعت کا گوارہ تھا، اپنے والد کے چچا شیخ
محمد افضل کے ہاتھ پر صحبت کی، اپنے بھائی شیخ محمد طاہر کے پاس کتب درسیہ پڑھیں، اپنے والد سے
سے طریق کی تعلیم پائی، بائیس سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے،

۱۰۴۹ھ میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اور شیخ محمد حیات سندی کے پاس صحیح بخاری
کے علاوہ صحیح مسلم کا ایک تہائی حصہ پڑھا اور شیخ نے ان کو اجازت عامہ عطا کی، یہ شعبان ۱۰۷۱ھ کا
واقعہ ہے، اس کے بعد ہندوستان واپس ہوئے اور چند برسوں کے بعد ۱۰۸۵ھ میں دوبارہ کشتی کی

سواری سے حج کے لئے روانہ ہوئے، مگر مہنوں نے کشتی پر چھاپہ مارا اور ان کا مازو سامان لوٹ لیا۔ اس کے بعد ان کو بندر سورت پر چھوڑ دیا۔ یہ دوسری کشتی کے انتظار میں وہیں پڑے رہے، سلسلہ میں دوسری کشتی ملی، اس سے "مخا" تک آئے اور وہاں اتر کر کچھ دن رہے، پھر مکہ گئے اور حج کیا۔ سلسلہ میں ہندوستان واپس آ کر ایک سال قیام کیا، سال بھر کے بعد دوبارہ حج کے ارادہ سے نکلے اور ہوگلی میں کشتی پر سوار ہوئے مگر راستہ میں کشتی شکستہ ہو گئی، مجبوراً چاکام آ کر دوسری کشتی کا انتظار کر کے جب مایوس ہو گئے تو آزاد لٹ آئے،

کچھ زمانہ کے بعد پھر اس ارادہ سے نکلے مگر برہان پور پہنچ کر سر سام ہو گیا اور اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے، ذی الحجہ سلسلہ کو برہانپور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ میر غلام علی آزاد سے ان کے دو تانہ تعلقات تھے، انھوں نے سرو آزاد میں ان کا ذکر کیا ہے،

شیخ محمد فاخر علم و عمل اور تقویٰ و تواضع میں یکتائے روزگار تھے،

شیخ محمد عابد سنائی

علم و معرفت شیخ عبد الاحد بن محمد سعید سرہندی کی خدمت میں حاصل کیا اور مدت دراز تک انکی صحبت میں رہے، لاہور سے پیادہ پاسفر کر کے حج و زیارت کی سعادت حاصل کی، بڑے عبادت گزار تھے، تہجد کی نماز میں ساٹھ بار سورہ السین پڑھتے تھے، اور ہر دو رکعت پر مراقبہ کرتے تھے، روزانہ بیس ہزار بار کلمہ طیبہ، ایک ہزار بار درود شریف پڑھتے، اور ایک ہزار بار ذکر نفی و اثبات کرتے تھے، تلاوت کلام پاک بھی بڑی مقدار میں کرتے تھے، ان کے مدرسہ میں دو تومرید اور طالب علم رہتے تھے،

حضرت میرزا منظر جانجاناں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے، آپ کی وفات ۱۲۷۱ھ میں

شیخ نور الدین گجراتی

منایت زبردست عالم تھے، انھوں نے سات دن میں اپنی ماں کے پاس گلستاں پڑھ ڈالی تھی، احمد آباد میں ان کی فکر کا کوئی عالم اس دقت نہیں تھا، اکرم الدین گجراتی نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے صرفہ سے ان کے لئے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا، اور وفائف طلبہ کے لئے کئی گاؤں وقف کئے تھے،

مولانا نور الدین بڑے عابد و زاہد بھی تھے، رات میں دوبار اٹھ کر نفسیں پڑھتے تھے، اور جب جب بیٹے تھے تو ایک ہزار بار کلمہ شہادت اور ایک ہزار بار درود شریف کا ورد کرتے تھے، لوگ و سلاہین کا ہدیہ و روزیہ قبول نہیں کرتے تھے،

۱۱۱۱ھ میں جب کہ انکی عمر ۹۰ سال سے زائد تھی حج و زیارت کا شرف حاصل کیا، انکی تصنیفات بہت ہیں، اذ بخجلہ ایک نور القاری شرح صحیح بخاری بھی ہے، ۱۱۵۵ھ میں انتقال کیا، احمد آباد میں اپنے مدرسہ کے قریب ہی مدفون ہیں،

شیخ ابوالحسن سندی کبیر

ٹھٹھہ (سند) میں پیدا ہوئے، وہیں نشو و نما پائی، پھر پستہ پہنچ کر تحصیل علم کی، اس کے بعد مدینہ منورہ جا کر وہیں مقیم ہو گئے، وہاں سید محمد برزنجی و شیخ ابراہیم کورانی وغیرہ کے پاس علم حاصل کیا، فراغت کے بعد مسجد نبوی میں درس دیا، صحاح ستہ اور مسند احمد پر حاشیہ لکھا، انیس بعض حواشی طبع بھی ہو گئے، ۱۳۶۱ھ یا ۱۳۸۱ھ میں جب انکی وفات ہوئی تو اہل مدینہ کو بڑا غم ہوا، بازار بند ہو گیا اور حکام تک نے مسجد نبوی تک ان کے جنازہ کو کا نہ ہا دیا، جنازہ میں بڑا مجمع تھا، عورتیں بھی شریک تھیں۔ بہتوں کی آنکھیں اشکبار تھیں،

ان کے بعد ایک دوسرے ابوالحسن سندی ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، شیخ محمد حیات سندی سے انھوں نے حدیث کا علم حاصل کیا اور مدتوں ان کے پاس رہے، پھر مدینہ میں درس دیا، کثرت در

و افادہ میں اس وقت انکی شال وہاں نہیں تھی اور وہ بھی صاحب تصنیفات میں جنہیں ایک جامع الاصول
ای شرح بھی ہے، ان کو ابوالحسن ہندی صغیر کہتے ہیں، انکی وفات ۸۱۷ھ میں ہوئی،

سید احمد شہید دہلوی

ولادت باسعادت ۸۱۷ھ میں ہوئی، سن شعوری سے صلاح و تقویٰ سے آراستہ اور خدمت
خلق کے جذبہ سے معمور تھے، بیواؤں اور یتیموں کے گھر جا جا کر ان کا کام کاج کرتے تھے، پانی بھر دیتے
تھے، لکڑیاں چن کر لادیتے، بازار سے سودا خرید کر پہنچاتے تھے۔
تحصیل علوم متعارفہ سے چنداں دلچسپی نہ تھی، ابتدا میں کچھ دن فوج میں رہے، اس کے
بعد شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت یا برکت میں حاضر ہو کر سلوک کے منازل طے کئے، اور علم لدنی
و معرفت حق میں تمام ہمسروں سے فائق ہو گئے۔

۸۳۷ھ میں حجاز کا سفر کیا، اس سفر میں آپ کے ساتھ سیات سوتا دن آدمی تھے، دلوں
میں کشتی پر سوار ہوئے اور پاس یں جو کچھ تعاسب مساکین پر تقسیم کر دیا، اور یہ کہہ کر کہ ہم اللہ
کے مہمان ہیں چلی پڑی، الہ آباد، بنارس، غازی پور، پٹنہ ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے، راستہ
میں ہر جگہ اتر کر تلقین و ارشاد بھی فرماتے رہے، کلکتہ سے دوسری کشتیوں میں سوار ہو کر حجاز
پہنچے، اثنائے سفر میں اور اس کے بعد حرمین میں بکثرت لوگوں نے آپ سے فیض پایا، حرمین
میں ایک سال قیام کرنے کے بعد ۸۴۷ھ میں ہندوستان واپس آئے،

۸۴۷ھ میں علم جہاد بلند کیا، مگر اپنوں ہی کی غداری کی وجہ سے ۸۴۷ھ میں جام شہادت نوش کیا
سید شہید کے حالات میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً ۱۔ مستقیم مولانا اسماعیل شہید جس کا
ترجمہ عربی میں مولانا عبدالحی بدھانوی نے کیا ہے، اور منظومہ السعداء و مخزن احمدی و قانع احمدیہ
وغیرہ، اردو میں سیرت سید احمد شہید قابل دید ہے، مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی بھی سفر حج میں سید
صاحب کے رفیق تھے، اور انھیں کے ساتھ معرکہ بالا کوٹ میں شہید بھی ہوئے، نیز مولانا عبدالحی

بڑھانوی بھی رفیق سفر حج تھے۔ قاضی شوکانی نے اپنی بعض تصنیفات اور اپنی مرویات کی اجازت کا
 آپ کے پاس بھیجی تھی، جہاں بھی آپ سید صاحب کے ہم کاب تھے۔
 آپ کی وفات ۱۲۸۷ھ میں سید صاحب سے تقریباً تین سال پہلے اسی سفر جہاد میں بیماری
 سے ہوئی، سرحد میں ایک گاؤں "خارنامی" ہے وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا ولی اللہ سورتی

آپ مولانا غلام محمد کے صاحبزادہ تھے، اور مولانا غلام ملا نظام الدین کے شاگرد رشید تھے۔
 مدتوں ان کے پاس رہے، جب انور خاں گویا پوئی برہانپور کے والی مقرر ہوئے تو انکی معیت میں
 برہانپور آئے، انور خاں نے ان کے لئے ایک نہایت شاندار مدرسہ تعمیر کرا کر مدرسہ کے لئے چھتیس ہزار
 روپیہ سالانہ مقرر کر دی، مولانا غلام محمد نے ایک مدت تک اس مدرسہ میں درس دیا، اپنے لڑکے
 ولی اللہ کو احمد آباد سے بلا کر سات سال میں تمام کتب درسیہ کی تعلیم دی،
 آصفیہ کا جب برہان پور پر تسلط ہوا تو مدرسہ کا وظیفہ بند کر دیا اس لئے کہ مولانا غلام
 اس سے ملنے نہیں گئے تھے، اس کے بعد مولانا غلام محمد نے اپنے لڑکے ولی اللہ کو حجاز روانہ کر دیا
 حاجی رفیع الدین مراد آبادی نے لکھا ہے کہ مولانا غلام محمد تجوید و قرأت میں سیکھائے روزگار
 اور علوم و فنون میں بحر زخار تھے، قلوب میں انکی بڑی عظمت تھی اور انکو بڑی مقبولیت حاصل تھی
 بائیں جمہ انھوں نے کپڑا بننے کا قدیم پیشہ ترک نہیں کیا تھا۔ انکی وفات ۱۲۸۷ھ میں ہوئی۔
 مولانا ولی اللہ نے حجاز پہنچ کر حج و زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ
 ابوالحسن سندھی حدیث کا فن بھی حاصل کیا، جب ہندوستان واپس ہوئے تو ان کے والد کا انتقال
 ہو چکا تھا، یہ نزہۃ الخواطر کا بیان ہے، اور حاجی رفیع الدین کا بیان یہ ہے کہ مولانا ولی اللہ اپنے
 والد ماجد کے ساتھ دو مرتبہ سفر حرمین میں گئے۔ اب سورت میں قناعت کی زندگی بسر کر رہے اور
 استقامت و توکل کے ساتھ موصوف ہیں، (سفرنامہ حرمین)

حاجی رفیع الدین کو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے اور اچھی خاصی صحبت رہی ہے، سفر نامہ میں ان سے سنی ہوئی بہت سی مفید اور تحقیقی باتیں انھوں نے نقل کی ہیں۔

مولانا ولی اللہ صاحب تصنیف بھی تھے، ان کی ایک کتاب کا نام "القبیحة من النبویہ" فی سلوک الطریقة المصطفویہ ہے۔ آپ کا سال وفات سن ۱۲۸۵ھ ہے۔

مولانا محمد صالح بن خیر الدین سورتی

مولانا خیر الدین سورت کے محدث تھے، شیخ محمد حیات سندھی سے مدینہ منورہ میں سند حدیث حاصل کی، پچاس برس تک حدیث کا درس دیا تھا، سن ۱۲۸۵ھ میں وفات ہوئی،

مولانا محمد صالح ان کے صاحبزادہ اور شاگرد رشید تھے، جس سال حاجی رفیع الدین مراد آبادی بارادہ حج وارد سورت ہوئے تھے، اسی سال انھوں نے ایک کشتی تیار کرائی تھی جس کا نام "سفینۃ الرسول" رکھا تھا،

شیخ خیر الدین کی فسطاط شفقت اور مولانا محمد صالح کی محبت و الفت کی بنا پر حاجی رفیع الدین بھی اس کشتی پر سوار ہو کر مجاز گئے، اور اسی پر واپسی بھی ہوئی، حاجی صاحب کا بیان ہے کہ صاحبزادہ کے اخلاص کا مظاہرہ ہر روز زیادہ ہی ہوتا رہا۔ مولانا محمد صالح سورت کے قاضی مقرر ہوئے، اور تازندگی اسی منصب پر رہے، سن ۱۲۸۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

حاجی رفیع الدین مراد آبادی

نواب خاندان کے تھے، رئیسوں کے گھرانے میں پیدا ہوئے مگر مزاج فقیرانہ تھا، حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں مدتوں رہ کر علم و فیض حاصل کیا، حج کو جاتے ہوئے سورت میں شیخ خیر الدین محدث سے حدیث کی سند لی، حرمین شریفین کے علماء سے بھی مستفید ہوئے،

سلطنت نادر شاہ نے انھیں بھیج دیا کہ یہ کشتی مولانا ولی اللہ بن مولانا محمد کی تھی، اور مولانا رفیع الدین، مولانا ولی اللہ کی عمر سفر

محرم سلسلہ میں حج کے لئے نکلے، اور تقریباً دو ماہ میں سورت پہونچے، ۹ جمادی الثانیہ کو سفینۃ الرسول نامی کشتی میں سوار ہوئے، اس میں ۳۱۲ آدمی سوار تھے، ۲۳ رجب کو مدینہ منورہ پہونچے، ۲۴ رجب کو باب المندب پہونچے، ۲۶ رجب کو بخا کی سیر کی، ۲۹ رجب کو روانہ ہوئے، ۱۰ شعبان کو حدیبہ پہونچے، ۲۸ شعبان کو کاکہران آئے، ۸ رمضان کو بندرگاہ جازان کے مقابل، اور ۲۳ رمضان کو قنفرہ پہونچے،

چونکہ کشتی کو یہیں سے بندہ وستان واپس جانا تھا اس لئے ایک سو دس دن کشتی میں رہنے کے بعد یہیں اتر پڑے۔ ۵ شوال کو اونٹ پر کمرہ روانہ ہوئے، ۱۲ کو سعیدہ پہونچے اور وہیں احرام باندھا، ۴ کو مکہ معظمہ میں حاضری ہوئی، مکہ قریب آیا تو سواری سے اتر پڑے، اور چار کوس سے زیادہ ننگے پاؤں، ننگے پیڈل میں کرک پہونچے۔

فرماتے ہیں کہ پیڈل چلنے میں دھوپ کی تیزی اور راستے کی کنکریوں اور ریت کی وجہ سے مشقت تو بہت زیادہ اٹھانی مگر جہاں کعبہ کے دیدار سے تمام عمر کی کلفتیں دور ہو گئیں یہ جہاں کعبہ مگر غدر برداں خواہد کہ جان زندہ دلاں سوخت دیا پائے

کہ پہونچکر چار مہینے قیام کیا، ۱۸ سب سلسلہ کو طواف و دایع کر کے مدینہ منورہ کے ارادہ سے جدہ کو روانہ ہوئے اور ۴ ربیع الاول کو مدینہ منورہ پہونچے، اور وہاں چار مہینے بیس دن رکھ کر ۲۸ رجب سلسلہ کو مکہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں بدر کی زیارت کی، ۱۳ شعبان کو مکہ معظمہ پہونچے، ۲۸ شعبان کو طائف گئے، واپسی میں قرن سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا، رمضان کا مہینہ مکہ میں گزارا، عید کی نماز شریف غالب کی اقتداء میں ادا کی، ۲۸ شوال کو مکہ سے کوچ کیا، اور ۵ رذی قعدہ کو بعد عشر سفینۃ الرسول میں سوار ہو کر ہندوستان روانہ ہوئے، اور ٹھیک عید اصحی کے دن بمبئی کے محل پر پہونچے، اس کے بعد مختلف مقامات میں رکے رکاتے کیم ربیع الثانی سلسلہ کو مراد آباد پہونچے، اس سفر کی پوری مدت ۲ سال ۱۰ ماہ ۱۰ اور دو ہفتہ تھی۔

رحمی رفیع الدین بہت جید عالم تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے تقریباً مال ذکر اعمال والہ۔

سدا کیٹب بذکر الجیب، افادات عزیز یہ اور سفرنامہ حریم کا مطالعہ میں نے کیا ہے۔ ان میں سے کوئی کتاب طبع نہیں ہوئی ہے، سفرنامہ کے نسخے رام پور اور حیدرآباد وغیرہ میں میں نے دیکھے ہیں کہیں اس کا نام حالات اکھرین درج ہے۔ اور کہیں سیر اکھرین۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے اس سفرنامہ کو اردو میں منتقل کر کے اسنامہ الفرقان میں شائع کر دیا ہے، فریدی صاحب نے اس کو ہندوستان کا سب سے پہلا سفرنامہ قرار دیا ہے، لیکن بظاہر حاجی امین الدین کا کوروی کا سفرنامہ اس سے قدیم ہے۔ اس نے کہ انھوں نے سن ۱۱۰۰ میں حج کیا ہے اور سفرنامے عموماً اسی سفر میں یاد اپسی کے بعد جلد ہی لکھے جاتے ہیں

مفتی ولی اللہ سرخ آبادی

سنہ ۱۱۰۰ میں پیدا ہوئے، قنوج میں مولانا عبدالباسط قنوجی کے پاس تمام کتب درسیہ پڑھیں، سنہ ۱۱۰۹ میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اور شیخ احمد بن محمد سعید مقر اور ان کے والد کے پاس نیز عبداللہ مفتی مفتی مکہ اور شیخ ابراہیم شافعی کے پاس قرأت و حدیث کی تحصیل کی، سنہ ۱۱۱۶ میں ہندوستان واپس آئے اور فرخ آباد میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا اسکا نام فرامراج رکھا تھا، کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، ان میں سے ایک قرآن پاک کی تفسیر تین جلدوں میں ہے، اس کا نام نظم البواہر و نضد الدرر ہے، تفسیر کی زبان فارسی ہے، دوسرے صحیح مسلم کی شرح ہے جس کا نام المطر الثجاج ہے، تفسیر میری نظر سے گزری ہے، سنہ ۱۲۴۹ میں آپ کا انتقال ہوا۔

مندال دیار الہندیہ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی

آپ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسہ تھے سنہ ۱۱۹۶ میں پیدا ہوئے، اپنے ۱۲ کے یہاں پر پڑھ پائی، کافہ تک مولانا عبدالحی بدھانوی سے اور باقی کتب درسیہ شاہ عبدالقادر کے پاس پڑھیں، انھیں کی خدمت میں فقہ و حدیث میں بھی مہارت حاصل کی حضرت شاہ عبدالعزیز سے سلسلہ سند استوار کیا۔

۱۲۰۲ء میں جب آپ کی عمر ۱۴ سال کی تھی، اپنے والد شاہ ابو سعید مجددی کے ساتھ ۱۰۰۰ سے مشرف ہوئے اور شیخ عابد سندی و شیخ سماعیل ردوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ شیخ کے بعد شاہ ابو سعید بیمار ہو گئے، زیارت حرمین کے بعد ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ ۲۰، خانہ شاہ کو ٹونک پہونچے اور عید کے دن داعی اجل کو بیگ سنا، منشا بابرک دہلی، دہلی، پانیپت، دن کے بعد بھی یہاں معلق ہوتا تھا کہ ابھی ابھی غسل دیا گیا ہے۔

شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد چند مہینے ٹونک میں مقیم رہے پھر دہلی، برسوں میں دیا اور مریدوں کی تربیت فرمائی شاہ ابو سعید صاحب نے انتقال کے دن آپ کو، اجازت ممت فرمائی اور چند مہینے گئیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ دنیا داروں کے دروازہ پر غائب ہوئے تو ذلت اٹھاؤ گے، ورنہ وہ خود تمہارے دروازہ پر آکر ناک رگڑیں گے، محمد حسین مراد آبادی نے کتبہ کہ میں چند روز خانقاہ میں شاہ عبد الغنی صاحب کی خدمت میں رہا ہوں، میں نے ان کو تعلیم عظمیٰ ہر باطن میں مشغول رہا، فجر کے بعد مراقبہ کرتے تھے، اشراق کے بعد مریدوں کو توجہ دیتے تھے، پھر حدیث کا درس دیتے تھے، قیلولہ و نماز کے بعد فقہ کا درس دیتے تھے، نماز عصر کے بعد تعلیم باطن و اعتقائے نسبت فرماتے تھے، دنیا و اہل دنیا کی باتوں سے پرہیز کرتے تھے، یہ بھی لکھا ہے کہ انگریزوں کے نوکر دوں و ملازموں کا بد یہ اور دعوت قبول نہیں کرتے تھے، غایت احتیاط کی بنا پر بازار کے آم نہیں کھاتے تھے، فرماتے تھے کہ بیچنے والوں نے مالکوں سے بیع فاسد کے ذبیحہ خریدا ہے۔

۱۲۰۳ء (مرکز ہند ناظر) یا ۱۲۰۴ء زوال العافین، میں آشوب دہلی (جو عذر کے نام سے مشہور ہے) کے وقت اپنے اہل و عیال کو لیکر حجاز کی طرف ہجرت فرمائی، شریف نے مسجد نبوی کے سامنے آپ کے رہنے کے لئے ایک حجرہ عنایت کیا، اسی میں آپ مقیم ہوئے اور جب تک زندہ رہے مسجد نبوی میں بقول مراد آبادی سرکار کے سامنے تعلیم عظمیٰ ہر باطن فرماتے رہے۔

ہندوستان میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی آپ کے حلقہ درس حدیث میں شریک ہوئے اور سند و اجازت سے مشرف ہوئے۔

اور حجاز میں مولانا عبد الحمیدی اور مولانا عبد اللہ ستوی نے آپ سے سند حدیث حاصل کی ابن، جہ پر شاہ صاحب کا حاشیہ انہج ایچ ایچ ایچ یادگار ہے۔ دوہیں بھی ایک رک۔

آپ کا میں نے دیکھا ہے۔
آپ کی وفات ۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔

مفتی سعد اللہ مراد آبادی

۱۲۱۹ھ میں پیدا ہوئے، فقہ کے علاوہ خود لغت کے بھی نہایت جید عالم تھے مفتی صدر الدین حسنا کے شاگرد تھے، دہلی سے ۱۲۴۳ھ میں لکھنؤ آئے اور مرزا حسن علی محدث اور مفتی غلام اللہ کے سامنے زانوئے تہذیب کیا، مدرسہ سلطانیہ لکھنؤ میں تدریس کی خدمت انجام دی، پھر سرکاری طور پر شعبہ تعلیمات کے ناظم مقرر ہوئے اور ان کی نگرانی میں تاج اللغات کی کچھ جلدیں مکمل ہوئیں، اس کے بعد ۲۹ سال انوار کی خدمت انجام دی۔

۱۲۵۱ھ میں سفر حج کیا، دھواہ پور چکر فقار کی خواہش پر زاد اسبیل تصنیف کی جس میں مناسک حج کا بیان ہے، حجاز میں شیخ الحرم شیخ جہاں خفی سے حدیث کی سند لی، واپسی کے بعد مزید تین سال لکھنؤ میں مفتی رہے جب واجد علی خاں معزول کر دیے گئے تو نواب یوسف علی خاں نے ان کو مام پور بلا یاد اہل تازنگی عہدہ افتا پر قائم رہے۔ کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ نوادر الاصول شرح فصول اکبری سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

۱۲۹۷ھ میں وفات ہوئی، زاد اسبیل کا نسخہ بھی میرے کتب خانہ میں ہے

حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ

حضرات دیوبند کے شیخ، محدث شاہ عبدالغنی نے جس طرح آشوب دہلی کے وقت ہجرت اختیار کی تھی اسی طرح جنگ شالی کے بعد ان کے شیخ الطریقہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب بھی ہجرت کر گئے تھے، مولانا رشید احمد، مولانا ناتھ پوری اور مولانا تھانوی وغیرہم حاجی صاحب کے جلیل القدر خلفاء میں ہیں مولانا تھانوی اور دوسرے بہت سے خلفاء نے حجاز ہی میں سلوک کے منازل طے کئے ہیں، حضرت حاجی صاحب کی وفات ۱۳۱۷ھ میں ہوئی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی

مولانا عبدالحی بن مولانا عبدالمکرم فرنگی علی ^{۱۲۶۳ھ} میں بمقام باندہ پیدا ہوئے، دس سال کی عمر میں حافظ ہوئے، حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ خوشنویسی بھی سیکھ لی اور فارسی کی کچھ کتابیں پڑھ ڈالیں، شہر برس کی عمر میں تمام علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

^{۱۲۷۹ھ} میں پہلی دفعہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ حج و زیارت کے لئے گئے، رجب میں حیدرآباد سے روانہ ہوئے، اور شبان میں بمبئی سے بادبانی کشتی پر سوار ہوئے یکم رمضان کو مدیدہ پہونچ کر دس دن قیام کیا، وہاں سے چلے تو ہوا مخالف تھی، جہاز طوفان میں پڑ گیا اور جدہ میں اتنا ممکن نہ ہوا، اس لئے قیث میں اتر پڑے اور وہاں سے براہ خشکی چار دن میں مکہ پہونچے، ادائے حج تک مکہ میں قیام ہوا، ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں مدینہ کے نئے روانہ ہوئے، ۲۰ محرم ^{۱۲۸۰ھ} کو مدینہ پہونچے، ۱۰ دن قیام کر کے ۱۰ محرم احرام کو مکہ روانہ ہوئے، پھر مکہ سے دس سفر کو چلے اور جدہ سے بادبانی جہاز میں بیٹھ کر ربیع الاول کے درمیانی عشرہ میں بمبئی پہونچے اور جمادی الاولیٰ کے شروع میں داخل حیدرآباد ہوئے، تقریباً گیارہ مہینے میں یہ سفر پورا ہوا۔

دوسری بار ^{۱۲۹۲ھ} میں تنہا حج کے لئے گئے، حیدرآباد سے ۱۰ شواہ کو روانگی ہوئی اور بمبئی سے دفانی جہاز ۲۱ شوال کو چلا اور ۵ ذیقعدہ کو جدہ پہونچا، ۱۰ کو مکہ آئے اس سال جمعہ کو حج ہوا تھا، حج کے بعد ۲۱ ذی الحجہ کو مدینہ کی زیارت کو نکلے، ۱۵ محرم ^{۱۲۹۳ھ} کو ماضری کی سعادت حاصل ہوئی، وہاں دس دن رک کر ۱۵ کو مکہ روانہ ہوئے، چند روز قیام کیا، پھر جدہ سے ۸ صفر کو جہاز میں سوار ہوئے، ۲۱ صفر کو جہاز بخیر و مانیت بمبئی پہونچا۔

مولانا عبدالحی نے سفر میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی وغیرہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔
مولانا نے بکثرت درسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں جن سے مدرسین و طلبہ آج تک فائدہ اٹھا رہے ہیں، حواشی کے علاوہ سہ ماہی، الفوائد البیہ، النفع البکیر اور کئی رسائل کے مجموعے نہایت مفید ہیں۔ طالب علمی کے

دور کے مدار و فراغت کے بعد بھی مولانا کی تصنیفات سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مولانا عبدالحی
کی وفات ۱۳۱۵ھ میں ہوئی۔

مولانا محمد طاہر صاحب

آپ پورہ معروف ضلع غلام گڑھ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے مولانا خادوت علی جوہری سے علوم ظاہری
اور مولانا کرامت علی جوہری سے فیوض باطنی حاصل کئے۔ مولانا کرامت علی سے آپ کو اجازت بیعت بھی حاصل تھی۔
مطلب میں آپ کا بڑا شہرہ تھا، حدیث و فقہ میں بھی مہارت حاصل تھی، علی درجہ کے خوشنویس بھی تھے، ان
علی کمالات کے عبادہ زحمانی حاکمیت میں بھی شہرہ آفاق تھے۔

۱۳۱۵ھ میں آپ نے حجاز کا سفر کیا، اور اسی سفر میں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب جو اس وقت
ہجرت کر کے مکہ منورہ میں مقیم تھے، حدیث کی کچھ کتابیں پڑھی ہیں، اور شاہ صاحب نے ان کو سند کھٹکر معاذی
ہے، آپ کی وفات ۱۳۹۶ھ میں ہوئی، آپ کے سوانح حیات پر ایک نقل کتاب ”حیات مولانا محمد طاہر“
کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مولانا عبد اللہ صاحب

متوفی غلام گڑھ کے مشہور اور جید علمائے تھے، مدرسہ غفاریہ (رستہ) میں مولانا تراز علی
لکھنوی المتوفی ۱۳۸۱ھ سے، اور غالباً جوہریں مولانا عبد کلیم لکھنوی المتوفی ۱۳۵۵ھ سے کتب دینیہ کی
تعمیم کی، مولانا ایک ماہر طبیب تھے، منطق و فلسفہ میں بھی بڑے تھے، اس کے ساتھ ہی حدیث و فقہ سے
بھی انتہائی شغف تھا، منطق میں ایک رسالہ ”عرفان العرفان“ آپ کی یادگار ہے، جس کا ذکر مولانا
عبد کلیم نے اپنے ایک مکتوب میں اور مولانا عبد کلیم نے حاشیہ میرزا بدیع الملک میں کیا ہے، آپ نے
کئی برس تک نوانگر ضلع بلیا میں درس دیا، اخیر میں اپنے مکان پر مقیم کرتے تھے، ۱۳۵۵ھ میں اپنے
سفر حج کیا، اور اسی سال مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالحق مجددی کی خدمت میں ادائی بخاری و ترمذی پڑھ کر
علم حدیث کی سند حاصل کی، آپ نے ۱۳۱۵ھ میں انتقال کیا۔

نواب سید صدیق حسن خان

۱۲۳۳ء میں پیدا ہوئے مختصر المعانی تک اپنے بڑے بھائی کے پاس اور قطبیت میر وغیرہ دوست
 علماء کے پاس پڑھ کر گھر چھوڑ دیا۔ اور چند سال کانپور و فرنگہ میں پڑھتے رہے۔ آخر میں مفتی صدر الدین
 صاحب صدر الصدور دہلی کے پاس حاضر ہو کر تکمیل علوم کی۔ حدیث میں دو ایک ایک واسطہ سے ستارہ
 عبدالعزیز اور شوکانی کے شاگرد ہیں۔ ۱۲۳۵ء میں نواب شاہجہاں بیگم رانیہ ریاست بھوپال ان کے قتل عام
 میں آئیں اور انھوں نے انھیں نائب دوم کا عہدہ اور چوبیس ہزار سالانہ کی جاگیر عطا کی۔ بعد میں نواب الہ
 جاہ امیر ملک کا خطاب اور پچاس ہزار کی جاگیر عطا ہوئی۔

۱۲۳۵ء میں چکیا اس سفر کے مختصر حالات انھوں نے امتحان التہذیب اور ایضاً الحجہ میں لکھے ہیں۔

فرماتے ہیں۔

”بندہ شرمندہ ۲۴ شعبان ۱۲۳۵ء میں نماز ظہر کے بعد گھر سے بارہ فریضہ باہر نکلا۔ بارہ دن
 بیسی میں رہا۔ ۹ رمضان کو نماز عصر سے پہلے فتح سلطان نامی جہاز میں بیٹھا جب سنگر اٹھایا گیا ہوا اچھی
 تھی قریب ساٹھ مرحلے کے ایک دن میں مے ہو گیا۔ پھر ہوا رک گئی، تین دن تک جہاز نہ چلا، خدا خدا
 کر کے ۱۲ رمضان کو ہوا چلی۔ جب سوار ہوا تھا تین دن تک درود سر دیا۔ تھے ہوا کی، چوتھے دن کچھ ہوش درست ہو
 اس جہاز میں تین سو آدمی تھے، وضو غسل سمند کے پانی سے اور کھانا، پینا میٹھے پانی سے جو ساتھ میں رکھ لیا تھا تھا
 ۱۴ رمضان کو باب سکندر (باب منہب) سے گزر ہوا۔ ۱۶ رمضان کو بہارہ حدیدہ میں لنگر انداز ہوا، یہاں
 بارہ دن مقام ہوا، ابھی ہمارے حساب سے ۲۵ ہی تاریخ تھی کہ وہاں رویت ہلال ٹھہر گئی چارنا چار اہل بندہ
 کے ساتھ اتفاق کرنا پڑا، قضا کا روزہ رکھا، عید گاہ میں دو ہزار کے قریب آدمی آئے ہوں گے (جہاز میں
 اور یہاں قلمی رسائل کرتے رہے)۔ ۱۸ شوال کو جہاز میں آن ہوا۔ شترہ شوال کو سنگراوٹھا مجموعی قیام اس جگہ کا
 ۱۸ دن ہوا جب جہاز چلا راہ میں پھر ہوا بند ہوئی، تین دن تک کھڑا۔ جب ہوا چلی تو رات کو ابر و باران
 آیا، دن کو جتنا چلتا رات کو اتنا ہی پیسہ ہواتے مخالف کے پٹ آتا، کچھ نہ پوچھو کیا حال ہوا۔ پانی باقی ہے
 نہ کھانا ایک وقت آوند پانچ کچھری دو ایک گھونٹ پانی کے بشکل تھے تھے۔ دم گھٹ کر ناک میں آگیا
 حصن حسین کا ختم کیا، ہوا چلی جہاز روانہ ہوا۔ ایک رات جہاز کسی پہاڑ سے ٹکراتے ٹکراتے چاودہ رات شب بھر

سے بھی زیادہ سیاہ و سخت و دراز تھی۔ سترچ کے دن بعد زمیں فریقہ دکا چاند دکھائی دیا، ۲۷ رذی قعدہ کو سامنا یلم کا ہوا بعد نماز فجر نہادھو کر عمرہ کا احرام باندھا تسبیح کی نیت کی۔ اندھا کر کے ۹ رذی قعدہ کو بندر جدہ پر نگر ہوا۔ جہت میں جہت آگنی سات دن کا راستہ حدیدہ سے جدہ تک قریب ایک ماہ میں طے ہوا۔ بستی سے تنیٹ دو ماہ میں جدہ پہونچا ہوا۔ یہاں ۳ دن مقام یک ۴ کو محمول جبرک دیکر بعد مغرب روانہ ہوئے جمالون نے قعدہ لیجا کر ڈال دیا وہاں جمعہ بین الفہرین کر کے آگے بڑھے اسی رات کو سید ابو بکر مملوک کے ساتھ باب السلام سے مسجد کرام میں داخل ہوئے، اعمال عمرہ ترتیب وار ادا کئے، پھر نہ ہونے کی وجہ سے حجر اسود کا بوسہ ہر چکر میں بخوبی میسر ہوا، خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی ساری تکلیف راہ و مصائب مفرد و متاعب بحر و بحر بھول گئے۔ سنی کے بعد باقی شب دم میں بسر کی اول وقت مصلیٰ شافعی پر فجر پڑھ کر منزل پر آنا ہوا، ۲۹ رذی قعدہ کو قاضی کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت گزاری مگر میں نے یا کسی مسافر نے چاند نہیں دیکھا۔

۸ رذی الحجہ کو احرام حج باندھ کر سنی تک پیادہ پا گیا، وہاں سے عرفات تک سوار ہوا، عرفات میں قبل توف ساری حزب الاظم پڑھی بعد غروب مزادخذ کی طرف کوچ کیا عرفات و سنی میں باوقات فرصت کتابت بھی کی ۱۳ رذی حجہ کو سنی سے مکہ آنا ہوا۔

۱۵ سفر شہادۃ کو قافلہ مدینہ کی طرف چلا غلاف عادت میں دن میں پہونچا ایک ہفتہ قیام ہوا حضور مسجد نبوی حج زیارت مقدر مطہر و دیگر مزارات بقیع و شہداء اراحدہ وغیرہ مساجد و چاہ و مسجد وغیرہ میسر آیا، واپس میں خاص مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھا، بارہ دن میں قافلہ مکہ پہونچا، اس وقت بھی نصف شب تھی مطاف و سعی کو خالی پایا اور اس کو غنیمت بارہ و سمجھا جلد مدت جوار بیت اللہ و اقامت مدینہ کی قریب چار ماہ تھی، کئی تو یہ ہے کہ سہ

اوقات یہاں بود کہ با دوست بسر شد باقی ہمدی حاصلی و بے خبری بود

مکہ ہندی میں قیام تھا، حرم میں آنے جانے کے لئے باب الزیادہ تھا،

واپس میں فیض اباری نام ہجاز ملا اس میں نو سو آدمی تھے، اس کا لنگر بھی حدیدہ میں تین دن رہا اس

بندر کا سہرنا بیت بہتر ہے۔ وہاں تک کہ عدن تک ایسی گرمی ہوتی کہ سارے بدن پر دانے ہو گئے، عدن سے آگے

باش کا موسم ملا، قریب بستی موانان نے جب آذکو تہ و بالا کرنا مشہور کر دیا، موج کی گولہ باری

سے ہوش و حواس غلط ہو گئے، بائیس دن میں جدہ سے بمبئی پہنچا ہوا وہاں ادا اہل جمادی الاول میں بمشکل تمام بوجہ بارش عام بھوپال تک آنا ہوا، ساری مدت اس سفر کی آٹھ ماہ ہے (ایضاح المحبہ نواب صاحب کی تصنیفات بہت ہیں، اردو عربی و فارسی وارد و تینوں زبانوں میں ہیں، آخر آخر میں رئیس کے خاندان والے نواب صاحب کا عروج دیکھ نہ سکے اور وہ درپے آزار ہو گئے اس نے ان کو جیسا عروج حاصل ہوا تھا ویسا ہی ابتلا بھی پیش آیا ششہ میں انکی وفات ہوئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۳۰ھ میں ہوئی، مولانا، مموک علی کے پاس درسیا کا اکثر حصہ پڑھا۔ مفتی صدر الدین صاحب سے بھی علوم عقلیہ کا درس لیا، اور صحاح ستہ قریب قریب کل حرفاً حضرت شاہ عبد الغنی مجددی کے پاس پڑھا، شاہ احمد سعید صاحب بھی آپ کے اساتذہ میں تھے۔ حضرت حاجی اسد ادا شد مہاجر مکی کے اجل خلفاء میں تھے۔ علوم حدیث و فقہ میں کمال مہارت کے ساتھ ساتھ ذکر و عبادت، تقویٰ طہارت اور اصلاح و تربیت میں ان کا کوئی ہم سر ان کے زمانہ میں نہ تھا۔ ان کے تلامذہ و مریدین اور دیگر حالات و واقعات کی تفصیل تذکرۃ الرشید میں پڑھے، مجھے اس جگہ صرف آپ کے حج اور سفر حج کا تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

حضرت نے تین حج کئے ہیں، حج فرض کے علاوہ آپ نے دو حج بدل (ایک اپنے والد بزرگوار کی طرف سے اور ایک اور محترمہ کجانب سے) کئے ہیں۔

آپ نے پہلا حج ششہ میں کیا ہے، اس سن کے اوائل میں آپ رام پوری تانالیہ کے ساتھ بمبیت حکیم ضیاء الدین رام پوری کراچی کی طرف روانہ ہوئے آپکے ناموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر صاحب بھی ساتھ تھے۔ مولانا عاشق الہی میرٹھی کہتے ہیں کہ

”اس زمانہ میں حج کا سفر اس زمانہ کا سفر حج نہ تھا کہ گھر سے باہر نکل کر ریل میں بیٹھے تو تیس دن بمبئی اور بمبئی سے دھانی جہاز میں بیٹھے تو بارہویں دن باب اکرمین یعنی جدہ کا بند گاہ دکھائی دینے لگا۔ اس وقت کی سہولت و راحت کو اس وقت کی صعوبت و مشقت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا۔ اور یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حج کا فریضہ ادا میں جس قدر دشوار تھا، اتنی مشکل کوئی عبادت نہ تھی، ہفتوں چھکڑے

اور بھیسوں میں بیٹھا پڑتا تھا جن کے بچکوں سے بڑیوں کا چورا ہوتا تھا، مہینوں پانی میں چلنا پڑتا تھا دریائی سفر ان بڑی کشتیوں میں طے کیا جاتا تھا جن کو بغلہ کہتے ہیں، بغلہ میں بقدر وسعت تین چالیس آدمی بیٹھتے اور مطلوب ہوا کے جھوکوں سے دوران سر میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے پر جا جا پڑتے تھے، اٹھتے تو چکر اور استفرغ بیہوش بناتا، اور پڑتے تو غشی کا بادل چھانا چلا جاتا تھا، یہ بغلے بادبانوں کے ذریعہ سے ہوا کے رخ پر چلائے جاتے تھے، جن کو ملاح کہتے اور دن بھر چلا کر شام کے وقت کسی بستی کے قریب کنارے پر باندھ دیا کرتے تھے، اس وقت مد ہوش پڑی ہوئی سواریاں اٹھا کر تیں گھاس پھوس سے کچی کچی کھچڑی تیار ہوتی اور اللہ عزیز کر کے کھالی جاتی تھی۔ وقت ملتا تو دن بھر کے تھکے ماندے کچھ تکان رفع کرتے ورنہ یونہی پڑے آسمان کو تکتے رہتے تھے، صبح سے قبل ٹھنڈے وقت جھک پکے میں اس چھوٹے جہاز کا سنگ پھر کھول دیا جاتا تھا، خدا خدا کر کے بندرگاہ کا کنارہ نظر آتا اور خشکی پر اترنا نصیب ہوتا تھا، کراچی سے پھر بادبانی جہاز کا سفر ہوتا تھا جو عموماً بمبئی کے بندرگاہ سے مال بھرتا ہوا عدن و مکارا و صنعاء و قحطیہ العربین کے دیگر بندرگاہوں پر ٹھیرتا مال چڑھاتا اٹارتا ماحدہ پہنچا کرتا تھا، چونکہ اس جہاز کا ظاہری ڈار و مدار مضبوط کپڑے کے پر دوں یعنی ان بادبانوں پر تھا جن کو ہوا کے رخ پر باندھا جاتا تھا کہ ہوا کے تند جھونکے ان سے ٹکرا کر جہاز کو پانی میں کاٹ کر ہوتے آگے کو دیکھ لیں اس لئے اول تو قطع مسافت میں زمانہ زیادہ گزرتا تھا اور دوسرے ہوا کے رخ بدل جانے پر جہاز بھی اپنا منہ پھیر لیتا تھا، اکثر ایسے اتفاقات سننے میں آئے ہیں کہ چلتے چلتے جدہ کا کنارہ نظر آیا اور ہوا پٹی تو جہاز کی الٹی رفتار اور پچھلے پاؤں لوٹنے سے بمبئی کا کنارہ دکھائی دینے لگا ہے۔ ان بیچارے مسافروں پر جنکو نیچے پانی اور اوپر آسمان کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا ایسے حسرتناک وقت میں جو کچھ گزرتا ہوگا وہ انھیں کا دل جانتا ہے، آج تو بحری و بری ہر دو سفر و خانی قوت سے بفضل اللہ اس دور سہل ہو گئے کہ پچھلی مشقت کا سمجھنا بھی دشوار ہو گیا، بادی جہازوں میں عموماً ہندوستان سے جدہ تک پہنچنا تین چار ماہ میں ہوتا تھا ہاں اگر تقدیر یاوری کرتی تھی تو بعض دفعہ و خانی جہاز سے بھی وقت کم صرف ہوتا اور چھ ماہوں دن ہی موافق ہوا کے تیز دھکے بھاری اور بڑے سے بڑے جہاز کو جدہ پہنچا دیتے تھے۔

اس مشقت والے سفر کے زمانہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کو ہیئت رامپوری جماعت

کے اس پہلے سفر حج کا اتفاق ہوا جسکو حج فرض کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ فیروز پور تک چھڑے میں بیٹھے اور وہاں سے کشتیوں میں بہاولپور کے نیچے کو گدڑتے ہوئے حیدرآباد سندھ پہونچے۔ وہاں سے بنگلہ میں سوار ہو کر کراچی مندر آئے اور کراچی سے بنگلہ ہی کی سواری میں بمبئی تک پہونچے۔ آپ کے ناز پر وہ جسم اور نازک بدن نے اس کٹھن سفر کی ساری مشقتیں راحت سمجھ کر برداشت کیں، سارے سفر میں آپ کی ایک نماز بھی تفصلاً نہیں ہونے پائی، آپ سفر میں بھی اسی طرح اپنے خدا کی یاد میں لگے رہے جیسا کہ حضرت کی حالت میں وطن کے اندر لگے ہوئے تھے، سفر کی وہ پیشانیاں جو مسافروں کو گھبرا دیا کرتی ہیں آپ پر کچھ بھی اثر نہ ڈال سکیں، آپ ہر ناکامی میں ایسے ہی بشاش و مسرور رہے جیسا کامیابی پر ہونا چاہیے تھا وقت بابت تکلیف کا جو مضمون بھی پیش آتا چونکہ آپ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے اس لئے کبھی اس سے اکتانے نہ تھے، الغرض جہاز آیا اور کرایہ طے ہو گیا، سبے ٹکٹ لے لئے اور جہاز پر سوار ہو گئے سواریاں سوار ہو کر منتظر تھیں کہ جہاز ننگر اٹھائے، آفتاب غروب ہو گیا مگر جہاز نے ننگر نہ اٹھایا، انتظار کی تکلیف برداشت ہونا آسان نہیں ہے۔ روانگی میں اتنی تاخیر کا ہونا تھا کہ چاروں طرف پریشانی چھا گئی کہ دیکھئے جہاز کب ننگر اٹھاویگا اور کب روانہ ہوگا، اسی حالت پر کئی دن گزر گئے اور لوگوں کا انتشار پر انتشار بڑھتا رہا، کئی دن تک کنارے پر بندھے ہوئے جہاز میں بیٹھے بیٹھے سب اکتا گئے، حضرت امام ربانی کے سوائے جہاز کا کوئی نسخہ ایسا نہ تھا جو کم و بیش پریشان خاطر نہ ہوا ہو، حضرت امام ربانی نے جب رفقاء کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ ”میاں گھبراتے کیوں ہو، جہاز چوتھے روز روانہ ہوگا۔“ خدا خدا کر کے چوتھا دن آیا تو اس کے پل پل اور لمحہ لمحہ پر مسافروں کی نگاہ تھی کہ دیکھئے آج بھی روانگی ہوتی ہے یا نہیں، آخر آدھا دن گزرنے پر بھی جب روانگی کا کوئی اثر و نشان نہ پایا تو لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آج تو چوتھا دن تھا لیجئے آج بھی رہے، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کپتان نے ننگر کھلوا کر جہاز چھوڑ دیا۔ بسم اللہ مجرہ بھاؤ و مسرور ہوا کی آوازیں جہاز میں گونج اٹھیں۔

چھوٹا سا جہاز یعنی بنگلہ جس وقت کراچی سے روانہ ہو کر بسوئے بمبئی جا رہا تھا، کنارہ چھوٹے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا کہ دفعۃً غلیظ ابر آسمان پر نظر آیا جو لگے بڑھتا اور اوپر چڑھتا بنگلہ کے سر پر اٹھ رہا اور برسنا شروع ہوا تہذیب کے تھپیڑوں نے بنگلہ کو ہلا دیا اور ٹھنڈے پڑے پانی میں جوش پیدا کر دیا۔

سمندر میں تلاطم پیدا ہو گیا اور اطمینان سے بیٹھی ہوئی سواریوں کو ایک سخت طوفان آدایا، جہاز کے ناخدا نے اول تو بادبانوں کے ذریعہ سے ہوا کی روک تھام کی مگر جب جہاز کی خاٹت قابو اور اختیار سے باہر ہو گئی تو بالوس ہو گیا تھک گیا اور یہ الفاظ کہے کہ ”ہاجیوہ مانگو طوفان آگیا“ طوفان کا نام ہی ایسا موش ہے کہ انسان گھبرا اٹھتا ہے، اور جن پر بحری سفر کے وقت یہ حالت گزری ہو انکی سر اسیمگی کا تو پوچھنا ہی کیا؟ اس دہشت ناک منظر کے وقت جبکہ سمندر کی موجیں پہاڑ بن بن کر جہاز کو تہ وبالا کرتی ہیں بڑے بڑے باہت بہادر گھبرا اٹھتے ہیں بجلی کی چمک اور بادل کی کرلک اس مہبت ناک نظارہ کا پیش خیمہ ہے اور تلخ و شور پانی میں ڈوب کر جان دینا نتیجہ و انجام، پھر سبلا بند کی توسہتی کیا۔

کراچی و بمبئی کے مابین طوفان کا آنا تھا کہ جہاز والوں کے چلے چھوٹ گئے اور ناخدا ایکٹ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے سواریوں میں ہلچل پڑ گئی، کسی طرف آہ و بکا اور گریہ وزاری اور کہیں وحشت و دسراسیمگی اور سکوت و تحیر، حکو و یکھنے پریشان حال اور جسے خیال کیجئے مضطرب و خائف اس وقت امام ربانی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا ”بھئی کوئی مرے گا تو ہے نہیں، ہم تو کسی بلائے ہوئے جارہے ہیں، خود نہیں جارہے ہیں، یہ اطمینان کے کلمات حضرت نے غایت طمانینت کے ساتھ رفتار سفر کو سنائے مگر وہ تسکین و تسلی جو خدا واد آپ کو حاصل تھی دوسروں کو حاصل ہونی دشوار تھی اس لئے اضطراب رفع نہ ہو سکا یہاں تک کہ تیسرے دن بادل پھٹ گیا ہوا تنم گئی تلاطم کمزور پڑ گیا اور جہاز اپنی اصلی رفتار پر چلنے لگا۔

جس وقت بنگلہ اپنی حالت پر آگیا اس وقت حجاج کو اطمینان حاصل ہوا اور ناخدا نے وہ گھڑی دیکھی جس سے پتہ معلوم ہو کہ بنگلہ کہاں چل رہا ہے اور طوفان کے طمانچوں سے راہ راست کتنی مسافت پر چھوڑ آیا ہے، ناخدا گھڑی دیکھ کر حیران ہو گیا اور سواریوں سے مخاطب ہو کر بولا کہ طوفان تمہارے سفر کا بڑا رفیق نکلا آج اس وقت جہاز اس جگہ چل رہا ہے کہ معمولی ہوا میں آٹھ روزہ تک بھی یہاں نہ پہنچ سکتا، طوفان میں جہاز بالکل سیدھے راستہ چلا چند گھنٹوں میں تندرست ہوانے چند روز کی مسافت قطع کرا دی۔

چنانچہ بخیر و عافیت سارا قافلہ کئی بندرگاہوں پر ٹھہر کر جدہ پہنچا اور وہاں سے حضرت امام ربانی قدس سرہ تمام ہمراہیوں سمیت اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

بلدہ الحرام میں حج وغیرہ کے علاوہ اپنے شیخ برحق مرشد العرب والعجم اعلیٰ حضرت حاجی خاں صاحب مسند کے فیض صحبت کی جو جو نعمتیں آپ نے حاصل فرمائیں ان کا کسی کو علم ہی کیا ہے جو بیان کیجائیں، مختصر یہ ہے کہ جب تک آپ مکہ معظمہ میں مقیم رہے مریض محبت کے باعث آپ کو اعلیٰ حضرت نے اپنے ہی پاس رکھا حج کیلئے عرفات جلتے وقت آپ کا ادنیٰ اعلیٰ حضرت نے اپنے اونٹ کے متصل کیا اور منیٰ و مزدلفہ میں آپ اپنے ساتھ ہی لگائے رکھا۔

مکہ معظمہ ہی میں آپ مقیم تھے کہ بدن مبارک میں خارش کا اثر محسوس ہوا اور دن بدن زیادتی ہوتی رہی، آپ جس لازوال دولت سے مالا مال ہونے کے لئے گنگوہ سے چلے گئے تھے اس کے تحصیل کی مشغولیت اور حصول کی لذت نے مرض کے علاج کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا، مرض اندر ہی اندر بڑھتا اور بدن پر پھیلتا رہا، یہاں تک کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد سلطانی راستہ سے مدینہ منورہ جانے والا قافلہ تیار ہوا اور آپ اپنے رامپوری جمع کے ساتھ بلدۃ الرسول کی جانب روانہ ہو گئے مدینۃ الرسول میں داخل ہو کر روضۃ الطہر کی حاضری ہوئی جو دنیا میں آنیوالے ہر مسلمان کا مقصد ہے اور اقصیٰ مقصود ہے اور پھر آپ اپنے شفیق استاد شیخ العصر سیدنا مولانا شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے یہاں کی چند روزہ حاضری میں جو بھرپور خزانے آپ کو حاصل ہوئے اس کی اطلاع بھی کسی دوسرے کو نہیں ہے، بیت اللہ شیخ طریقت کے گہر بار و ربار کا حضور تھا اور بیت الرسول میں شیخ شریعت کے سدا بہار گلزار کی گل چینی، غرض حرمین شریفین میں بیت اللہ و بیت الرسول کا جوار حاصل کرنے والے دونوں آفتاب مہتاب ہند مربی آپ کی ترقی مراتب کا وسیلہ بنے آخر کار قافلہ کی واپسی کا وقت قریب آگیا اور مراجعت جماعت متعین ہو گئی، رامپوری قافلہ کے میر قافلہ ڈپٹی عبدالحق مٹانے جنت البقیع کی پاک زمین سے علحدگی نہ چاہی وہیں انتقال فرمایا اور قیامت تک کیلئے جوارِ رسول کے شرف بہرہ مند ہوئے امام ربانی قدس سرہ معہ ہمراہیوں مکہ معظمہ واپس ہوئے اور وہاں سے ہندوستان کی جانب مراجعت فرمائی۔

۱۔ ایک مرتبہ حضرت فرماتے تھے کہ ہندوستان میں مٹن برے بھنے ہر قسم کے رکھنے جاتے ہیں مگر عرب میں ادنیٰ آواز دالے خوش امکان مٹن بناتے جاتے ہیں، اسکے بعد ایک مٹن کا تذکرہ فرمایا کہ بڑے خوش امکان تھے، حرم شریف میں جس منارہ پھاڑاں دیتے تھے اسکے نیچے ہم رہتے تھے، وہ اوپر اذان دیا کرتے تھے اہم نیچے وٹا کرتے تھے، اس وقت منارہ بدن پر خارش نکلی ہوئی تھی ۱۰۰ از مولوی دلائی حسین

۱۲۸۱ھ ہجری دو ماہ ہوئے شروع ہو چکا تھا، خارش جسکی ابتداء مکہ معظمہ میں ہو چکی تھی دن بدن رو بہ ترقی تھی اول خشک تھی اب تر ہو گئی تھی ابتداء معمولی تھی اور اسوقت ہولناک بن گئی تھی اسی حالت میں آپ جہاز پر سوار ہو گئے جہاز پر سوار ہونا تھا کہ دفعۃً بخار چڑھا اور اتنا شدید کہ سرسام ہو گیا۔ تین دن تک بے ہوش رہے، دست جاری ہوئے اور اتنی تعداد میں کہ گنتی دشوار ہو گئی (اس کے بعد بیماری کی تفصیل، مولوی ابوالنصر صاحب کی غیر معمولی خدمت گزاری و تیمارداری کا ذکر ہے، جزاۃ اللہ خیر) حضرت کا مرض اس درجہ شدید ہو گیا تھا کہ محنت کا خیال منہم اور گمان ہی گمان نہ گیا تھا۔ بہت سی پہونچکر علاج بھی ہوا اور پوری کوشش کے ساتھ ہوا مگر رانی کے دانہ برابر مرض میں کمی نہ ہوئی بہت سی میں ایک مہینہ قیام ہوا، مزید قیام قافلہ والوں کیلئے سخت دشوار تھا، ناچار وہاں سے روانگی ہوئی، کراٹاک ریل پر رامپوری قافلہ کے ساتھ آئے، ریل ابھی وہیں تک تھی کہ راستے اندر تک دوسری سواریوں میں سارے قافلہ نے سفر کیا اب یہاں سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ تھی اسلئے کہ مریض کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی قافلہ والوں کو کہہ دیا گیا کہ آپ لوگ جائیں، مولوی ابوالنصر حضرت کو لیکر اندر میں ٹھہر گئے اور کسی طرح حکیم محمد اعظم خاں دہلوی طبیب خاص مہاراجہ اندر مؤلف اکبر اعظم کو سرائے میں جہاں قیام تھا لائے حضرت کو دکھا کر ان کا علاج شروع کیا، غیبی امدادوں کا ایسا ایسا ظہور ہوا کہ باید و شاید، اسی اثناء میں سکند جہاں بیگم والیہ بھوپال کا اندر میں وارد ہوا، اور انھوں نے دو سو روپے بتقریب دعوتِ اہلیہ ابوالنصر کو بھیجا، حکیم محمد اعظم کے علاج سے حضرت کو بہت نفع ہوا اور حکیم صاحب نے مولوی ابوالنصر صاحب کو مشورہ دیا کہ حالت قابلِ اطمینان ہے اب بسم اللہ کرو اور دطن کو جاؤ، مگر دوا کا استعمال جاری رہے، چنانچہ اندر میں ایک ماہ قیام کے بعد دطن روانہ ہوئے، کچھ گویا ریل میں قیام ہوا اور وہاں سے چل کر میرٹھ میں ٹھہرے اس کے بعد بخیر و عافیت گنگوہ پہونچے، اوائل ۱۲۸۲ھ میں حج کو تشریف لے گئے، اور محرم ۱۲۸۲ھ میں وطن واپس ہوئے۔

(دوسرا ج) ۱۲۹۳ھ دو سال تھا جس میں ترکی و روس میں جنگ پھری ہوئی تھی اور طبعا ہر مسلمان ترکی کی فتح پائی کا متنی تھا، اسی سال حضرت نے حج کا قصد فرمایا، جسوقت دیگر حضرات کو خبر ہوئی تو سرزمین ہند کے پیچہ علماء سب ہی معیت کے لئے تیار ہو گئے مشاہیر علماء میں

آپ کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم، حکیم فیاض الدین، مولانا محمد منظر مع البلیہ، مولانا رفیع الدین دیوبند، مولانا محمود حسن، حکیم محمد حسن، مولوی حکیم محمد اسماعیل، مولانا محمد منیر، مولوی احمد حسن کانپوری مع البلیہ وغیرہم شریک کارواں تھے۔ پورا قافلہ سو سے اوپر کا تھا، مولانا محمود حسن، حکیم محمد حسن اور مولانا رفیع الدین، رشتہ دار کو وطن اور دیوبند سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچ گئے، اور حضرت گنگوہی ۴۴ ارشوال کو سہارن پور میں ریل پر سوار ہوئے، اس سال ریل بمبئی تک جاری ہو گئی تھی، اور بمبئی سے جدہ تک آگسٹ (اٹھو) چلنے لگے تھے، غازی آباد میں ریل بدلی جاتی تھی اور پھر آباد سے کلکتہ لائن چھوڑ کر جبل پور دوسری گاڑی میں بیٹھنا پڑتا تھا، جبل پور سے بمبئی تک ریل کا سلسلہ قائم تھا۔ دو گاڑیاں چلتی تھیں، ایک سواری گاڑی جو دن بھر چلتی تھی اور جہاں رات ہوتی وہاں شب گزارتی، دوسری ڈاک گاڑی جو دن رات چلتی تھی، اس کا کرایہ زیادہ تھا، وقت کی بچت کے سوا اور کوئی فرق آسائش میں نہ تھا۔

منشی ممتاز علی صاحب کمبوہ کے اصرار سے اٹاوا میں قافلہ کو رکنا پڑا، اس مبارک سفر کی شہرت بہت عام ہو گئی تھی اس لئے ہر اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں کا ہجوم ملتا تھا جس کی قسمت میں بیت المقدس کی وہ اجازت لیکر ساتھ ہو جاتا تھا، مولانا احمد حسن کانپوری اس وقت ایسے معتقد تھے کہ گھنٹوں حضرت کے پاؤں دباتے تھے، وہ مع البلیہ کے اس قافلہ میں تھے۔ الہ آباد سے جبل پور پہنچنے تو ڈاک کی ایک گاڑی رزرو کر لی گئی اور محصول سارے قافلہ پر تقسیم کر دیا گیا اس طرح پر بمبئی تک کا کرایہ فی کس پچیس روپیہ پڑا۔

بمبئی پہنچ کر حضرت نے رحمت اللہ انبیٹھوی کے حجرہ میں جو حکیم اسماعیل کی مسجد کے مؤذن تھے قیام فرمایا۔

ریل کے سفر میں امامت اکثر حضرت گنگوہی فرماتے یا مولانا محمد یعقوب صاحب بمبئی میں قافلہ کو ۴۴ دن ٹھہرنا پڑا، ۴۴ دن کے بعد جرمنی کا ایک جہاز بمبئی پہنچا حاجی قاسم نے ٹکیہ لیا اور شام ہی کو ٹکٹ فروخت کرنا شروع کر دیا، اکثر اہل قافلہ نے تقی کا کرایہ اوکیا اور ان حضرات نے باقی قافلہ والوں کے ساتھ چھتری کے ٹکٹ لئے، اگلے دن کشتیاں کنارہ پر آ لگیں اور جدہ جانے والے سارے مسافر جہاز

پر موار ہو گئے، دوسرے دن جہاز نے عرب کا رخ کیا اور سیٹی بجا کر روانہ ہو گیا، کپتان عیسائی تھا مگر شریف و نیک مزاج اس نے مسافروں کو بڑی راحت رہی، جہاز میں بڑی لمبی صف بندی ہو کر پانچوں نمازیں باجماعت ہوتی تھیں، آٹھویں دن جہاز عدن پہنچا اور ایک رات وہاں ٹھہر کر جہاز روانہ ہوا، چوتھے دن جدہ کا بندر گاہ نظر آیا، کپتان کی درخواست پر خوشنودی اور راحت یابی کی ایک سند عربی میں لکھ کر کپتان کو دی گئی اس پر حضرت نے بھی دستخط کیا اس کا انگریزی ترجمہ کر کے بھی اس کو دیا گیا۔

یہلم کے قریب پہونچکر حضرت نے وعظ بیان کیا اور سب نے احرام باندھا مولوی محمد اس میر ٹھی کو اس سال مطونی ملی تھی وہ حضرت حاجی صاحب سے اجازت لیکر جدہ آئے اور بندر گاہ پر قافلہ کا استقبال کیا، ان کو ان حضرات کی مطونی کا شرف ملا تو دوسرے معلمین کو حسد ہوا اس کے نتیجے میں بمشکل تمام انکو کرایہ کے اونٹ مل سکے اور ۲ روزی قعدہ کو جدہ سے مکہ روانگی ہوئی۔ شبہی کے اونٹ کا کرایہ لے کر رہتا اور شغفت کے اونٹ کا کرایہ پانچ روپیہ جواونٹ اول وقت چل نکلتے تھے انھوں نے سحر میں اور باقی قافلہ نے قعدہ میں قیام کیا اگلے دن شب کے وقت مکہ معظمہ پہونچے۔

حضرت حاجی صاحب کو پہلے سے اطلاع مل چکی تھی اس نے جوش محبت میں شہر سے باہر آکر کھڑے انتظار کر رہے تھے، جب قافلہ باب مکہ پر پہونچا تو قافلہ والوں نے دیکھا کہ پٹکے سے مکہ باندھے فسیل کے پاس حضرت کھڑے ہیں، شیخ کے شیدا اسی وقت سواری سے اتر پڑے اور بغل گیر ہو کر خوب دل کھول کر ملے۔ حضرت حاجی صاحب سب کو اپنی رباط میں لائے یہ مکان اسی سال ملا تھا، صبح کو دعوت بھی آپس ہی کے دسترخوان پر ہوئی۔ قافلہ کا اکثر حصہ آخر تک اس رباط میں رہا۔

حج کا زمانہ قریب تھا اس سے فراغت حاصل کی اس کے بعد حضرت گنگوہی قافلہ کے ہمراہ سلطانی راستہ سے مدینۃ الرسول روانہ ہوئے، ابھی شہر سے باہر ہی تھے کہ رات ہو گئی اور شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے گئے۔ اس نے مناخہ میں رات بسر کرنا پڑی، صبح کو مسجد نبوی میں نماز باجماعت ادا کی، اور صلاۃ و سلام سے فارغ ہو کر تا طلوع آفتاب مواجہ شریفہ میں

میں مراقب رہے، پھر حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت حاضر ہوئے حضرت بہت مسرور ہوئے سبے منافع کیا اور سب کا حال پوچھا۔

مدینہ مقدسہ میں کم بیش بیش دن قیام رہا، حضرت شاہ صاحب نے ملا سفر نامی ایک بخاری کو حضرت کے حوالہ کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ قبا، قبلتین، وایار سبہ، جبل احد ساری زیارت گاہوں پر حاضر می وی۔ تقریباً بیش دن قیام کے بعد قافلہ مکہ معظمہ واپس ہوا، پھر باطینان ایک مہینہ سے زیادہ مکہ معظمہ میں قیام کیا، جن لوگوں کے پاس خرچ کم رہ گیا تھا یا وطن پہونچنے کی ضرورت تھی وہ جہاز میں واپس ہو گئے، ایک ماہ گزرنے پر بہتوں کے پاس خرچ کم رہ گیا تا چار حضرت حاجی صاحب نے حضرت کو بھی واپسی کا مشورہ دیا۔ جدہ آکر جو جہاز کھڑا تھا اسی کا ٹکٹ لے کر سوار ہو گئے، اور تیرہویں دن بمبئی پہونچ گئے ۱۲۹۵ھ میں گنگوہ واپسی ہوئی حضرت بولانا قاسم صاحب کو اسی سفر میں علالت لاحق ہوئی جو ۱۲۹۶ھ میں آخر جان ہی لیکر گئی۔

(تیسرا ج) حضرت گنگوہی نے ۱۲۹۹ھ میں تیسرے حج کی تیاری کی جو دوسرا حج بدل تھا اس سفر کا تہیہ دفعہ ہوا وقت اتنا تنگ ہو گیا تھا کہ حج ملنے کی لوگوں کو امید نہ تھی، چوتھی ذی قعدہ کو آپ روانہ ہوئے۔ اسی سال کامران میں سلطان روم (ترکی) کی طرف سے فریضہ قائم ہوا تھا، جو حجاج براہ عدن جائیں وہ کامران میں صحت جسمانی کے امتحان کو دس یوم خس پوش مکان میں ٹھہریں، حج میں صرف بارہ چودہ روز باقی تھے کہ ایک جہاز آیا اور ٹکٹ تقسیم ہونے لگا، حضرت نے اسی جہاز کا ٹکٹ خریدا اور اس میں سوار ہو گئے۔ جہاز نے بمبئی سے ننگر اٹھایا تو ساتویں دن سیدھا عدن پہونچا اور چند گھنٹے بندر گاہ عدن میں ٹھہر کر وہاں سے چلا تو نویں دن جدہ نظر آنے لگا۔ جہاز کے ننگر ڈالتے ہی مسافر کشتیوں پر سوار ہو گئے اور خشکی پر اترے کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کامران کیا شے ہے اور کہ ہر واقع ہے واپسی میں اس جہاز کو یسنا اٹلی کہ بیش دن کا قریضہ ہوا، اور تین ہزار روپیہ جرمانہ جدہ سے اونٹ کا بندوبست جلدی ہو گیا اور مکہ پہونچکر لگے دن ارکان حج شروع ہو گئے۔ نہایت اطمینان کے ساتھ آپ وقت پر منی روانہ ہوئے۔

حجاز میں تیسری دفعہ حضرت حاجی صاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس سفر میں مفتی غایت احمد صاحب سے ملاقات ہوئی، مفتی صاحب بقصد ہجرت بمبئی میں ٹھہرے ہوئے

تھے جب ان کو خبر ہوئی تو ملنے کے لئے آئے، حضرت گنگوہی ان سے ناراض تھے اس لئے انھوں نے خود ہی اپنا تقارف کرایا اور فرمایا کہ ہم نے سنا کہ آپ اہل علم ہیں اور شاہ دلی اللہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ملنے کو دل چاہا، غرض تھوڑی دیر بیٹھے اور چلے گئے، حضرت نے فرمایا کہ جب مفتی صاحب بڑے آدمی ہو کر مجھ سے ملنے کو خود تشریف لائے تو میں کیوں نہ جاتا آخر دوسرے دن میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا، دیر تک باتیں ہوتی رہیں اسکے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب کو شاہ دلی اللہ صاحب کے خاندان سے نہایت محبت تھی اسکے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب اور جہاز سے گئے اور میں دوسرے جہاز میں گیا خدا کی شان میں جہاز سے وہ گئے وہ جہاز تباہ ہو گیا اور سوار ہاں غرق ہو گئیں انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت کا یہ آخری مع تھا۔ حضرت کی وفات ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔

مولوی زین اللہ بستوی

آپ موضع دریا باد پرگنہ مگر ضلع بستی کے باشندہ، اور ریاست چھتر پور (بندیل کنڈ) میں مدرس تھے۔ آپ نے ۱۳۹۰ھ میں ہر قافہ خواجہ احمد حسین خاں معتمد خاص والی رام پور چل گیا اور خود توشہ حجاج کے نام سے اس سفر کی روئے دلکھی، یہ سال ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوا ہے۔

اس میں لکھتے ہیں کہ مدرسہ چھتر پور میں ان کو بیس مد پیہ ماہوار ملتے تھے، ۲۴ رمضان کو روانہ ہوئے ۲۷ ماہ مذکور کو بمبئی پہنچے، دغانی جہاز (اگبوٹ) کے آنے اور ملنے میں دیر تھی اس لئے چند روز بمبئی میں ٹھہرنا پڑا، ۱۲ ایشوال کو آگبوٹ جان فریڈ عرف کوئٹا میں ۴۵ روپیہ کرایہ دے کر سوار ہوئے اس جہاز میں ایک ہزار سے زیادہ مسافروں کو لینے کا حکم نہیں تھا، انگریزی جہاز تھا جس میں ۵ سو آدمی سوار ہوتے تھے اور وہ نو دن میں جدہ (جس کا فاصلہ بمبئی سے تیس ہزار میل ہے) پہنچتا تھا۔

جو کرایہ ہم نے دیا وہ تنق کا تھا، تنق کے دو درجے ہوتے ہیں ایک وہ جو سب سے نیچے ہوتا ہے اس میں نقطہ مال رہتا ہے، اس میں آدمی سوار ہوں تو شاید نصف سے زیادہ مرے ہوئے ملیں دوسرا درجہ مال والے کے اوپر ہوتا ہے اسی میں ہم سوار ہوئے اور بہت تکلیف اٹھائی، گرمی بدبو، پسوؤں اور جوؤں کی کثرت سے وہ اذیت برداشت کرنا پڑی کہ معاذ اللہ

شہ
میں رہا
چھپا ہے
شہ
ساد میں
یونہی نہ کرے

جہاز کا ایک درجہ دلو سا (کذا) کہلاتا ہے نہایت آراستہ و پیراستہ کمرہ کی طرح ہوتا ہے اس کا کرایہ نو سو روپے ہے، پانچ چھ آدمی شریک ہو کر لیتے ہیں۔

دلو سا کے دونوں جانب آراستہ کوٹھریاں بھی ہوتی ہیں، ایک کو ٹھری تین سو روپے کو ملتی ہے اس میں تین آدمی تک شریک ہو کر بیٹھتے ہیں پھر اس سے گھٹ کر اوپر کی چھتری ہے اس پر بھی بڑا آرام ہے، اس کا کرایہ ساٹھ ستر روپے تک ہے۔

۳۲ سوال سنہ ۱۲۹۰ھ کو جہاز بندر عدن پر نگر انداز ہوا، ہم یہاں دو دن مقیم رہے اور شہر دیکھا

۳۳ سوال کو لنگر اٹھا اور جہاز کی جانب روانہ ہوا دوسرے دن بلیم پہاڑ ملا اس موقع پر احرام باندھا جاتا ہے ۲۸ سوال کو ۳ بجے دن میں جہاز جدہ کی بندرگاہ میں نگر انداز ہوا اور شہیدیوں نے اپنی کشتیوں میں حاجیوں کو ان کے سامان سمیت سوار کر کے دریا کے کنارے پہونچا دیا اور فی کس آٹھ آٹھ آنے لئے۔ مطوین کے آدمی حاجیوں کو لینے کیلئے جدہ آ جاتے ہیں، جدہ سے مکہ تک اونٹ کا کرایہ اگر شقوف (کذا) کیجئے تو ۳ ریال اور اگر شہری کیجئے تو دو ریال ہے۔

ہم ۲۴ (یہاں کچھ غلطی ہے) سوال کو سواری شتر جدہ سے روانہ ہوئے اور ۲۹ سوال کو مکہ معظمہ پہونچے۔ سید ابو بکر مطوف کے یہاں ٹھہرے، ۲۵ ذی الحجہ کو امام خطبہ پڑھ رہا تھا کہ عین اسی وقت شامی قافلہ آیا اور اس نے گواہی دی کہ آج آٹھویں ذی الحجہ ہے چونکہ ایک دن کا فرق پڑ گیا اس لئے جلدی جلدی تیاری کرنے میں حاجیوں کو بہت تکلیف ہوئی تمام لوگ گھبرا کر کوئی رات کو کوئی علی الصبح اندھیرے سے اونٹوں اور خچروں کا کرایہ کر کے جانب عرفات روانہ ہونا شروع ہوئے، محتاج لوگ پایادہ جاتے ہیں، مکہ سے عرفات کا واپسی کرایہ فی اونٹ دو ریال اور فی خچر نصف ریال بدرجہ اوسط مقرر ہے، اس سال ایرانی شیخوں کی کثرت کی وجہ سے اونٹ کا کرایہ اور ہر چیز بہت گراں تھی۔ اس سال بہ نسبت ہر سال سابق کے زیادہ حجاج جمع ہوئے، یقین ہے کہ دس لاکھ آدمی سے بھی سوا ہوں گے۔ میدان بازار عرفات اور مزدلفہ کا نہایت گلزار اور ہر شئی موجود اور منی میں بازار نہایت عمدہ پختہ سنگین بنا ہوا ہے۔ ۱۲ ذی الحجہ روز جمعہ کو ہم منی سے رخصت ہو کر حرم شریف پہونچے اور طواف و زیارت

مشتہد ہوئے۔

۲۳ ذی الحجہ ۱۲۵۰ء دو شنبہ کو بعد ظہر مکہ سے ہمارا قافلہ جانب حبشہ روانہ ہوا، شتد کسوار می سے اونٹ کا کرایہ بدرجہ اوسط فی کس دونوں طاف کا ۲۴ ریال، اور شہری سے ۲۳ ریال مقرر ہے، اس سال کثرت حجاج و زوار کی وجہ سے چھپیں تک پہنچ گیا، جسکے سوا چھپیں روپے چہرہ شامی ہوتے ہیں، ششتراب نصف کرایہ روانگی سے پہلے وصول کر لیتے ہیں، راستہ میں کھانا اور پانی بھی انکو دینا پڑتا ہے ورنہ بہت سستاتے ہیں۔

مکہ سے چل کر شام کو ہم وادی فاطمہ پہنچے، نہر زبیدہ کا پانی نہایت شیریں اور شفا ہے، نکالے تو گرم، اور تھوڑی دیر رکھ دیجئے تو برت کی طرف سرد ہو جاتا۔ اس منزل میں امن و امن رہا، امید ہے دوسری منزلوں میں بھی امن رہے گا، اوں قافلوں سالار بدو ان نہایت عقیل اور صاحب علم ہے دوسری بیگم صاحبہ جو ناگدھ بڑی ہوشیار اور جہاد دیدہ ہیں، اس سے کہ بیگم صاحبہ کا ساتواں حج ہے۔ علاوہ بریں ان کے سپاہی تمام شب یہرہ دیتے رہتے ہیں، اور خود بھی یہرہ لیتی ہیں۔ رات میں نہیں سوتیں، صبح کو دن چڑھے تک سوتی ہیں۔ ۲۲ ذی الحجہ کو قافلہ وادی فاطمہ سے روانہ ہو کر دس بجے رات کو مقام اسفند (عسفان) میں پہونچا۔ اس جگہ بھی پانی کثرت سے اور شیریں ملا اور ہر طرح امن رہا۔ ۲۵ ذی الحجہ کو بعد ظہر قافلہ پیدا اور چار بجے فجر کو مقام خلیصہ (فلیس) میں پہونچا۔ اس مقام میں ایک مسکین بڑھے کی گھڑی چورے گئے اور باقی ہر طرح خیریت رہی۔ ۲۶ ذی الحجہ کو بعد ظہر قافلہ یہاں سے چل کر رات کے تین بجے بیرقیہ (بیرقیہ) پر پہونچا ایک حاجی قضاۃ الہی سے مرگیا، یہاں چوروں کا شور و غل تو رہا مگر کسی کا مال نہیں گیا پھر ۲۷ ذی الحجہ کو یہاں سے دوپہر کو کوچ کیا اور پانچ بجے بیرستور (مستورہ) پر پہونچے یہاں ایک رامپوری حاجی قضاۃ حاجت کو گیا اس کے پاس کچھ اشرفیاں تھیں چوروں نے اس کو بہت زخمی کیا اور اشرفیاں چھین لیں، وہ حاجی دوسرے قافلہ میں تھا۔ اس رات کو نہایت شور و غل اور وادیلارہا۔ یہ سفر مدینہ طیبہ کا نہایت خوفناک ہے، ۲۸ ذی الحجہ کو بیرستور (مستورہ) سے ایک بجے دن میں روانہ ہوئے اور آدھی رات کے قریب مقام رابح (رابح) میں پہونچے، یہاں پر ہر طرح خیریت رہی پانی کو بھی چنداں تکلیف نہیں ہوئی پھر بھی کثرت حجاج کی وجہ سے ہر کنویں میں پانی چک گیا اور کیچڑ نکلنے لگی، حالانکہ موسم سرما تھا۔

اس نے گرمی میں ضرور پیاس سے لوگ مرتے ہوں گے، چنانچہ اسی میدان میں دو قبریں باپ
ادبیٹے کی بنی ہوئی ہیں جو پیاس سے مر گئے تھے۔ یہاں قافلہ مختصر سنگین سلطان روم کا ہے۔
۳۲ روزی الحج کو رات بخ سے چل کر شب کے دو بجے مقام بیر ملتف منت پر پہونچے۔ یہاں پانی کی
نہایت قلت اور تکلیف۔ ہی مغربی قافلہ میں بانی کے واسطے کنویں پر تلوار چلی مگر زخم کاری سے
محفوظ رہے، چوروں سے امان رہا۔

یکم محرم ۱۲۹۱ھ کو ملتف سے کوچ ہوا اور رات کے دو بجے بیر عباس پر قافلہ پہونچا
بدوؤں کے سردار کا مکان بیر عباس سے ۴۴ کو س کے فاصلہ پر ہے اسلئے وہ راستہ ہی سے
کٹ کیا اور ساتھ کے بدوؤں نے بیگم صاحبہ کا تھیلا برتن اور دیگر اشیاء آٹا دال نمک کا کاٹ لیا
جب صبح کو سردار آیا اور بیگم صاحبہ نے شکایت کی تو وہ تلاش کیئے گئے، تھوڑے فاصلہ پر حناں
تھیلا پڑا پایا پھر واپس آکر بیگم صاحبہ سے دست بستہ اپنا اور بدوؤں کا قصور معاف کرایا سب
معلوم ہو گیا کہ یہ حرکت ساتھ والے بدوؤں کی تھی۔

۲۲ محرم ۱۲۹۱ھ کو بیر عباس سے بعد ظہر قافلہ روانہ ہوا اور شب کے آٹھ بجے مقام
دادی شہدار میں پہونچا۔ یہاں ہر طرح امن رہا اسلئے کہ یہ مقام مدینہ منورہ سے بہت قریب
پانی وغیرہ کا بھی بہت آرام رہا۔

۳۲ محرم ۱۲۹۱ھ کو دس بجے دن میں یہاں سے قافلہ نے کوچ کیا اور شب کو تین بجے
مدینہ منورہ میں ہم داخل ہوئے اور متصل مسجد نبوی قدیم کے بیگم صاحبہ تقریباً نصف قافلہ کے
ساتھ فروکش ہوئیں، سب لوگوں نے اسی مسجد میں نماز فجر ادا کی، مگر اس عاصی نے چند
راہپوری جال کے ساتھ حرم شریف جا کر باجماعت نماز فجر پڑھی اور نماز کے بعد صلوٰۃ و سلام
پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

تمام ملک، عرب میں روپے کے عوض ریال چلتا ہے اور ریال ہندوستان کے روپے
کے حساب سے سوا دو روپے کا ہوتا ہے اور اشرفی کی جگہ دینار اور آنے کے بجائے قرص (قرش)
اور قرش سوا آنے کا ہوتا ہے۔

۲۷ صفر ۱۲۹۱ھ دوشنبہ کے دن بارہ دن قیام کرنے کے بعد تیرھویں روز مکہ معظمہ

سے ہم نے بعد نماز عصر کو حج کیا اور شب میں جدہ (باہار) رہ کر دوسرے روز شب میں بارہ بجے جدہ میں داخل ہوئے۔ تمام شب جاگ کر صبح کی، شوقی قسمت سے اسی دن آگبوٹ چھوٹ گیا۔ پندرہ بیس دن دوسرے آگبوٹ کے انتظار میں پڑے رہے اور انواع انواع کی تکلیف حجاج کو ہوئی، پانی بہت گراں قیمت سے ملتا تھا۔ پتوؤں کی کثرت تھی، چوبیس روز تک آگبوٹ کا انتظار کرنا پڑا۔ تاآنکہ ۲۹ صفر کو سونیز سے ایک آگبوٹ سسی جان لایس یکا یک آنکلا، حجاج بہت خوش ہوئے مگر جب نول (کرایہ) کپتان نے جاری کیا تو معلوم ہوا کہ اتنی روپیہ فی نفر مانگتا ہے، چونکہ حجاج کے پیسے چک گئے تھے اس نے سناٹا چھایا، پھر کپتان نے کچھ سوچ کر ساٹھ روپے لینے کا حکم دیکر وصول کرنا شروع کر دیا مجبوراً ہم نے بھی اس آگبوٹ کا کرایہ کر لیا، اس سبب ہندوستانی حاجی بہت کثرت سے آئے، اتنا زیادہ کرایہ کبھی اور سال میں نہ ہوا کمال گراں ہوتا تیس بتیس روپیہ۔ اس جہاز میں جن کے پاس خاطر خواہ روپیہ تھا وہی سوار ہو سکے، میرے پاس بھی پچاس ہی روپے رہ گئے تھے، لیکن باعانت خواجہ صاحب مسبوق الذکر کے سوار ہوا۔ ابھی جدہ میں بہت لوگ مجبور پڑے ہیں جو بفلوں میں، یا جب بادی جہاز دستیاب ہوگا قریب موسم بارش کے سوار ہونگے ابھی موسم بادی جہازوں کا نہیں ہے۔ بادی جہاز اگر موافق ہوا نہ ہو تو دو چار مہینے تک ٹکراتا پھرتا ہے، آگبوٹ کی ٹیم (ٹائم) مقرر ہے کسی وجہ سے دیر ہوئی تو دو ایک روز کا فرق پڑتا ہے۔

حاجی لوگ یکم ربیع الاول ۱۲۹۱ھ کو جہاز میں سوار ہوئے اور دو ربیع الاول کو دس بجے دن میں ننگر اٹھایا گیا، اور ۴ ربیع الاول کو چھ بجے شام کے وقت عدن میں داخل ہوا، آٹھ گھنٹے تاخیر سے اسلئے پہونچا کہ جدہ سے باب سکندری (باب المذب) تک دریا میں بڑا تلاطم تھا، آگبوٹ زیر دہر ہوتا رہا، ایک شبانہ روز عدن میں قیام کے بعد ۸ رتار بج کو چھ بجے شام آگبوٹ بمبئی روانہ ہوا اور ۱۸ ربیع الاول کو رات کے بارہ بجے بندہ بمبئی میں داخل ہوا، ۱۹ کی صبح کو حاجی لوگ جہاز سے اترے۔

ہم تین دن بمبئی میں ٹھہر کر ۲۱ کو ریل میں سوار ہوئے۔ اور ۲۴ کو فتح پور پہونچے، یہاں خواجہ صاحب کا ساتھ چھوٹ گیا وہ رامپور تشریف لے گئے اور میں ۲۵ کو بسواری شکریم شہر باندہ کی طرف روانہ ہوا، ۲۶ کو داخل شہر ہوا، پندرہ دن وہاں قیام کرنے کے بعد ۱۲

درجہ الثانی کو باندھ سے روانہ ہو کر بمقام سرسے کبرئی مقام کیا۔ اور ۱۳ کو مہو بے میں اور ۴ کو ملہرا۔
قیام کیا۔ وہاں سے فجر کے بعد روانہ ہو کر بارہ بجے دن میں چھتر پور پہونچا۔

مولانا نصر اللہ خاں خورجوی

۱۲۲۶ء میں پیدا ہوئے، تکمیل فنون سپہ گری کے بعد عمر کے اٹھارہ سال میں انکے
ماموں فتح علی تحصیلدار اعظم گڑھ نے ان کو تعلیم دینے کیلئے مولوی چراغ علی کے سپرد کیا۔
۱۲۳۶ء میں اپنے استاذ مولانا احمد علی چریا کوٹی کے ہمراہ بنارس گئے اور تین سال
وہاں رہ کر تمام علوم درسیہ (باستثناء حدیث) کی تحصیل سے فراغت پائی، اس کے بعد درس دنیا
شروع کیا، اپنے استاد کی تصنیفات کی شرح اور بعض پر حواشی لکھے۔

شاہ عبدالعلیم صاحب کو بنارس میں پایا اور ۱۲۴۴ء میں شاہ صاحب نے ان کو سلسلہ قادریہ
میں داخل فرمایا ۱۲۵۲ء میں خلافت حاصل ہوئی، بکثرت لوگوں نے آپسے فیض ظاہر و باطن حاصل کیا۔
سرکار انگریزی میں متعدد عہدوں پر رہے، ۱۲۴۹ء میں نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور اعظم گڑھ
میں خود اپنے ماموں کی نیابت کی ۱۲۵۱ء میں تحصیل سلیم پور کے منصرم، بعد میں تحصیلدار مقرر ہوئے
پھر تین ماہ کی چھٹی لیکر ماموں کے پاس رہے اس کے بعد ترقی کی فکر میں الہ آباد آئے اور ضلع میں
پوری میں ڈپٹی کلکٹر مقرر کئے گئے۔ پھر تبدیل ہو کر بجنور آئے وہاں سے مظفرنگر ٹرانسفر ہوا بعد چنڈ
انگریز کی نوکری ترک کر کے خانہ نشین ہو گئے، پھر ریاست کپورتھلہ کی طرف سے بہرائچ کا کام کیا آخر میں
عیر مسلموں کی نوکری سے گویا توبہ کر لی اور ۱۲۸۱ء ہجری میں حیدر آباد کارنل کیا، ایک کتاب تاریخ
حیدر آباد کے نام سے لکھی اس میں منزل بمنزل راہ کے حالات اور حیدر آباد کی آبادی و تعمیر وغیرہ کا
مفصل حال لکھا ہے۔

حیدر آباد میں نواب مختار الملک سرسار جنگ بہادر کی ملازمت میں پندرہ سال رہے
اس کے بعد مشن ہو گئی جو آخر عمر تک قائم رہی۔ اسکے علاوہ ریاست حیدر آباد سے دو سو روپے اہوار
وظیفہ بھی ملتا تھا۔

اس سفر کی کچھ تفصیل ان کے خلیفہ مولوی فرید احمد غازی پوری نے بیاض جانفزا میں بیان

کی ہے لکھتے ہیں شوال ۱۲۹۲ھ میں حیدرآباد سے بارہ اونچ بجہی آئے اور پالیس دن یہاں قیام کرنے کے بعد ۷ ارزی قعدہ ۱۲۹۲ھ کو دفانی جہانست بدہ روانہ ہوئے، ایک بندہ میں ایک روز سنگر ہوا جب مقابل عدن پہونچے تو ایک روز وہاں بھی ٹھہرے، بعض لوگوں نے شاہ عیدیس کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی، جدہ پہونچے تو چھٹی پھوٹ کشتیوں دفانی کے قریب آئیں کشتی والے اپنے طور پر مسافروں کا سامان اتار کر رکھنا شروع کر دیتے ہیں، اور کنارہ سے پہلے کشتی روک کر من مانی جہت بھول کر لیتے ہیں اس لئے، اجرت پہلے سے طے کر لینی چاہیئے، مطوفین مکہ کی ۲۴ فست اکثر لوگ ہندی کی جدہ آتے ہیں اور حاجی مطوف کا، م پوچھ کر اس مطوف کے دکیل کے سپرد اس حاجی کو کر دیتے ہیں جدہ کے شہر پناہ کے پھاٹک پر ترکی لوگ تماشائی اسباب مسافران کی منجانب سلطان روم کرتے ہیں اور اپنے قاعدہ سے محض لیتے ہیں اور روانگی مصلوں کی رسید ہونے کے لئے پھاٹک میں جانا پڑتا ہے اس وقت بہت چوکی کی ضرورت ہوتی ہے، ہم نے پہلے حج میں سید ابوبکر رشیدی کو مطوف کیا تھا اس سفر میں بھی انھیں کو منتخب کیا، ان کا نائب عبدالحکیم ہندی بہت لائق اور خلیق ہے، جدہ سے شقذ اور شبری پر مکہ جاتے ہیں اسباب کی حفاظت اسی میں زیادہ ہے، ورنہ بچر بھی بہت جاتے ہیں اور بعد مذہب جدہ سے چل کر صبح کو نماز فجر حرم میں پڑھوا دیتے ہیں، شتر میں دو دن لگ جاتے ہیں جدہ میں شب باشی کا آرام ملتا ہے، راہ میں جا بجا قہوہ خانے ہیں۔

مکہ منظر میں مولانا شاہ محمد عمر نقشبندی دہلوی مہاجر کے مکان میں باب العتیق کے قریب قیام کیا، شاہ محمد عمر صاحب حرم میں ایک خاص جگہ ہر نماز بیچگانہ کے بعد حلقہ کر کے تعلیم و توجہ دیا کرتے تھے اس وقت چند صاحب اجازت مرید بھی حاضر تھے، صاحبزادہ شاہ ابوالخیر صاحب ان میں سب سے ممتاز تھے، مولانا نصر اللہ خاں بھی شریک حلقہ ہوتے تھے اور مولوی فرید کو بھی توجہ دلاتے تھے۔ ایک مقام میں صاحب طریقہ صابریہ حاجی امداد اللہ صاحب مستانہ دار عالم رشتادیم میں مشغول محنت رہتے تھے اور طریقہ جاری رکھتے تھے۔

مکہ معظمہ پہونچکر دو روز میں سامان کی حفاظت کا انتظام کیا اور منی و عرفات جانے کی تیاری کی اس پانچ دن کے سفر کیلئے فی شتر پانچ ریاں کرایہ طے ہوا، ۷ ارزی الحجہ کو بعد اشراف

حج کا احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہوئے جو بفاصلہ تین کروڑ ایک دویش ہے، ۸۰ رزی الحج کو وہاں سے حکم نافی عرفات روانہ ہوئے کیونکہ حج اکبر تھا یعنی نویں ذی الحج کو جمعہ تھا، پس بتظر متیاد بسبب شبہ اختلاف ہلال ذی الحج کے دو روز عرفات میں حاضر رہے، قبل دوپہر کے مسجد نمرہ میں تمام حاجی حاضر ہوئے اور زوال ہوتے ہی ظہر کی اذان ہوئی اور نماز ظہر پڑھی گئی پھر خطبہ ہوا اس کے بعد تکبیر کہہ کر نماز عصر ادا کی گئی هنوز ظہر کا وقت باقی تھا اسے

پھر سب حاجی اپنے اپنے مقام و بستر پر آئے اور قاضی صاحب جبل رحمت کے اوپر بسواری ناتہ چڑھ گئے اور سواری پر حج کا خطبہ شروع کیا یعنی آخر وقت سے غروب آفتاب تک اس وقت تمام حاجی زیر دمان کو خطبہ سننے کو حاضر ہوتے ہیں، مولانا نصر اشرف مع مولانا شاہ محمد علی اور دیگر بزرگان کے اپنے مقام میں زیر دمان کو میدان میں مراتب ہوئے وقت مغرب بغیر ادا نماز کسی قدر دال روٹی کھا کر عرفات سے روانہ ہوئے اور نو بجے رات کو مزدلفہ میں مسجد خیف (یہ غلط ہے مشعر حرام لکھنا چاہیے) پہنچے اور فوراً مغرب بنیت ادا پھر فرض عشاء پڑھی پھر سنت مغرب بعدہ سنت عشاء اور وتر پڑھی۔ دسویں کو مزدلفہ سے روانہ ہوئے چار گھنٹے میں منیٰ پہنچے اور درمیان پہاڑوں کے متصل مسجد (خیف) کے اترے فوراً رمی جمرہ عقبہ کیا، مقام فرد گاہ سے مسجد دو سو قدم پر تھی، اور مسجد سے جمرہ عقبہ کا فاصلہ پانچ سو ستہ قدم ہے۔ ملائید داغستانی کی معرفت پانچ سو سفند دس ریاں میں خرید کر قرآن کی قربانی کی اس مقام پر روٹی جسکو اکثر عیش کہتے ہیں سواد و قرش کو ملتی ہے اور اجرت بنانے گوشت قربانی کی سوا قرش، اور اجرت حلاق ۳ قرش، اور پانی ایک مشک تین قرش کو ملتا ہے، اور قرش غالباً سو اٹھ ہندوستانی کا ہوتا ہے بعد رمی اور قربانی کے حلق کر کے احرام اتارا اور ہندی کپڑے پہنے، اسی دن شام کو ابر نمودار ہوا اور کسی قدر بارش بارش بارش سے سردی ظاہر ہوئی۔ گیارہویں کو مولانا نصر اشرف ہم سب کو رمی بہار کیلئے ساتھ لے گئے اور مولانا محمد علی عمر کے ساتھ کھڑے ہو کر دعائے قربانی

اس وقت کیا ہوتا ہے اور کیا کرنا چاہیے اسکو مناسک حج کے متعدد رسالوں میں پڑھئے، اسی طرح تمام مسائل میں سفناؤں کے معانی مناسک کی کتابوں پر اعتماد کیجئے۔

۱۰ جب ساتوں کو مکہ میں احرام باندھا اور اس سے پہلے عمرہ کر کے احرام کھول چکے تھے تو قرآن کیسے ہوا؟

بارہویں ذی الحجہ کو حجِ ماضی حرم کعبہ اشرف میں ہوئے اور طواف زیارت کر کے شکر بخجی بجالائے۔
 بارہ دن حرم کی حاضری کے بعد ۲۴ ذی الحجہ کو باب العتیق پر مولانا محمد عمر نے مقابل
 خانہ کعبہ دعائے سلامتی کر کے رخصت کیا اور قافلہ مدینہ طیبہ روانہ ہوا اگر ایہ شتر شقوت کا
 فی شتر ۱۳ ریال اور ایک ایک ریال خوراک شتر کا ایک طرف کا قرار پایا۔ سید زکریا داغستانی
 مرید شاہ احمد سعید اور سید غلام مصطفیٰ مرید مولانا منظر ساتھ تھے، رابقی (رایغ) میں احمد مختار
 پاشا (حاکم رایغ نے) قلعہ سلطانی میں دعوت کا اہتمام کیا اور ایک شامیانہ اور چارتر کی سپاہی پہرہ
 کے لئے رہے، مولانا عبدالحی لکھنوی واسطے ملاقات کے اندرون شامیانہ تشریف لائے۔ کیفیت
 طے۔ سانت راہ مدینہ طیبہ بطور فہرست مختصر یہ ہے، ۲۴ ذی الحجہ روزہ جمعہ بعد نماز براہِ مرار محوشاہ
 ابن سلطان ابراہیم اور جبل، بوجہل سے نکل کر مناخہ تک پہنچے، نماز عصر کے بعد مناخہ سے روانہ
 ہوئے دس بجے رات کو دادی فاطمہ میں داخل ہوئے اور نماز مغرب کی مسجد تنیم میں پڑھی تھی ۲۴
 کو ۹ بجے دن میں دادی فاطمہ سے چل کر نصف شب مقام بیر تفلہ میں پہنچے، ۲۵ کو نو بجے
 دن میں چلے اور مقام خلیص میں پہنچے، ۲۶ کو خلیص سے روانہ ہو کر بیر تفسیمہ (بیر قدیم لکھا ہے)
 پہنچے یہاں گوشت اور کھجور ملتی ہے۔ ۲۷ کو سات بجے قفسیمہ سے چلے اور آٹھ بجے رات کو
 رابقی (رایغ) پہنچے، ایک روز قیام کیا ۲۹ کو سات بجے دن میں قافلہ روانہ ہوا اور سات بجے
 رات کو مقام بیر ستورہ میں پہنچا، اس منزل میں کنویں کا پانی بہت شیریں ہے اور آبادی اس
 سے متصل ہے، اسی جگہ بلال محرم ۱۲۹۳ھ نظر آیا، یکم محرم بروز جمعہ یہاں سے روانگی ہوئی سردی
 سخت اور ہوائیں تیز تھیں، اور راہ گم ہو جانے کی وجہ سے رات بھر اڈنٹ چلتے رہے بلکہ گر گر پڑتے
 تھے آخر الامر بمقام بیر حسانی ۴ محرم کو نماز فجر نصیب ہوئی، یہاں آب شیریں کی کثرت ہے،
 گوشت، خرما، بادام، کھجور نیز لکڑی بہت ہے، یہاں سے کچھ قافلہ جدا ہو کر براہِ ملف کہ تین روز
 کی راہ مدینہ طیبہ کی ہے روانہ ہوا، ہم لوگ راہ سلطانی میں رہے، ۲ محرم کو اسی دن دوپہر کو

پیر حسانی سے کوچ ہوا اور ایک پہر رات گزری تھی کہ وادی صفرا میں پہونچے اس جگہ باغ بہت ہیں اقسام کچھ اور بقولات پائے جاتے ہیں، یہاں سے ۴ کروہ پر وادی حمر ہے اسکو واسطہ بھی کہتے ہیں اس جگہ بڑا بازار ہے،

۳ محرم کو وادی صفراء میں قیام ہا یہاں سے منبع بفاصلہ ۱۰۰ یروزہ کے ہے اس منزل کی راہ میں جا بجا مواضع اور مزارع خصوصاً مہدیدہ مثل شہر کے ہے، ۴ محرم کو بوقت اشراق وادی صفراء سے قافلہ چلا اور آٹھ بجے رات کو بیر عباس پہونچا، رات بھر رہ کر ۵ محرم کو عین شدت ہوائے سرد میں چل کر ۶ بجے رات کو مقام فریش میں پہونچے یہاں پانی بہت کم ملتا ہے۔ ۷ محرم کو کوچ ہوا دش بجے رات کو شہر مدینہ پہونچے اور باب صغیر پر شب باش ہوئے۔ ۸ محرم کو بعد نماز صبح مولانا محمد منظر مجددی کے رباط میں قیام ہوا۔

حضرت مولانا محمد منظر صاحب اور حضرت مولانا عبد الغنی صاحب محدث مع مریدان مبارک ان اکثر خود رباط میں تشریف لاتے تھے اور دیر تک صحبت رہتی تھی، حکیم عبدالسلام ملیح آبادی اور مولانا عبد الحمیٰ لکھنوی اور دیگر علماء و علما کا مجمع بھی ہا کرتا تھا۔

مدینہ میں حضرت مولانا شاہ منظر صاحب کا حلقہ جاری تھا، مولانا نصر اللہ کا حکم تھا کہ ان حضرات کی صحبت و حلقہ کو غیبت جانو اور بقدر امکان و فرصت یہ نعمت لے لو مولوی فرید چند بار حلقہ میں حاضر ہوئے ایک دن کچھ نقدی دے کر فرمایا کہ اسکو بحضور مولانا عبد الغنی صاحب لیجا کہ اپنے لئے دعا کراؤ اور اگر درس حدیث کا جاری پاؤ شریک ہو جاؤ، تبرکاً سبق لے لو، حرم میں تلاش کیا تو وہ جگہ خالی پائی جہاں تشریف رکھتے کرتے تھے باہر نکل کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہی بزرگ تھے جو تمہارے ساتھ سے ہو کر چلے جاتے ہیں، سبحان اللہ ایسی سادہ و ضعیف اور خالص طور میں تھے کہ نسبت شہرت کمالات اور عظمت ان کی شناخت میں غلطی ہو گئی اور ندامت ہوئی، بہر حال مولانا موصوف کو اپنے پیر کا پیغام پہونچایا اور جو کچھ تھا پیش کیا، مولانا موصوف اس عاجز کو اپنے مکان پر لے گئے اور دعائیں دیکر ممتاز کیا، اس زمانہ میں کثرت زائرین کی وجہ سے دس حدیث عارضی طور پر بند تھا۔

۳۰ محرم ۱۲۹۳ھ کو بعد اشراق صلوٰۃ و سلام کی سعادت حاصل کی، پھر باب مصری مناخہ آئے یہاں تخت رمل (ہندوستانی پالکی کی طرح مگر آگے اور پیچھے دونوں طرف پھیل گئی)

ہوتا ہے اور دونوں طرف سے ایک ایک اونٹ اسکو لے جاتا ہے) تیار تھا مولانا نصر اللہ تخت
پر اور ساتھی شتر پر مکہ معظمہ روانہ ہوئے، مدینہ سے مکہ تک تخت، واں کا کرایہ اسی ریاں اور
مقام رابق (رابع) سے اگر چھوڑ دیا جائے تو دو ٹکٹا تقرر ہوا۔ اور شتر کا کرایہ فی شتر ۱۳ ریاں علاوہ
کرایہ شبری، مکہ معظمہ تک اور ۹ ریاں رابق (رابع) تک۔

واپسی میں پہلی منزل دادی غر متعلق فریش تھی، دوسری منزل غرہ صفر کو مقام غلص
تیسری بیر حسانی، چوتھی بیر شنج، پانچویں بیر مستورہ، ۵ صفر کو بیر مستورہ سے نو بجے دن کو چلے
اور آٹھ بجے رات کو مقام رابق (رابع) متصل قلعہ پہونچے ۶ صفر کو ایک دن قیام ہوا، رابق
کے پاشا سے ملاقات کی یہاں تخت روان کو آپ نے چھوڑ دیا اور رابق سے احرام باندھ کر
سمندر کے کنارہ پہونچے اور بغلہ میں سوار ہوئے، بغلہ کا کرایہ فی کس ۲۰ قرش مقام سایہ دار کا،
اور فی کس ایک سبے سایہ کامقر ہوا، اور ساحل سے بغلہ تک کشتی کا کرایہ تین قرش پڑا۔
رابع میں بیخ مرجان نہایت اذراں تھی۔ چونکہ ہوا مخالف تھی اس لئے رابق سے بغلہ آتے آہستہ
دو روز میں جدہ پہونچا، بغلہ کی روانگی سے پہلے ایک ترکی حکیم نے جانچ کے بعد اجازت سفر دی
اور قرطبہ والوں نے ایک ایک روپیہ وصول کیا درمیان میں بوقت شب لنگر ہوا۔ جدہ سے
صفر رخاں کو بکرایہ دس روپیہ بمبئی روانہ کر دیا گیا اور ہم لوگ مولانا کی معیت میں ۱۳ صفر کو
داخل مکہ معظمہ ہوئے اور ۱۳ صفر کو عمرہ کیا۔

مولانا رحمت اللہ صاحب (کیراؤی) ملنے آئے اور امتحان طلبہ میں شرکت کیلئے کہا مولانا
نصر اللہ نے مولوی فرید کو بھیج دیا، وہاں مولوی رضا علی صاحب بنارس سے ملاقات ہوئی وہ بھی شرکت
کئے۔ مولانا نصر اللہ نے ایک دن مولوی فرید کو معظم مکرم صاحب طریقہ صابریہ مستجمع فضائل حمید
حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا کہ ان سے حزب یحییٰ سیف الرحمن
کی اجازت لیو اور نقل دعا کی بھی مانگ لو، چنانچہ حاجی صاحب نے اجازت دی اور بہت دعا
دی (صفحہ ۱۲۹) ۱۶ صفر کو طواف دواع کر کے اور مولانا محمد عمر صاحب سے رخصت ہو کر جدہ
روانہ ہوئے، اور ۱۹ صفر کو دخانی نیساوی میں دس بجے دن کو سوار ہوئے ۲۰ صفر کو بروز جمعہ
یہ جہان بمبئی روانہ ہوا اور ۳ ماہ رجب الاول ہم داخل بمبئی ہوئے۔

مولانا نضر اللہ خاں صاحب نے ۱۲۹۹ء میں وفات پائی،

مولانا محمد طاہر (ساکن پورہ معروف) نے ۱۲۹۶ء میں حج کیا
۱۲۹۶ء میں وفات پائی، دیکھو (میرا مضمون "دو متبرک اجازت نامے" رسالہ معارف میں)
مولوی صاحب علی ساکن گھوسی (والد مولوی عبدالقادر) نے ۱۲۹۶ء میں حج کیا تھا۔
۱۲۸۱ء میں وفات پائی۔

مولانا عبداللہ مٹوی (المتوفی ۱۳۲۱ء) نے ۱۲۸۶ء میں حج کیا، حالات کی کچھ تفصیل میرے
مضمون "دو متبرک اجازت نامے" میں ملے گی۔
مولوی عبدالقادر ساکن گھوسی نے ۱۳۲۱ء میں حج کیا اس سفر میں ان کی ملاقات میرے
استاذ مولانا عبدالغفار صاحب سے ہوئی تھی، جیسا کہ میرے استاذ بیان فرماتے تھے،
مولوی عبدالقادر صاحب نے ۱۲۹۸ء میں بھی ایک حج کیا تھا، ان کے کتب خانہ میں ایک
کاغذ دستیاب ہوا تھا جس میں منازل راہ مکہ تا مدینہ درج تھیں، اس پر ۱۲۹۶ء درج تھا۔

مولانا حمید فرنگی محلی

ملا مبین فرنگی محلی کے صاحبزادہ تھے، حمید عالم تھے ۱۲۴۳ء میں حج کو گئے تھے تفصیل کے
لئے سجاۃ المؤمنین ص ۱۸۰ ملاحظہ کیجئے، ۱۲۵۶ء میں وفات ہوئی۔

مولانا محمد فصیح غازی پوری

مشہور عالم اور سید احمد شہید سے بیعت تھے، آپ نے ۱۲۴۲ء کے بعد حج کیا اسی سال
مولانا رضا علی بنارسوی امانت اللہ فیضی وغیرہا نے بھی حج کیا، مولانا فیضی غازی پورہ سے
بکسر تک بجرہ میں بکسر سے رانی گنج تک پالکی پر، وہاں سے غالباً ریل پر سفر کیا، اس لئے کلا سوت
رانی گنج تک ریل ہو چکی تھی، کلکتہ سے پانی کے جہاز پر سفر کیا، طواف میں مولانا رضا علی
ساتھ ہوتے تھے، مولوی محمد احسن لکھنوی مرید سید احمد شہید ہجرت کر کے مکہ میں مقیم تھے۔
دیکھو ص ۱۸۰

شاہ غلام رسول کان پوری بھی موجود تھے۔
مولانا نصیح نے ۱۲۸۵ء میں انتقال فرمایا۔

مولانا محمد احسن نانوتوی

حضرت شاہ عبدالغنی کے مرید و خلیفہ تھے، احیاء العلوم و مد فتنار و غیرہ کے مترجم ہیں،
محمد ایوب صاحب قادری نے ان کی سوانح عمری لکھی ہے، جو طبع ہو چکی ہے آپ نے ۱۲۸۳ء میں
حج کی سعادت حاصل کی اور ۱۳۰۱ء میں وفات ہوئی۔

مولوی ابوالبرکات ابن مولوی فضل امام بہاری

انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کی حیات میں دوحج کئے، برکات الدارین لمہاج الحرمین
کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۲۸۲ء میں کلکتہ میں چھپی ہے۔ دوسری کتاب برکات الانس ۱۲۸۹ء
میں لکھی جو ۱۲۸۲ء میں چھپی یہ کتاب شاہ عبدالرشید مجددی کی زندگی میں لکھی گئی ہے، برکات الدارین
کا نام تمام نسخہ میری نظر سے گزرا ہے۔

حاجی قنبر علی رئیس بھٹولی ضلع لکھنؤ

۱۲۸۴ء میں حج سے مشرف ہوئے، اور ترجمہ غیب الغریب الی دیار اکجیب کے نام سے
ایک رسالہ تصنیف کیا اس کا تاریخی نام آہنگ غریب ہے، اس رسالہ کا خلاصہ یہ ہے۔

رواگی از لکھنؤ	۶	شوال ۱۲۸۴ء	کرایہ تاکان پور	۶
از کانپور	۶	۶	کرایہ تالہ آباد	۶
از الہ آباد	۶	۶	کرایہ الہ آباد سے جیل پور	۶
از جیل پور	۶	۱۰	کرایہ تابہی	۶

۱۱ بجے دن کو بمبئی پہونچے، رباط حاجی اسماعیل سیٹھ میں قیام ہوا۔

بمبئی میں ۲۵ دن ٹھہرنا پڑا۔

کنگ آگبوٹ (کنگا آگبوٹ چھاپا ہے) نامی جہاز سے سفر کیا، فرسٹ کلاس کا کرایہ ستر روپے اور تھرڈ کاسینٹس روپے تھا۔

۶ رزی قعدہ کو جہاز میں سوار ہوئے، ۷ رکو چلا۔ ۱۴ رکو آدمی رات کے کیوت جہاز طوفان میں پڑ گیا اور سب لوگ حیات سے مایوس ہو گئے۔ سویرا ہوتے ہوتے سکون ہوا۔ ۱۶ رکو عدن پہنچے یہاں انگریز کی حکومت ہے، ۱۷ رکو عدن سے جہاز چلا ۱۸ رکو محافظہ ہوا ۲۱ رکی دوپہر کو (۱۵ دن کے بعد) جدہ پہنچا، ۲۳ رکو جدہ سے روانہ ہوئے، اونٹ اور خچر کے سوا کوئی سواری نہیں، شام کو چلے رات بڑی تکلیف سے سواری ہی پر کاٹی، دن نکلنے پر قعدہ پہنچے جو جدہ سے ۴۴ رکو س ہے۔ وہاں سے شام کو چلے اور کچھ رات باقی سستی کہ حوالی کہ میں پہنچ کرش اڑھائی آنہ کا ہوتا ہے، بردہ و جواری کی بیج و شراب کثرت ہوتی ہے، ہندی خریدنے کی جرأت اس لئے نہیں کرتے کہ انگریز قانون میں منع ہے۔

علماء بہت ہیں، میری ملاقات زیادہ لوگوں سے نہیں ہوئی مگر مولوی مرزا محمد امیر بیگ سے جو عالم العلماء و افضل العلماء مولانا محمد اسحق قدس سرہ کے خویش تھے، اور بڑے بزرگ و متبحر عالم تھے، اور اعیان مکہ میں سید حسن جبل اللیل شیخ الطوفین سے، اور حجاج میں حاجی واجد علی خاموش در بھنگوی سے جن کے بڑے بھائی امام علی خاں مستند عالم ہیں دوسرے شیخ کیلئے کہ میں ٹھہرے ہیں ان کا لڑکا مولوی اسحق خاں بھی متبحر عالم ہے۔ شیخ محمد اشرف قزوچی اور مولوی نظام علی ساکن منڈیاؤں نقشبندی مجددی سے بھی ملاقات ہوئی۔ منی سے عرفات روانہ ہوئے تو درمیان میں ایک مقتول ملا جس کا رد پیہ چھین کر مار ڈالا گیا تھا۔

۲۶ ریاں۔ سلطانی ریاں کا ہوتا ہے۔ ۲۷ ریاں فرانیسی (ایک ریاں) انگریزی، اور شبری کا

۲۹ رزی الحج کو مدینہ روانگی ہوئی منازل کے نام یہ ہیں، وادی فاطمہ، اسفان (عسفان) وادی فاطمہ سے ۲۲ کوس ہے، یکم محرم کو خلیص، ۲ محرم کو قفیمہ، ۳ کو رانج (یہاں مولوی محمد محسن پنجابی کو حرامیوں نے لوٹ لیا کسی طرح جان بچی) مستورہ۔ ۵ محرم کو بیر شیخ (یہاں پیاس ہے)

برحال ہوا، بیرعبہ اشتر، بیرعباس، دادی مشہد ابقریب بدر۔
 واپسی میں بیرعباس سے صفراء بدر وغیرہ ہوتے ہوئے مستورہ پہونچے سید محمد رضوان
 سے اعظم فضلاء مدینہ سے ہیں، مصنف نے دلائل کی سند لی کونیا آگبوٹ (شائد
 کون آگبوٹ) نامی جہاز سے واپسی ہوئی ۱۳ صفر کو مکہ معظمہ سے روانگی ہوئی ۱۳۰ رجب الاول
 کو لکھنؤ پہونچے۔

نواب عمر علی خاں رئیس باسودہ

نواب صاحب نے ۱۲۹۷ء (تقریباً ۱۳۰ ہجری) کو لہیا نامی جہاز سے سفر فرمایا اور
 رسالہ "زادغریب" لکھا اس رسالہ میں منازل مابین مکہ و مدینہ اس طرح بیان کی گئی ہیں۔
 مکہ سے بعد جمعہ چلے، تنیم پرانا عمرہ ۶۔ ۹ کو س پر ہے، آدھی رات کو دادی فاطمہ
 ۸ ساعت میں پہونچے، وہاں سے عفان، ارگھٹے میں، وہاں سے قضیہ ۳ ساعت میں،
 وہاں سے رابن (رانج) ۱۳ ارگھٹے، وہاں سے مسطورہ (مستورہ) گیارہ ارگھٹے، وہاں سے بیرنج
 گیارہ ارگھٹے، وہاں سے دادی صفراء ۱۵ ارگھٹے میں پہونچے یہاں قبراہی ذرغزاری ہے (یہ صحیح
 نہیں ہے) یہاں سے بیرعباس ۱۴ ارگھٹے وہاں سے بیرعباس ۱۴ ارگھٹے کنوان فاصلہ پر ہے۔
 یہاں سے ذراکیلئے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ ۱۹ ارگھٹے میں پہونچے۔
 ناچیز کہتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا ہے اور ایسے وسائل پیدا کر دئے ہیں
 کہ ۱۲۹۷ء میں ہم فجر کی نماز کے بعد تقریباً، رجبہ مکہ سے روانہ ہوئے اور اسی دادی فاطمہ و
 رانج سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ پہونچے تو لوگ ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد نبوی سے نکل رہے تھے
 یہ سفر کار سے ہوا تھا، فاکھد شہر۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عاشق الہی صاحب لکھتے ہیں "آپ کو حق تعالیٰ نے ساٹھ حج نصیب فرمائے،
 جن میں پہلا سفر حج ۱۲۹۳ء میں تنہا بھوپال سے، اور دوسرا ۱۲۹۷ء میں بیت مولوی سمس الدین

تیسرے دستے میں بادشاہ اس وقت ہو چکا تھا کہ وہ برطانیہ میں جنگ عظیم پر پائنتی،
اور طرح طرح کے فساد رونما تھے۔ دہلی سے آپ کے پاس ایک استغاثہ آیا تھا جس میں مسلمان ہند
کا ترکی سے جنگ کرنا، بلکہ کرخت سے نصیب چاہی گئی اور آپ نے دستخط کرنے سے
صاف انکار کر دیا اور آتے غاص و گنات کہ اگر یہ دھوکا صحیح اور گورنمنٹ مجبور کرتی ہے کہ اسلام
کے خلاف فتویٰ دیں تو ہندوستان میں ہندو جو بڑے نہیں درجہ ت کرنا فرض ہے، اپنے اس
خیال کو آپ نے شائع تو نہیں کیا مگر خود ارادہ ہندو بیکار میں ایسی حالت میں ہندوستان کو
دارالامن نہیں سمجھتا، حضرت مولانا محمود حسن صاحب بھی سفر کا ارادہ فرما چکے تھے اور حضرت کا
قصد مولانا کی معیت کا تھا مگر مولانا کے سفر میں کچھ تاخیر ہوئی تو حضرت نے بایں اندیشہ کہ دستخط
کرنے سے انکار کرنے پر کوئی فتنہ ہندو نہ ہو جائے، منتظر رہے کہ ہندو نہ کیا اور وسط شوال میں روانہ
ہو کر ۲۲ ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے، بعد چار محرم کو مدینہ منورہ پہنچ کر قیام فرمایا مگر
وقت اتنا نازک تھا کہ آپ کے ساتھ خفیہ پولیس کی نگہبانی تھی جو ہر حرکت و سکون کو قلمبند کرتی
رہتی تھی۔ اور ادھر گورنمنٹ ترکی کو ان حضرت کی طرف سے برطانوی رعایا ہونے کی بنا پر ہنگامی
ہوتی، چنانچہ آپ نے ترکی افسر سے فرمایا بھی کہ عجیب بات ہے برطانوی حکومت ہیکو بحیثیت اتحاد
مذہب ترکی کا خیر خواہ سمجھ کر بدگمان ہے، اور ترکی حکومت محض ہندی باشندہ ہونے کے لحاظ
سے ہم پر مظہن نہیں، پھر آخر مسلمان اپنی مذہبی زندگی عافیت کے ساتھ گزارنے کیلئے کونسا
ملک ڈھونڈیں۔ مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا اور آخر آپ کو نومہینہ بعد شعبان ۱۳۳۲ء میں
ہندوستان واپس آنا پڑا بمبئی بندر پر اترے تو آپ کو روک لیا گیا اور سیاسی تحقیق کے لئے
مع اہلیہ کے بالا بالین تال بھیج دیا گیا، وہاں آپ سے طرح طرح کے سوالات ہوئے۔

جو محتاج ۱۳۳۲ء میں ہوا کہ آپ شعبان میں روانہ ہوئے اور شہرت ہو گئی کہ بنیت ہجرت
تشریف لے جا رہے ہیں اس نے عام بے چینی پھیل گئی، اور مہمانوں کی وہ کثرت ہوئی کہ الامان
مولوی محمد زکریا صاحب، مولوی منظور احمد صاحب، قاری عبدالعزیز صاحب اور مولوی لطیف الرحمن
صاحب نے بھی غم کرایا، مولوی محمد اسحاق مرحوم مولوی حبیب احمد نارولی بھی ساتھ ہوئے
اور حضرت مع اہلیہ و حاج مقبول احمد اپنے قافلہ کو لیکر شعبان میں بمبئی روانہ ہو گئے، قصد تھا کہ

رمضان مکہ مکرمہ میں گذریں مگر جہاز کی روانگی میں تاخیر ہوئی کہ جبکہ میں میانہ نظر گیا اور اررمضان کو مکہ مکرمہ پہونچے۔ یہ زمانہ شریف حسین کی صحت کا آخری نازک زمانہ تھا کہ استبداد و خودداری اپنا سکہ جارہی اور علماء ہند کی مقتدر ہستیوں شتیبہ نفوذ سے دیکھی جاتی تھیں، مولانا محمود حسن گزنیار جو کر مالٹا پہونچ گئے تھے اندرون مکہ میں عمارتیں بھیلی ہوئی اس لئے آپ نے اپنے قافلہ کو مدینہ منورہ بھیجا کہ نہ معلوم کیا مقدمہ سے تم وک یہی متبہ آتے ہو زیارت آستانہ مکہ مکرمہ نہ جاؤ اور خود مکہ مکرمہ ٹھہرے رہے، ایک دن جرم شریف میں نماز کا سلام پھرا اور ایک شخص نے کہ نہ معلوم مجنون تھا یا مغلوب احوال شور مچانا شروع کیا "قیامت لوٹے اور آسمان پھٹے اس حکومت پر کہ مولوی خلیل احمد جیسے محترم مقتدی ہوں اور یہ ایسا دہشتناک شخص امام بنے" وغیرہ وغیرہ جو منہ میں آیا کہا، اس شخص کے تو اگلے دن مرنے کی اطلاع ملی اور حضرت کے متعلق اندیشہ ہوا کہ شریف کو سب اطلاع مل چکی ہے غیب نہیں آتے یہ بھی ہاتھ صاف ہوا، آپ کو بھی گوارہ نہ تھا کہ مسلمان حاکم کی شکایت انگریزی قفس سے کر کے پناہ لیں، ورنہ سکون سے رہنا نصیب تھا کہ خدا جاسے اس کے بعد کیا فتنہ برپا ہوا، اس لئے مولوی محب الدین صاحب کے اصرار پر کہ ہندوستان جلد جاؤ آپ آخر محرم ۱۳۹۷ھ میں روانہ ہو کر شروع صف میں سہارا پہونچ گئے۔

آپ پانچویں حج کو جو کہ عمر شریف کا ساتواں حج تھا ۱۴ شوال کو حیدر آباد ہوتے ہوئے بمبئی گئے اور تقریباً دو سو فقاہ امیر فکریہائی جہاز میں جہاز روانہ ہوئے، بعد حج ۱۵ محرم کو مدینہ منورہ داخل ہوئے اور یہ داخلہ وہ تھا جس کے بعد خروج کا مدت وہی وقت ہے جبکہ سرور عالم وغالیان صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پڑوسیوں کے یہ مدد سے مدد کرنے کے لئے بارگاہِ اہلبطیات کی طرف قدم اٹھاتے گئے۔

اس ساتوں حج میں حضرت کے ساتھ صد باخدا و موسیٰ بن کا محب رہا جن کو حضرت نے حج مبرور مسنون کا عملی سبق پڑھایا، زادہ حضرت کے رفیق مد علماء ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ حج جیسی عبادت میں جو کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے وہاں جزئیات کا وقت اور تمام سنن و مستحبات کی پوری رعایت ہوتا رہتا ہے جن کی عفت اچھے مولویوں کی نظر بھی نہیں جاتی وہ حیران ہو جایا کرتے تھے، لطافت کی درگاہ کے بعد استقامت حجاز سود گویا آجکل

مترک کے مگر فقہاء نے اس کے استحباب کی تصریح کی ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت نے ترک فرمایا ہو، ۱۳ ذی الحجہ کو منی سے واپسی میں مصیبت پر نزول حضرت کا کبھی نہیں چھوٹا حالانکہ کثر حج بیت المقدس سے وقف بھی نہیں کہ کہاں ہے، ۹ رکو منی سے چلنے میں آپ کی نظر جل شیر پر رہتی اور حب سورج کی شعاع اس پر چمکتی اور اشرق شمیر کا مصداق نظر آتا تو آپ عرفات کی طرف متوجہ ہوتے، اسی دن واپسی میں مزدلفہ پر صبح کی نماز غلغل میں پڑھتے اور بیٹھے رہتے حتیٰ کہ اسفار ہوتا اور اس وقت آپ منی ہو کر سیدہ جبرۃ العقبہ پر رمی کے لئے پہنچتے تھے، ایک مرتبہ باب مکہ کے قریب پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ مسنون راستہ حجون کا ہے چلو سنت ادا کریں، چنانچہ آپ نے قافہ بھوڑ دیا اور پہاڑیوں کو قطع کرتے ہوئے جنت المعلیٰ کے متصل نکل کر باب سفی سے مکہ میں داخل ہوئے، مجھے اسی دن علم ہوا کہ حجون کیا ہے اور اس کا راستہ کون سا ہے، دنوں کے لئے غسل کا آپ نے اہتمام فرمایا اور شہر سے باہر قہوہ خانہ میں ٹھہر کر ہر کو ایک گناہ پانی خرید کر غسل کیا۔ ۹ ذی الحجہ کو عرفات میں بھی غسل کا اہتمام فرمایا اور روزہ تو رکھا نہیں مگر ایک پیالہ چائے کے سوا کچھ کھایا بھی نہیں کہ صوم عرفہ اور انفرادی العرفہ کو جمع فرمایا، رمی جمار کے بعد آپ کا وقت دعا کے لئے باوجود اتنی دھکاپیل کے کہ جانوں کا پاؤں جن مشکل تھا ہمیشہ ہوا اور مسنون مقدار تک ہوا کہ کسی نہیں آئی، فتنہ و سکون اور قلت و کثرت جلالت، گرم سردی برسات، غرض ہر موسم میں اور مختلف طبیعت والے اشرف و ادبیاں کے زمانہ حکومت میں آپ کو اسفار حج پیش آئے مگر یہ امر مشترک کہ حج بطریق مسنون ادا ہو کسی وقت کے کسی حج میں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا، نماز تو آپ کی ہر جگہ آپ کی قرۃ العین تھی بھر کیا دیکھنا نماز مسجد مکہ، کہ آپ کے صد ہا رفیقوں میں کوئی ایک بھی نہیں بتا سکتا کہ فلان نماز میں آپ کی تکبیر تحریمہ یا صفت اول یا امام کی جانب یمن آپ سے فوت ہوتی ہو، سخت گرمی میں جبکہ فرش صحت پر پاؤں رکھنے سے چھالے پڑتے تھے آپ ظہر میں انگلیوں کے بل تیز چل کر مصلیٰ حنفی پر پہنچتے اور صفت اول میں امام کا قرب لیا کرتے تھے، مجھے خوب یاد ہے ایک مرتبہ بعد مغرب بارش خوب زور کی ہوئی اور رفقار کی زبانوں پر آیا الاصلوا فی الرحاں یہ عمل کا وقت حق تعالیٰ نے دکھایا مگر حضرت نے اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی

مجھ سے فرمایا چلو بھی نماز کو، ہر چند کہ میری ہمت بھی ہست تھی مگر لالین ہاتھ میں لیکر ساتھ
 ہو لیا اور حضرت نے پانی بھرا ہوا لوٹا ہاتھ میں اٹھایا، میں بالکل نہ سمجھا کہ بادلو ہوتے ہوئے اسکی
 کیا ضرورت ہے مگر حضرت نے فرمایا ممکن ہے پاؤں کو کیچڑ لگے اس لئے دروازہ پر پاؤں
 دھو لینے کہ حرم شریف ملط نہ ہو، اس سے قبل مجھے مکہ کی کیچڑ اور بارش دیکھنے کا کبھی اتفاق
 نہ ہوا تھا، بچے اتر کر سڑک پر آئے تو زمین پاؤں کو پکڑ لیتی تھی ہر قدم پر میری تننا ہوتی تھی
 کہ کاش حضرت رغبت پر عمل فرما دیں اور سمجھتا تھا کہ حضرت بھی اس تکلیف کو برداشت نہ
 کر سکیں گے مگر ہر قدم حضرت کا مجھ سے آگے رہا، ہر ایک کے سر پر چھتری جدا تھی اور میرے ہاتھ
 میں لالین تو حضرت کے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا، بازار ختم ہوا تو سڑک پر تادیوار مسجد اکرام
 پیچیں تیس فٹ پھاٹ کا دریا بہہ رہا تھا اور اس زور سے پانی چل رہا تھا کہ دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا تھا،
 یہاں حضرت ٹھہرے اور میں سمجھا کہ اب دایسی کا حکم فرمائیں گے، مگر حضرت بولے چھتریاں تو
 اب کر لو بند، اور پانچے لو چڑھا، جوتے لیلو نفل میں، اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال لو
 کہ سنا ہے رو میں پھریاں آتی ہیں، اور گر جانے کا ڈر رہتا ہے وہ پیارا منظر بھی اب تک نظر کے
 سامنے ہے کہ برہنہ پا گھٹنوں تک پانچے چڑھائے قینچی کی طرح باہم ہاتھ ملائے چھتریاں بازو پر
 لٹکائے چلے، اور بسم اللہ عجوبہا کہ ہر رُو میں قدم ڈال دیئے، چونکہ نشیب کا رخ تھا اس لئے
 چھوٹی کنکریاں پانی کے ساتھ بہتی ہوئی اس زور سے آتی تھیں جیسے مٹھیاں بھر کر کوئی گولیاں
 مارتا ہے، آگے بڑھے تو گھٹنوں تک پانی آگیا اور قریب تھا کہ میرا پاؤں پھسلے مگر حضرت نے
 بازو تھام رکھا تھا کہ گرنے نہ دیا اور خدا خدا کر کے باب الصفا پر چڑھے وہاں پہونچ کر پہلی بیڑھی
 پر اول پاؤں دھوئے اور بواب کی الماری میں جوتے رکھے، اس کے بعد اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِنَا
 دَحْمَتُک پڑھ کر حضرت نے مسجد میں قدم رکھا اور میں حضرت کا اتباع کرتا رہا، نماز پنجگانہ کے
 اہتمام کی خاطر حضرت کبھی حیل شور پر نہیں گئے، حالانکہ شوق ظاہر فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ بھی
 ہر چیز بدل گئی اور تیرہ سو برس میں وہ زمین جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک
 پڑا کرتے تھے خدا جانے کتنے گز نیچے دب گئی مگر دنیا میں وہ چیزیں ابھی موجود ہیں جسکو جہنمی
 کے مس کی عزت حاصل ہوئی ہے، ایک حجر اسود، دوم غار ثور کے پتھر، کہ یہی حجر اسود ہے

جب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مبارک لگے تھے اور غار ثور کے پتھر بھی ابھی تک وہی پتھر ہیں جن سے مس کرتا ہوا آپ کا بدن غار میں پہنچا تھا مگر دور ہے اور فجر کے بعد چلکر ظہر تک آجانا کہ حرم شریف کی نماز فوت نہ ہو طاقت سے باہر ہے اس لئے ہمت نہیں ہوتی میں نوا جوان تھا اور سمجھتا تھا کہ تیز چلنا کون دشوار ہے ایک قدم رکھا اور دوسرا اٹھایا اس لئے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے اجازت ہو تو میں ہواؤں حضرت کو معلوم تھا کہ تیز رفتار ہوں اس لئے ذرا سکوت فرما کر کہا بہتر ہے، دیکھو ایک لاکھ نماز کا ثواب نہ جاتا ہے میں نے کہا نہیں حضرت انشاء اللہ سویرے واپس آؤں گا، عرض سمجھی کو راضی کیا کہ راہ پر نہ چلے اور دس بارہ نوحون رنقا ساتھ ہوئے تو ان سے بھی کہہ دیا کہ فجر شامی کا سلام پھیرتے ہی چل پڑیں مگر صبح ہوئی تو جی نہ رہا، چونکہ عام کر دیکھا تھا اس لئے بنام خدا رنقا کو ساتھ لے کر خود نکل کھڑا ہوا کہیں کہیں راستہ چھپا اور آؤ انصاف دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ راہ ثور کی علامات ہیں قدم اٹھا کر تیز چلا، تین میل چل کر تین ہی میں جبل کی چڑھائی ختم کی اور نصف گھنٹہ غایہ میں لیٹ بیٹھ کر واپس ہوا اور اپنی انتہائی رفتار پر قدم ڈالے کہ ایک رنق بھی ساتھ نہ رہ سکا، مگر افسوس کہ دروازہ حرم پر قدم رکھتے ہی مکہ کی آذان آئی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** گھنٹے ٹوٹ گئے اور وہیں بیٹھ گیا بعد میں حضرت سے مذاق فرمایا بس اسی اندیشے سے تو میری ہمت کبھی نہ ہوتی۔

مکہ کی گرمی مشہور ہے اور ایسی گرمی کا زمانہ حضرت نے وہاں گزارا ہے جو ناقابل برداشت تھی ہر چند آپ کے مطلوب اور رنقائے احمد ار کیا کہ چند روز کیلئے طائف تشریف لے چلیں مگر آپ نے جب فرمایا ہی فرمایا کہ تسی بندوستان چھوڑا تو مسجد احرام ہی کی خاطر آتے ہیں، اس کو چھوڑ کر طائف جائیں تو بہت بدستار بن چھوڑنا کیا ضرورت تھی، سیر کیلئے تو وہاں بھی شملہ و منعمی موجود ہے تو حجت نہیں، دو کھم کھم گزرتے ہی مباہلی، میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت حرم شریف میں داخل ہوتے بہت احتیاط کی انیت فرماتے اور اسکو نہایت ہی برا سمجھتے تھے کہ حرم شریف کو راستہ بنایا جائے کہ چکر سے بچنے کے لئے مثلاً باب العمرة کے پاس سے نہ سیدھاں ہو بلکہ سوئی شامی یا باب اسلام کے راستہ سے نکل کر بازار جائیں، اسی طرح سید کو متاں کا، بنا حضرت کو بہت ناپسند تھا، دارالطلبہ کی

مرافقت تلاش کرو اور علماء جاتے تو آپ وصیت فرماتے کہ یہ جدید ملبوعہ مناسک ضرور اپنے ساتھ رکھو، اور شروع سے جس نسک کا وقت قریب ہو اس کا باب دیکھنا اور بار بار مطالعہ کرنا لازم کرلو، مولانا محمد حسن صاحب کا زہد ہے کہ سال بھر میں پچاس روپے سے زیادہ خرچ نہیں کھتے اور توکل کہ کسی سے قطع ملنا بھی پسند نہیں کرتے، اور استقامت کہ باوجود ضعفِ بصر اور زمانہ سیری کے نماز کی تکبیر تحریر یہ فوت نہیں ہوتی تھی حضرت کی نظروں میں بڑا پیارا تھا، اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بس ہجرت تو ایسے لوگوں کی ہے، حضرت کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا نے بھی وصال فرمایا، اور غنیۃ الناسک اپنی یادگار باقیات صالحات چھوڑ کر جنت العلّٰی میں دفن ہوئے بسم اللہ فرمایا، یہ ساری تفصیلات تذکرۃ اخیل، ولفہ حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی سے لی گئی ہیں۔
حضرت مولانا خلیل احمد کی وفات ۱۳۴۶ء میں ہوئی، اور مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

چودھویں صدی

مولوی محمد لطیف مچھلی شہری

گورکھپور میں وکیل تھے، ۱۳۰۰ء میں مولوی دزیر علی خاں گورکھپوری کی ممیت میں جج کو گئے، اور سفرنامہ جج لکھا، اس وقت اکبر حسینی جیسی نامی جہاز تھے انھوں نے تن جوڑ جہاز سے سفر کیا، سیلون کا کرایہ ۵۵۵ سے ۵۵۵ تک، اور تنق کا بھی ۵۵۵ تھا، مولانا عبدالحق آبادی مہاجر سے دلائل الخیرات کی سند لی،

مکہ مدینہ کی درمیانی منازل کی تفصیل یوں دی ہے

- (۱۳۰۹ء) ۵ محرم کو روانگی مکہ معظمہ سے ۶ محرم کو مقام شہداء سے جو دو کوسں پر ہے اور وہاں سے مرتد میمونہ سہف ۵۰۲ کوسں ہے۔ ۷ کو وادی فاطمہ سے چلے، یہاں سے ۱۶ یا ۱۸ کوسں پر مقام (صفبان) (عسفان) ہے، وہاں سے ۸ محرم کو، پھر خلیف (خلیف) سے ۹ محرم کو، اور خیمہ سے ۱۰ محرم کو، اور رابع سے ۱۲ محرم کو چلے، اس کے بعد بیر رضوان ملا، ۱۵ محرم کو ابوالانصاء سے چلے، پھر قیغ (خیف) ملا، ۱۶ محرم کو ریان سے چلے تو ریا ط ملا، ۱۸ کو بیر الماشی سے تو مدینہ منورہ پہنچے، واپسی میں بیر الماشی، بیر الادب، ریان، ابوالانصاء

بیر رفوان، رابلی، قدیمہ، خلیف، امصغیان، وادی فاطمہ سے گذر ہوا

علیم اللہ مرحوم جدہ

انہوں نے رسالہ حج میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۲۸۵ھ اور سنہ ۱۲۸۶ھ میں تین کیٹیاں جہاز کی تھیں ایک مدرس طامس کوک اینڈ سن کی، یہ سب اچھی تھی، دوسری حاجی قاسم یوسف مین کی، ان کے پاس ایک دو جہاز تھے، تیسری حاجی عبدالحسین شیرازی کی، جہاز کا کرایہ ایک طرف کا فرسٹ کلاس کا ساٹھ روپے سے شتر تک، چھتری کا ۲۵ سے ۴۵ روپے تک، اور ایک طرف کا سیلون کا ۴۰ روپے سے ۵۰ روپے تک، ڈیک کا ۲۵-۳۵ روپے تک، ۳۰ برس پہلے بادبانی جہاز یلیم پر کھڑے ہوتے تھے وہاں کہ براہ خشکی دو دن کی راہ ہے، مدینہ منورہ کے راستہ میں مسندیل مسجدیں ملتی ہیں۔

مسجد عائشہ (تینیم) مسجد شہر، مسجد مر الظہران، مسجد خلیص، مسجد عقبہ، مسجد حنفہ، مسجد بدر، مسجد صفراء وادی، مسجد انحرانہ، مسجد صغیر روماء و روماء، مسجد عرق الطبیۃ، مسجد مدرس، مسجد ذوالخلیفہ

مرزا عرفان علی بیگ گونڈوی

سنہ ۱۳۱۱ھ میں ۲۱ شوال کو گونڈہ سے روانہ ہوئے، ۳۱ کو لکھنؤ پہنچے، وہاں سے براہ سبھوپال بمبئی روانہ ہوئے، ۵ کو بمبئی پہنچے، بمبئی اینڈ پرسشیا اسٹیم نیویگیشن کے حسینی جہاز کا ٹکٹ لیا، ۱۰ شوال کو جہاز نے لنگر اٹھایا، اپریل کے مہینہ میں بھی تلاطم اور طبعیت میں بد مزگی تھی ۱۲ شوال کی شام کو جہاز کراچی پہنچا، ۱۳ کی شام کو روانہ ہوا، جہاز میں آشی جنبش تھی کہ کچھ سامان نذر دریا ہو گیا، اس میں ۲۵ مسافر تھے، کراچی سے عدن ۱۴۶۰ میل ہے، اسٹیمر کی رفتار فی گھنٹہ ۱۶ میل تھی، ۲۰ شوال ۴ بجے صبح کو عدن پہنچے، ۲ بجے دن کو روانہ ہوئے، ۲۱ شوال ۵ بجے شام کو کامران پہنچے، یہاں قریطنہ اور پانی کی کمی کی وجہ سے بڑی تکلیف رہی کامران میں کپڑا بناتے ہیں ۳ سال پہلے پورا جہاز مدناوری، کامران سے بوجہ ہیضہ واپس کر دیا گیا، اس میں ... سو مسافر تھے ہنگو تنجور نامی جہاز کامران میں ملا۔ ملّا احمد خاں پشادی کامران میں ملے ۴ ذی قعدہ کو کامران

اور قرطینہ سے نجات ملی۔ ۶ رذی قعدہ کو بعد دوپہر جدہ پہنچے۔

لنڈی، غلاموں کی فروخت جاری ہے، شریف عون الرقیق کا زمانہ ہے، راتب پاشا کی معزولی کا پردانہ آیا، اور حسن پاشا علی کا تقرر بعنوان حکومت حجاز ہوا۔ تبت جہاز میں واپسی ہوئی اس میں ۱۳ سو مسافر تھے، ۵ محرم ۱۳۱۲ء کو گنڈہ واپس آئے، ایک اسٹیمر عبدالقادر نام کا تھا، عدن پر انگریز کا قبضہ ۱۸۳۹ء میں ہوا۔

کرنل شاہ بیگ خاں

ہند میں افغانستان کے سفیر تھے، ۱۳۲۰ء میں ضلہ نامی جہاز پر بمبئی سے اور شاہ نور نامی جہاز سے واپس ہوئے، جدہ سے منع پانی کے جہاز میں اردو ہاں سے اونٹ پر مدینہ گئے، ۱۰ صفر ۱۳۲۱ء کو واپسی ہوئی۔ ۱۳۲۲ء میں کراچی سے بولستان نامی جہاز سے مالک کرایہ ادا کر کے فرسٹ کلاس سے سوئزرمانہ ہوئے، تقریباً کلاس کا کرایہ معہ تھا، ۲۹ رثواں کو ۹ بجے کراچی سے چلے ۱۱ رذی قعدہ کو سوئزرمانہ پہنچے ۲۳ رذی قعدہ کو سوئزر سے ایک روسی جہاز میں سوار ہوئے، اس میں ۱۴۴۰ مسافر تھے، ۲ رذی الحج کو جدہ پہنچے، شریف عون بن محمد بن عون کا طائف میں انتقال ہوا۔ بجادی الاولیٰ ۱۳۲۳ء میں شریف علی بن شریف عبداللہ قائم مقام ہوئے پھر وہی مستقل ہوئے یکم رجب ۱۳۲۳ء کو عبد الحمید خاں والی ترکی کا جشن تاج پوشی منایا گیا، احمد راتب پاشا والی مکہ مقرر ہوئے ۱۳۲۳ء میں بھی حج کیا، منصور جہاز میں واپسی ہوئی ۲۳ ربیع الاول ۱۳۲۴ء کو بمبئی واپس ہوئے۔

استاذ مرحوم حضرت مولانا عبد الغفار مٹوی

مولانا نے ۱۳۲۱ء میں حج کیا، اور اسی سال محرم ۱۳۲۱ء میں رسالہ حج مسمیٰ مسلک البرہۃ تالیف فرمایا، اسکی ضخامت ایک سو چھ صفحات ہے، مناسک حج کے بیان میں یہ بہترین رسالہ ہے، حیرت ہے کہ مولانا نے یہ رسالہ حج سے پہلے لکھا ہے مگر موافقت، و مقامات متبرکہ، اور مساجد و مشاہد کا

سہ کرنل شاہ بیگ کے ذکر کے بعد یہ سطر میں میری نوٹ بک میں تھیں، اقلب یہ ہے کہ یہ بھی انہیں کا ذکر ہے۔

بیان پڑھے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، بعد کے دن ۱۲ محرم ۱۳۲۲ کو مولانا مسودا پس ہوئے تو معلوم ہوا کہ اس سال طاعون میں چار ہزار سے زائد آدمی مٹے اور اس قدر مبارکپند میں مرے، اس سے متاثر ہو کر آپ نے رسالہ ”کشف الکنون“ عاتعلق باخروج علا جاو فرار من الطاعون لکھا۔ آپ حضرت گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں تھے، آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد ابراہیم صاحب بیادوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند تھے، ناچیز کو بھی آپ ہی خدمت میں کچھ شہدہ حاصل ہوئی ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۵۱ میں ہوئی، عید گاہ اورنگ آباد (سٹو) کے جانب جنوب نیا پورہ جانے والے راستہ کے بالکل قریب مزار ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

مولانا محی الدین حسین مدراسی

مدرسہ لطیفیہ دیوبند (مدراس) میں صدر مدرس تھے آپ نے ۱۳۲۲ میں حج کیا اور ایک سفرنامہ لکھا جس کا نام ”سفرنامہ حرمین شریفین“ ہے، اس وقت مکہ معظمہ میں شیخ العلما محمد سعید البصیل محدث، شیخ شعیب مغربی، شیخ عمر شامی، شیخ حبیب اللہ مکی (محدث خدیوہ متصل مولتیہ میں) ابوالخیر مراد شیخ الائمہ، شیخ اسعد دہان، عبدالرحمن دہان، مولانا عبدالحق آبادی، اور شیخ محمد تیس بقید حیات تھے، اور مدینہ منورہ میں شیخ امین رضوان، سید احمد بزرگنجی، شیخ عبداللہ نابلسی، شیخ مامون بری، عمر بن ہمدان (حمدان)، تونس، شیخ یاسین مصری، شیخ فیل غریبلی، عبدالقادر طرابلسی، شیخ موسیٰ مالکی اصحاب درس تھے

بینچ سے بیر سعید، حمراء (اجدیہ) بیر عباس، بیرودیش میں منزل کرتے ہوئے مدینہ پہنچے، واپسی کا راستہ یہ تھا۔ مدینہ سے بیر ماشی، گھنٹہ میں، غائر، بیر حسانی، بیر شیخ، بیر مستورہ، رابع، شہاج، تینابیک، ذہبان، جدہ

مولانا محمد اسلم فرنگی محلی

۱۳۲۲ میں مولانا محمد اسلم فرنگی محلی نے بھی حج کیا اور شیخ عبدالحق آبادی مہاجر شیخ صالح کمال مفتی حنفیہ، شیخ حسین حبشی، شیخ ابوالخیر بن عبداللہ میرداد (قائماً انھیں مولانا محی الدین ابوالخیر مراد لکھنوی)

شیخ محمد سعید البعل سے مکہ میں۔ اور شیخ امین رضوان، شیخ مصطفیٰ حبشی، خلیل خربوطی، شیخ جزیری شیخ حضرمی سے مدینہ منورہ میں اجازات حاصل کیں۔ مولانا محمد اسلم صاحب کو میں نے مکہ میں دیکھا تھا ان کے صاحبزادے مولوی ناصر میرے پاس آتے جاتے تھے۔

خطیب و تادیر بادشاہ

دائرا بڑی کے رہنے والے تھے، ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (فروری ۱۹۰۴ء) میں حج کیا، اور سفر حجاز کے نام سے واقعات سفر حج لکھے، فرماتے ہیں۔

بہشتی سے عدن ۱۶۶۴ میل، عدن سے جدہ ۱۲۰۰ میل، ہے بوہرہ کپنی کے جہاز کرومنڈل (جس کا نام بعد میں شاہ نور ہو گیا) سے سفر کیا، اسکنہ کلاس کا کرایہ ایک طرف کا صعب اور تھرڈ کلاس کا صعب تھا، بعد میں وٹس پندرہ روپے میں ٹکٹ ملنے لگا، مولوی صبتہ اللہ ہم سفر تھے۔

تنظیم مکہ سے تین میں پر ہے، شریف علی کی حکومت ہے، احمد نائب پاشا والی کہ ہیں شیخ شیبہ مراکو کے رہنے والے مالکی الذہب ہیں، ان کا حلقہ درس سب بڑا ہے، بخاری پڑھاتے ہیں، سلطنت عثمانیہ (ٹرکی) سے تنخواہ پاتے ہیں، مشہور اساتذہ کہ سے ہیں۔ مولانا عبدالحق آبادی پالیس سال سے یہاں ہیں۔ صاحب کمال اور مقبول و محبوب ہیں، ان سے دلائل انجیرات وغیرہ کی سند لی۔

اسی سال نواب بھادپور نے ۵۰ آدمیوں کے ساتھ ایک خاص جہاز کا انتظام کر کے حج کیا، صاحبی عبدالرحمن غبرفانی مقیم مدینہ نے بھی حج کیا، جنوبی آرکاٹ کے رہنے والے اور ہرولغزیر ہیں، ان کا ذکر سفرنامہ حرمین میں مولانا محمد الدین نے بھی کیا ہے، مکہ سے مدینہ پھر وہاں سے جدہ کا کرایہ ۵۵ مجیدی (ایک مجیدی ۲ عار کی) مکہ سے عرفات ۹ میل کرایہ چھ (آمد و رفت کا ہو گا) مکہ سے جدہ ۳۰ میل۔ کرایہ صعب۔ حج و زیارت سے فارغ ہونے کے بعد نواب بھادپور بیمار ہوئے، اور عدن پہونچ کر انتقال کر گئے، نعش بھادپور لائی گئی۔

جدہ سے مشتری نامی جہاز سے جو منسل کپنی کا تھا، ینوع (ینیع) آئے، ینیع (ینیع) جدہ سے ۱۴۰ میل ہے، عثمان پاشا والی مدینہ ہے جو محافظ مدینہ کہلاتا ہے ریلوے لائن دمشق سے دامن صالح تک مکمل ہو گئی، دامن صالح مدینہ سے ۵۰ کیلو میٹر ہے۔ مدینہ منورہ میں شیخ عباس رضوان کو دلائل انجیرات

دقتیدہ بردہ کی سندنی دینہ درالبح کے درمیانی منازل کے نام یہ ہیں۔ بیرملو، بیرنفلص، بیرن حسانی
بیرشنج، مستورہ، رابع۔

مولانا ابوالحسن عراقی منوی

مولانا میرے استاد محترم تھے، میں نے مولانا کے پاس کافیہ و شرح جامی وغیرہ متدوکتا میں
پڑھی ہیں، خط کی مشق بھی آپ ہی کے پاس بہم پہونچائی تھی۔

آپ نے ۲۹ سال کی عمر میں حج کیا۔ ۱۰ شوال ۱۲۵۰ھ کو دشن بجے دن گھر سے نکلے، ظہر کی نماز
بڑی جماعت کے ساتھ منواسٹیشن پر پڑھی، مولانا عبدالغفار امام تھے، بمبئی کا ٹکٹ مہرہ میں ملا
ایک بجے دن میں ٹرین چھوٹی، عصر کی نماز اور پہلو میں پڑھی، غروب آفتاب کے ساتھ بنارس پہونچے
نماز مغرب کینٹ میں پڑھی، پھر کھانے اور نماز عشاء سے فارغ ہو کر منفل سسکا جانوال گاڑی میں سوار ہوئے
جو یکم سے آئی تھی آٹھ ساڑھے آٹھ بجے منفل سرائے پہونچے اور مسافر خانہ میں اسباب سرہالے رکھ کر
آرام تمام رات بسر کی، ۱۰ بجے دن کلکتہ سے بمبئی میں آیا، اس میں صرت ایک ڈبہ (بوگی) تیسرے درجہ کی تھی
باقی سب ڈیوڑھا سکند اور فرسٹ کلاس تھا، اس لئے بڑی بھیڑ تھی ایک ڈبہ (کپارٹنٹ) میں اسباب
بھرا تھا وہی خالی ہوا تو کسی طرح جگہ ملی، دس دس بارہ اسٹیشن چھوڑ کر گاڑی دس پندرہ منٹ کیلئے کھڑی
ہوتی تھی، اس میں اور کوئی تکلف نہیں تھی، بس ریش کی وجہ سے نماز پڑھنے اور وضو کرنے کی جگہ بدلت
لتی تھی، منفل سرائے سے ۱۰ شوال روز یکشنبہ ۱۰ بجے دن میں چلے، اور ۷ بجے شام کے قریب
جیل پور پہونچے، میل سے سفر کر نیوالے مسافر کو یہاں سے ہے زائد محصول ادا کرنا پڑتا ہے، ورنہ
پسنجر گاڑی پکڑنا پڑے گی اسلئے ایک پولیس مین کو ۴ اجرت ادا ہے دیکر ٹکٹ درست کرایا۔
۱۱ شوال کو ایک بجے بجے بمبئی پہونچ گئے، بمبئی اسٹیشن پر میل گاڑی اور گھوڑا گاڑی کی بہت کثرت تھی
آٹھ آنے پر گاڑی کرایہ کر کے محمد عرب کی چال بھنڈی بازار کے قریب پہونچے، مسافر خانوں سے
مسافروں کے سال کی چوری بہت ہوتی ہے۔

حصہ میں سارا سامان سفر جس میں آٹا، چاول، دال، برتن، کپڑے اور جوتے سب شامل ہیں)
خریدا، حاجی عبدالکریم منوی اور رنگ آبادی کے ذریعہ جہاز کا ٹکٹ خریدا، سہ ٹکٹ کے اور دشن روپے

فیس قرظینہ ادا کی گئی جہاز کا نام بدست تھا اس کا ملک غلام علی بھاری والا تھا، ٹکٹ کا آدھا حصہ بھاڑ کر عدن پہلے لے لیا گیا، ۲۵ نومبر ۱۹۰۶ء مطابق ۸ شوال ۱۳۲۵ء کو بارہ بجے دن میں جہاز نے ننگر اٹھایا جہاز کی مددگی سے دو ایک دن پہلے گھنٹی بجتی ہے اور شہر میں منادی کرائی جاتی ہے۔

۵۔ بجے صبح ہر مسافر کو بھپارے گھر میں ماضر ہونا تھا مولانا اپنے قلمی سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ ہم دہلی نے میں گھوڑا گاڑی کر کے سویرے پہونچے، دہلی فجر کی نماز پڑھی، فلذ اور برتن کو بھپارہ نہیں دیتے، اس گھر میں داخل ہونے کا وقت ۸ بجے تھا، داخلہ کے وقت بڑی بھیڑ اور سخت دھکم دھکا تھا۔ اندر داخل ہوئے تو سب لوگوں کی صف بنائی گئی ایک شخص آیا اس نے کمر اور بدن کو ہاتھ لگایا کہ بخار تو نہیں ہے، دوسرا ایک سرنخ رنگ کی مہر لگاتا ہوئے آیا، ٹکٹ کو سینہ پر رکھا اور ٹکٹ کے ساتھ کرتے پر بھی مہر لگاتا چلا گیا۔ اس کے بعد دو آنے پر قلی کر کے جہاز تک سامان پہونچایا گیا، جہاز میں دھکا کھاتے ہوئے اپنے ہاتھ سے سامان پہونچایا، وہاں پہونچ کر دیکھا کہ ہر جگہ بستر پڑا ہوا ہے حالانکہ مسافر نہیں ہیں، معلوم ہوا کہ یہ قلیوں کی حرکت ہے ایک پیہ دیکر ایک قلی سے اچھی ہوا دار جگہ حاصل کی۔

۱۲ بجے دن میں جہاز روانہ ہوا، اس دن کچھ نہیں معلوم ہوا، دوسرے دن (شنبہ) کو چکر شروع ہوا، خوب خوب تھے ہوئی، چلی کار کھنا بہت مفید ہوا، بدھ جونہی آیا تھے بند ہو گئی، دن بھر پڑا رہا، چھبشنہ کو کچھ تھوڑا کھایا، اسی دن سے چکر میں کمی شروع ہوئی اور جمعہ تک بہت کم ہو گیا، اب آرام سے کھاٹے پیتے تھے جہاز میں بیٹری کی وجہ سے پیشاب، کھانا پکانے اور پانی لینے کی بہت تکلیف ہوتی ہے۔ سمندر کا پانی مشین سے میٹھا بنا کر دیا جاتا ہے۔

پہلے چتری پر جانے کی اجازت نہ تھی جب گرمی سخت اور بعض بعض بیمار ہو گئے تو ڈاکٹر نے اجازت دی کہ جب طبیعت گھبرائے تو اوپر چلے جایا کرو۔ ساتویں دن ایک اندھیرا سا پہاڑ نظر آیا، شنبہ کو صبح کے وقت عدن پہونچے، شہر بندرگاہ سے ۶ میل دور ہے۔ یہ بندرگاہ بہت بارونتی ہے، متعدد جہاز یہاں ٹھہرتے ہیں کنڈے پر پہاڑ بہت ہیں ان پر سفید سفید بنگلے نظر آتے ہیں۔ سات دن تک پانی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا جب عدن میں عاتیں نظر آئیں تو بڑی فرحت محسوس ہوئی، تھوڑی دیر میں کشتیاں پہونچنا شروع ہوئیں ہر کشتی میں، گوشت، آلو، دال، شکر، سیب وغیرہ موجود تھے۔ مسافر جہاز پر سے سامان خریدتے ہیں، اور بیچنے والے ایک ٹوکری سامان لکھ کر اس میں بندھی ہوئی رسی کو جہاز پر پھینک دیتے

خریدار رسی کھینچ کر سامان لے لیتا ہے اور نوکری میں سودے کی قیمت رکھ دیتا ہر صبح سے شام تک خرید و فروخت ہوتی رہی، میں نے بھی ملوا، سیب، گوشت اور آم خریدا۔

مدن سے آدھ آنہ ایک پانی میں ہندوستان خط جاتا ہے اور بیرنگ بھی جاتا ہے، ہم نے بھی چار پانچ خط لکھ کر ایک ملازم کو دیدیا، مولوی عبدالہادی صاحب مرید و خلیفہ حضرت چاند شاہ صاحب بھی جہاز میں مسافر تھے انھوں نے بھی خط بھیجوا یا، مدن میں نماز جانب شمال ہوتی ہے، مدن سے دو دن میں یا تیسرے دن جہاز کامران پہونچا، اور میٹر میوں کے ذریعہ ضروری سامان ساتھ لئے چھوٹی کشتیوں میں اترے اور قرظینہ میں پہونچے اور آٹھ دن قرظینہ میں رہے جہاز والے فی صدوق پیراھ فی ہری نصف صدوق ۱۲ کرایہ لیکر جہاز میں زائد سامان محفوظ کر دیتے ہیں اور قرظینہ سے واپسی کے بعد سامان دیدیتے ہیں، قرظینہ کے بعد دوبارہ جہاز پر سوار ہوئے، اور دو یا تین دن میں جہاز جدہ پہونچا، کشتیوں کے ذریعہ کنارہ پہونچے۔ جدہ اونٹ پر کہ روانہ ہوئے صبح سویرے پہلے تھے شام کو جدہ پہونچے وہاں رات گزار کر صبح کو پہلے اور شام ہوتے ہوتے مکہ منظر میں داخل ہو گئے

مولانا کی وفات سنہ ۱۳۲۶ میں آپ کا مزار عید گاہ کے پیچھے محلہ اورنگ آباد میں ہے۔

مولانا عاشق الہی میرٹھی

آپ نے غائباً سنہ ۱۳۲۶ میں حج کیا، اور سنہ ۱۳۲۷ میں زیارۃ الاحقرین لکھی، فرماتے ہیں اس وقت جہاز اسلامی، رحمانی، رضوانی، علوی، خسرو، دارا اور اکبر تھے، یہ سب جہاز منغل کپنی کے تھے، جدہ سے مکہ ۵۰ کیلو میٹر (یعنی تقریباً ۴۶ میل) ہے، اور جدہ سے مدینہ منورہ ۴۵۰ کیلو میٹر (یعنی تقریباً ۲۸۱ میل) ہے۔

مکہ و مدینہ کی درمیانی منزلیں یہ ہیں،

عسفان، قنیمہ، رابغ، ابیار بن حسانی، بیرشخ، بیردیش، اور احسا۔ منج سے مدینہ

۴۵۰ کیلو میٹر یعنی ۱۵۶ میل، اور مکہ سے عرفات ۲۲ کیلو میٹر یعنی ۱۴ میل،

سلطانی راستہ مکہ مدینہ۔ وادی ناطہ، عسفان، خلیص، القدید ساحل سمندر، رابغ،

منورہ، صفراء (ایضاً) بیرشخ، دیار بن حسانی، امر، ابجدید، خیف، بیرعباس، بیردیش

آبار علی یہ راستہ مکہ سے غرب شمال کو جاتا ہے۔

خرمہ راستہ :- رابع سے وادی حویشاں بھمت شمال مشرق، نقر الفار، بیر رضوان، بو ضباع

وادی ریان، غدیر وادی منظم، بیر الماشی، آبار علی،

طریق غائر :- رابع سے مستورہ جانب شمال،

طریق شرقی :- جنت الملی، بیا ضیہ ہوتا ہوا منی کے شمال مائل مشرق منازل وادی لیون، حفاثر،

برکتہ السمرہ، حیط، سفینہ، سویر حیہ، حجرہ، غدیر، سیدہ نا حمزہ،

مولانا عاشق الہی نے اس کے بعد بھی کئی حج کئے ہیں۔

ان کی وفات ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔

تنبیہ :- متعدد سفر ناموں میں کئی بے تحقیق باتیں بھی نظر آئیں، ہم نے ان کی اصلاح و تصحیح کو

کوشش نہیں کی، صرف متنبہ کر دیا ہے۔

ابوالغنائم الطاہر ذوالمناقب

محمد بن محمد نام تھا اولاد ابی طالب کے نقیب اور امور حج کے والی تھے۔ خلیفہ بغداد نے انکو ۳۵۶ء میں خلعت اور یہ مناصب القاب عطا کئے۔ ابوالحسن اقساسی کے بعد ۳۱۶ء سے ۳۵۵ء (یعنی چالیس برس) تک ایسی نظم و فتنہ و فساد اور اضطراب رہا کہ اس درمیان میں شاید ہی کوئی منظم قافلہ خراسان و عراق سے حج کے لئے گیا ہو۔ ۳۵۶ء میں کسی قرطبیان نصیب ہوا تو ابوالغنائم امیر حج مقرر ہوئے۔ اس وقت سے ۳۶۶ء تک چند برسوں کے استثنائے کے ساتھ حجاز کا قافلہ انھیں کی سرکردگی میں جاتا آتا تھا اور انھیں کی قیادت میں حج کرتا تھا۔ درمیان میں ایک سال ۳۵۸ء میں نورالہدی ابوطالب کی قیادت میں قافلہ گیا مگر وہ مکہ جا کر وہیں مقیم ہو گئے۔ پھر ۳۶۶ء میں بھی ابوطالب ہی کی قیادت میں قافلہ گیا ابوالغنائم علوی نہایت کثیر العبادۃ اور خوش اخلاق تھے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ انھوں نے کسی مخلوق کو تکلیف پہونچائی ہو ۳۶۹ء میں ان کا انتقال ہوا (ابن ابی عمیر و ابن کثیر)

امیر جنفل ترکی امیر الحجاج

یہ ایک ترکی امیر تھا۔ جس نے صرف سولہ ترکوں کو ساتھ لیکر قبیلۂ بنو خفاجہ کے بدوؤں کو جو حجاج کے قتل و غارت، اور خبیث و شرارت میں سب قباہی سے آگے تھے، زیر کیا۔ اور ان کی جمیعت کو درہم برہم کر دیا، اس کے بعد اس نے زاہر میں جو راستہ کی ایک منزل ہے قیام اختیار کر لیا (ص ۳۳۱) ابن کثیر ۳۶۸ء سے ۳۷۴ء تک اسی امیر کی قیادت و حمایت میں عراق کا قافلہ حجاج حج کی سعادت حاصل کرتا رہا، ۳۷۴ء میں اس کا آخری حج تھا اس سال اس نے آتے جاتے دو وفد آئندہ حضرت علی اشتر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں میرا یہ آخری حج ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس امیر نے بدوؤں کے مقابلہ میں اپنی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے اور کئی موقعوں پر ان کو ایسی شکست دی کہ سارے اعراب مرعوب ہو گئے اور ان کی جمیعت منتشر ہو گئی، ان کارناموں کے ساتھ وہ بڑا پابند نہاد تھا۔ اور باجماعت پڑھتا تھا روزانہ قرآن پاک کا ایک ختم کرتا تھا، حج کے راستہ میں حوضوں اور کنوؤں کی مرمت اور

حاج کے فائدہ کے دوسرے کام بھی اس نے بہت کئے، کوئٹہ میں مزار یونس کے پاس
حنفیوں کے لئے ایک مسجد بھی بنائی اور پندرہ رو کے مغربی جانب لب دریا
دوبلہ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ۱۰۰۰ھ میں اس کی وفات ہوئی اور غلام ملک وزیر لہو اس کی
اطلاع ملی تو اس نے کہا جنہوں کی موت ہزار آدمیوں کی موت سے (ابن یثرب) ابن جوزی نے
لکھا ہے کہ دوبارہ سال ایسا نکلا رہا۔ ابن ابوزری نے اس کا نام قتلغ قتلغ بن کنشکس لکھا ہے
(نکستہ مستطہ)

امیر خمارتکیں حسانی امیر خٹان

اس امیر کو ۱۰۰۰ھ میں فائدہ خٹان کی امارت وقت لغیش مونی اور اسی سال مندر کی طس
حکومت اجواٹینیوں کی حکومت تھی۔ ۱۰۰۰ھ میں یہ قوت ہوا اور کبہ کے دروازہ پر غلامی
حاکم کے نام کی چوتھیاں لگی ہوئی ان کو کلا کر مہاراجہ بن گیا۔ ۱۰۰۰ھ میں غلامی قتلغ بن کنشکس
۱۰۰۰ھ سے لیکر ۱۰۰۰ھ تک کٹر وایتہ بن امیر اس نے ست پر مامور ہوتا رہا۔ ۱۰۰۰ھ میں
قبیلہ بنو غفاجہ نے قتلغ بن کنشکس کو قتل کیا اور جو قتلغ قتلغ کی خدمت کے غلام وہ حج کے ارادہ سے اس
امیر کے ساتھ ہوتی تھی اس نے بدوؤں کا ہمدرد بن گیا اور ان کو شکست دیدی اس امیر کے
مزید حالات اور اس کا سنہ وفات و وفات نہ معلوم۔
اس اٹھارہ برس کے عہد میں ایک برہمچہ لڑی اور ایک بار امیر تونٹا شش فنی بھی امیر حج
مقرر ہوئے ہیں۔

امیر احاج قطہ بن عبد اللہ خادم

امیر خمارتکیں کے بعد ۱۰۰۰ھ میں محمد بن ملک شاہ کی مرثیت امیر ترکمان امیر حج مقرر
ہوا اور ۱۰۰۰ھ و ۱۰۰۰ھ و ۱۰۰۰ھ میں امیر قیماز نے یہ خدمت انجام دی اور ۱۰۰۰ھ میں اس
اہم خدمت کے لئے امیر اجیوش قطہ خادم نامزد ہوا اور اس وقت سے لیکر ۱۰۰۰ھ تک
چند سالوں کے استثنائے ساتھ برابر یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ جس سالوں کا ہم نے استثنا
کیا ہے ان میں سے ایک سال جمال دورہ اقبال ستہ شہی نے (۱۰۰۰ھ میں) اور ایک سال
برقش نے (۱۰۰۰ھ میں) اور ایک سال ارجواں نے ۱۰۰۰ھ میں امارت حج کے فرائض انجام دیئے۔

امیر تھہرنے حدیثیں بھی سنیں تھیں، ابواکسی زراغونی اس کے موذوب تھے، اس نے ستائیس حج کئے تھے۔ بیس سے زائد حجوں میں وہ ایہ احکام تھا، ابن ابجوزی محدث نے ۵۴۱ھ میں اس کے زیر قیادت حج کیا تھا اور اس سفر میں اس سے سماع حدیث کا ارادہ بھی کیا مگر راستہ کے انتظام کے سلسلہ میں اس کی کوئی ایسی بات انہوں نے دیکھی جو ان کے خیال میں ظلم تھی اس لئے سماع کا ارادہ ترک کر دیا ۵۴۲ھ میں جب وہ حجاز کے قند کو لیکر چلا تو بیمار تھا کوڑا پونچر اس کا مرض ترقی کر گیا اس نے اپنے خادم قیماز کو یہ خدمت سپرد کر کے وہ بغداد واپس آگیا اور ۲۱ ذی قعدہ ۵۴۲ھ کو انتقال کر گیا۔ امیر کبہ اور بدووں پر اس کا بڑا رعب تھا چنانچہ اس سال جب اس کی جگہ بدووں نے قیماز کو دیکھا تو اس کو خاطر میں نہیں لائے اور قافلہ کو لوٹ لیا (ابن جوزی) ابن کثیر نے لکھا۔

دکان الحاج ممد اکبر ۲۲۸ ج ۱۲

امیرا حجاج قیماز ار جوانی

۵۴۵ھ سے ۵۵۴ھ تک اس امیر نے حجاج کی قیادت کی اور اس خدمت کے طفیل میں اسکو حج کی سعادت حاصل ہوئی رہی یہ بہت نیک امیر تھے، شہباز ۵۵۵ھ میں گیند کھیل رہا تھا کہ گھوڑے سے گر گیا اور گرتے ہی اس کی جان نکل گئی، اس کی وفات کا لوگوں کو بہت رنج ہوا، اور نماز جنازہ میں لا تعداد محوق شہ یک ہوئی (ابن کثیر) رہی

امیر بخش کبہ

کوڑا کا امیر تھا، ۵۵۵ھ سے لیکر ۵۶۱ھ تک امیرا حجاج کے عہدہ پر رہا، اور حج کی سعادت اسکو حاصل ہوئی رہی، فوت بھی اسکے ماتحت تھی، ۵۶۲ھ میں گھوڑے سے گر کر قتل ہو گیا (ابن کثیر)

اسد الدین شیر کوہ

سلطان نور الدین شہید کے مہتمم امیں سب سے بڑا امیر اور شجاعت و بہادری حسن تدبیر میں فرو تھا، فرنگیوں کے مقابلہ میں ان کے جہاد کا زمانے تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں دمشق اور اسکندریہ کوناظیوں کے ہاتھ سے اسی نے نکالا، اور ان معرکوں میں اس نے اپنی بہادری اور جنگی صلاحیتوں کے وہ جوہر دکھائے جس نے مخالفین کے حوصلے پست کر دیئے، اور مسلمانوں کے دل کو دعائیں نکلیں، ابن کثیر نے ان معرکوں کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے بل اللہ ب رحمة وجعل اجتهاد مناد (امیرا حجاج رحمت سے اسکی ملک کو سہا کرے اور خست کو اس کا سکس بنائے) شیر کوہ نے ۵۵۵ھ میں حج کی سعادت حاصل کی اور بل مریمین پر انعام و اکرام کی خوب بارش کی (ابن جوزی ص ۱۱۱)

شیر کوہ کی وفات ۵۶۳ھ میں ہوئی، اور وہ مصر کے دارالامسارہ میں مدفون

ہوئے ۵۶۸ء میں ان کے بھائی نجم الدین ایوب سلطان صلاح الدین ایوبی کے والد کی وفات ہوئی تو وہ بھی وہیں مدفون ہوئے مگر تقریباً دو سال کے بعد ۵۸۰ء میں ان دونوں بھائیوں کو وزیر جمال الدین موصلی کی اس رہا میں جو انھوں نے روضہ مقدسہ نبوی کے متصل بنوائی تھی لیجا کر دفن کیا گیا جہاں سے روضہ نبوی صرف ستہ و ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔ ابن کثیر ص ۲۹۲

علی کوچک

اس کا لقب نور الدین اور باب کا سبکدہن تھا، موصل کا حاکم تھا مگر بڑا چارے میں نقل سماعت اور بینائی کمزور ہو جانے کی وجہ سے اس نے موصل کی حکومت سلطان نور الدین شمس الدین کے بھائی قطب الدین کے حوال کر دی، علی کوچک بڑا عادل، نیک سیرت، امانت دار اور بد عہدی سے پاک بادشاہ تھا، لوگوں کی اغزشوں کو عموماً معاف کر دیا کرتا تھا، نہایت مبارک قدم تھا، جس لشکر میں وہ موجود رہا اسکو شکست نہیں ہوئی، پہلے بس ایک بڑا عیب اس میں تھا کہ وہ تنگ دل اور خیل تھا، چنانچہ شیر کو وہ کے ساتھ ۵۵۵ء میں اس نے بھیج کیا تھا، شیر کوہ کی نیامنی کی مدح سرائی کے بعد مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ یفضل کوچک شیخاً ذکر مع کثرة مالہ یعنی اس جج میں کوچک نے نہایت دولت مند کی ہا وجود کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔ ص ۱۹۶ مگر بعد میں یہ عیب بھی زائل ہو گیا، آخر عمر میں اس نے کئی کئی در سے رباطیں اور پل بنوائے، اور اپنی ساری دولت صدقات و خیرات میں لٹا دی، مرنے کے بعد اس نے کچھ نہیں چھوڑا، ۵۶۳ء میں اس کی وفات ہوئی (حاشیہ ابن جوزی ص ۲۲۳)

جمال موصلی

محمد بن علی نام ابو جعفر کنیت تھی، حاکم موصل قطب الدین مودود بن زنگی اور اس کے باپ اور بھائی کا وزیر تھا، جو دوا حسن اور کثرت خیرات و صدقات، اس کا ممتاز وصف تھا، اسی لئے جو ادا صغفانی کے لقب سے اسکی شہرت ہے۔ مکہ و مدینہ میں اس کی بڑی بڑی یادگاریں ہیں اس نے

حرم کے دروازے مستحکم کرائے، انکی چوٹھیں اونچی کرائیں، عرفات میں ایک چشمہ کا پانی نہر کے ذریعہ پہنچایا، مسجد خیف کی از سر نو تعمیر کرائی، مدینہ منورہ کی شہر بنیاد بنوائی، اس کے علاوہ بہت سی رابطیں اور موصل میں ایک پل بنوایا، روزانہ اپنے دروازہ پر سو دینار خیرات کرتا تھا، مسلمان قیدیوں کو بچھڑانے میں سالانہ دس ہزار دینار صرف کرتا تھا، مختلف شہروں کے نقباء اور فقراء کے پاس برابر ادوی قوم بھجواتا تھا۔ اسد الدین شیرکوہ سے اس کی بڑی دوستی تھی اور آپس میں معاہدہ تھا کہ جو پہلے مرے اس کو دوسرا مدینہ منورہ لیجا کر دفن کرے۔ اتفاق سے پہلے جمال موصلی مرے اور شیرکوہ نے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے ان کی نقش مدینہ بھجوائی، موصل سے مدینہ تک کاندھوں پر اٹھا کر لوگ انکی نقش لے گئے اور راستہ میں جس جس آبادی سے گذر ہوا سب نے ان کی تعریف اور ان کی موت پر اظہار افسوس کیا اور موصل کے علاوہ تکریت، بغداد، حلب، کوفہ، فید اور مکہ منظمہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی، مکہ میں ان کی نقش کو کعبہ کا طواف کرانے کے بعد مدینہ منورہ لیجا کر مسجد نبوی کے خرقہ جاب میں جو ربابا جمال موصلی نے بنوائی تھی اس میں ان کو سپرد خاک کیا گیا۔ ابن السامی مورخ کا بیان ہے کہ دوسرے پاک نبوی اور ان کی قبر کے درمیان صرف پندرہ ہاتھ کا فاصلہ ہے، حلب میں نماز خانہ سے فارغ ہونے کے بعد ایک علی شاعر نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر انکی مدح میں یہ دو درویش اور سچے شعر پڑھے

مصری نعشہ فوق السحاب وطالما
مصری جودہ فوق السحاب ونازلہ

آج اس کی نقش لوگوں کے کندھوں پر سفر کر رہی ہے اور اب پہلے اسکی بخشش سواروں پر سفر کرتی رہی ہے

یہ علی الوادی فتنی سر مالہ
علیہ وبالنادی فتنی اسراصلہ

وہ وادی سے گذر رہی ہے تو وادی کے ذرات اسکی مدح خوانی کرتے ہیں اور آبادی سے گذرتی ہے تو جو امین اسکی ثنا خوانی کرتی ہیں

جمال موصلی کی وفات ۵۵۹ھ میں ہوئی۔ (ابن جوزی، ابن کثیر)

امیر مسالاح الدین محمد بن عبدالملک بن مقدم

سلطان صلاح الدین ایوبی کے نائب اور دولت ایوبیہ کے وزراء میں تھے، سلطان نے

۵۸۳ھ میں جب بیت المقدس کو فتح کیا، تو اس فتح کی خوشی میں مسلمانوں کی ایک جماعت

حج کے زمانہ میں بیت المقدس سے حج کا احرام باندھ کر گئی۔ اس سال سلطان کی طرف سے

امیر شمس الدین امیر ارجان تھے۔ اور خلیفہ بغداد کی جانب سے امیر طاشکیں میر ارجان تھا، نویں تاج
 کو جب سارے عالم کے تاجان میدان دہنت میں کٹھا ہوئے تو شامی مسلمانوں نے شامی جھنڈے
 لہرائے۔ اور نوبت جوانی اور اس عنوان سے سلطان صلاح الدین کی غنیمت و بدل کا مظاہرہ کیا۔
 یہ بات امیر طاشکیں کو ناگوار ہوئی اور اس نے دوکان پر بیٹھ کر شوائی نہیں لی۔ یہ تو اگر دونوں طرف
 سے تلواریں نکل آئیں۔ جنگ شروع ہوئی۔ اور بہت ناک و قات پیش آئے۔ اس لڑائی میں
 امیر شمس الدین بھی زخمی ہوئے۔ اور دوسرے دن مٹی پر چوڑی ۱۴ انتساب ہو گیا۔ خلیفہ بغداد کو اس کی
 خبر پہنچی تو طاشکیں کو اس کی حرکت پر سخت ملامت کی۔ اور اس نوبت سے کہیں سلطان
 صلاح الدین خلافت بغداد سے اس کا انتقام نہ لے طاشکیں کو اس کے مسبب سے محزون کر دیا
 گیا (ابن کثیر)

امیر حسام الدین محمد بن عمر بن لاچین

اور

سیٹ الشام بنت ایوب

سیٹ الشام، سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہشیمہ تھیں اور امیر حسام الدین انکے بیٹے سلطان
 صلاح الدین کے بھانجے تھے۔ سلطان کے مجاہدہ کارناموں اور ان کی غنیمت نشان فتوحات میں انکا
 بڑا ہاتھ تھا۔ سلطان کی طرف سے نابلس کے حاکم تھے۔ انہوں نے اپنی والدہ کو ساتھ لیکر ۵۸۲ھ میں
 حج کیا تھا۔ محرم ۵۸۳ھ میں جب سلطان دمشق سے نکلا کو فتح کرنے کے ارادہ سے نکلا تو چونکہ یہ لوگ
 ابھی حج سے واپس نہیں آئے تھے سلطان کو ان کی جانب سے تشویش تھی اس لئے مقام بصری میں
 فوج کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کیا جب آخر محرم میں یہ لوگ آگئے اور سلطان کو اطمینان ہوا تو کرک
 کی طرف فوج کو کوچ کا حکم دیا (مرآۃ المستعین)

امیر کی وفات ۵۸۵ھ میں ہوئی (ابن کثیر) سیٹ الشام صرف صلاح الدین کی بہن نہیں
 تھیں بلکہ متعدد بادشاہوں کی بہن، اور کئی ایک کی ماں اور کئی ایک کی پھوپھی تھیں، ۵۸۵ھ بادشاہ انکے
 محرم (بیٹے بھائی اور بھتیجے) تھے ان کے اوقات میں دوسرے شامیہ جوانیہ اور شامیہ برانیہ ہیں،
 ابن کثیر نے السلف الحسنہ کہہ کر ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ نہایت کثرت سے خیرات کرتی

تھیں اور فقراء و محتاجین کے ساتھ بڑا احسان کرتی تھیں۔ ہر سال ہزاروں دنیا کے شہرت اور دولتیں اور جڑی بوٹیاں فراہم کر کے، امتیاز تقسیم کرتی تھیں۔ ۱۱۳۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

نصر الدین الفارسی وزیر سلطان صلاح الدین

انہوں نے اس وقت جب صلاح الدین یونانی سائب تحت و قات نہیں تھے، ان کی خدمت اور مالی امداد و اعانت کی تھی۔ سلطان نے بادشاہت کے بعد ان کی خدمتوں کی قدر وانی کی اور ان کو اپنا وزیر مقرر کر لیا، نصر الدین بہت قابل و ثوق، دیانتدار امین اور بہادر تھے۔ انہوں نے ۱۱۴۴ء میں حج کیا اور اس سال حکومت شام کی طرف سے گویا رہی امیر اعجاز تھے ۱۱۵۵ء میں ان کی بھی وفات ہوئی (مرآۃ)۔

امیر طاشکین مستنجدی

میر الدین لقب تھا، بغداد کے خلیفہ عباسی کی طرف سے امیر علاج کے عہدہ پر تھے ۲۶ برس تک انہوں نے یہ خدمت انجام دی اور اس خدمت کے طغیوں میں حج کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے رہے، ابن کثیر کا بیان ہے کہ ان فی غایۃ حسن السجود (میں اتھارہ کے مک سیرت تھے) آخر میں ان کے حاسدوں نے ان پر یہ تہمت لگائی کہ سلطان صلاح الدین یونانی سے ان کی خطا و کتابت ہے اور سلطان کو بغداد کی حکومت پر قبضہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ اس کی کوئی اصلیت نہیں تھی مگر خلیفہ کا عتاب ان پر نازل ہوا، اپنے عہدہ سے الگ کر دئے گئے، اور جرمانہ امانت اور قید و بند مزید ہوا، ۱۱۵۵ء میں یہ معزول کئے گئے، پھر جب ان کی برائت ثابت ہو گئی تو خلیفہ نے دوبارہ ان کو امیر راج مقرر کیا، اور خوزستان کا علاقہ ان کی جاگیر میں عطا کیا، البشامہ نے ان کو مستنجدی کے بجائے مفتنونی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ مجاز میں یہ ایک بادشاہ کی طرح رہتے تھے، بہت بہادر اور نہایت فیاض تھے، ۱۱۶۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔

شاہ حلب الملک الظافر

خضر نام تھا اور سلطان صلاح الدین یونانی کے صبی رط کے تھے، ۱۱۶۲ء میں حج کے ارادہ سے

دمشق آئے تو وہاں ان کا نہایت شاندار استقبال ہوا اور انکے حجاز اور سجستان کے حکام نے انکا بہت اکرام کیا اس کے بعد حجاز روانہ ہوئے، جب مکہ پہنچنے میں چند منزلیں باقی رہ گئی تھیں تو کامل شاہ مصر کے آدمیوں نے یہ کہہ کر ان کو مکہ جانے سے روک دیا کہ آپ یمن پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں انھوں نے ہر چند صفائی دی بلکہ یہاں تک کہا کہ تم مجھے مقید کرو اور اپنی حراست میں حج کے مناسک ادا کر لینے دو مگر وہ نہیں مانے، اور کہا ہم کو ایسا کوئی حکم نہیں ملا ہے ہم کو تو بس یہ حکم ہے کہ ان کو جانے سے روکو اور واپس لاؤ، شاہ حلب کے آدمیوں نے مقابلہ کرنا چاہا مگر شاہ نے اس خیال سے کہ ایک فتنہ برپا ہو جائے گا، ان کو اس سے باز رکھا اور احرام کھول کر شام واپس چلے آئے، اہل قافلہ نہایت رنجیدہ ہوئے اور شاہ کو رخصت کرنے کے وقت لوگ زار و قطار رو رہے تھے، ابن کثیر نے اس واقعہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ ان کے اس عمل کو قبول فرمائے۔

الملك المعظم عيسى بادشاہ دمشق و شام

اپنے والد الملك العادل کی وفات کے بعد سلطنت میں دمشق میں تخت و تاج کے مالک بنے حافظ قرآن اور حنفی مذہب کے صاحب بصیرت فقیہ تھے، کئی جلدوں میں امام محمد کی جامع کبیر کی شرح لکھی تھی اس میں دوسرے علماء کی امداد و اعانت بھی شامل تھی، زرخش کی مفصل زبان یاد تھی، مدرسہ نوریہ کے مدرس امام حصیری کے پاس فقہ حنفی کی تعلیم پائی تھی، اور مشہور و معروف لغوی و محدث تاج الدین کندی کی خدمت میں فن لغت اور نحو کی تحصیل کی تھی، انھوں نے بعض علمائے فن کو اس کام پر مامور کیا تھا کہ لغت کی ایک ایسی کتاب لکھی جا جس میں جوہری کی صحاح اور ابن درید کی جہرہ، اور ازہری کی تہذیب کو یکجا کر دیا جائے، اسی طرح کسی کو اس کا حکم بھی دیا تھا کہ مسند احمد کو ابواب پر مرتب کریں، مختصر یہ کہ بادشاہوں کے طبقہ میں اس علمی شغف کی مثال بہت کم ملے گی جو ملک معظم کو مل تھا۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ ان کو علماء سے بڑی محبت تھی اور ان کا بہت احترام کرتے تھے، وہ ہمیشہ اس کی بھی کوشش کرتے تھے کہ نیک راستہ پر چلیں انھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو (سنت کے مطابق) سفید کپڑوں کا کفن دیا جائے۔ اور میری قبر

بصورت لحد بنائی جائے۔ اور مجھ کو صحرائیں دفن کیا جائے اور اس پر کوئی عمارت تعمیر نہ کی جائے۔

دمیاط کی لڑائی میں انھوں نے عیسائیوں کا بہت بے جگری سے مقابلہ کیا تھا اور خوب خوب واد شجاعت دی تھی، چونکہ خالص اسلام کی سر بلندی کی نیت سے اس معرکہ میں انھوں نے اپنی جان کی بازی لگائی تھی اس لئے کہتے تھے کہ اپنے اس کام کو میں نے اللہ کے پاس ذخیرہ بنایا ہے اور امید وار ہوں کہ اس کی بدولت وہ مجھ پر رحم کرے گا۔

وہ ہر جمعہ کو نماز سے بہت نکلتے تھے اور پہلے اپنے والد کے مزار کے پاس تھوڑی دیر بیٹھتے تھے اس کے بعد اپنے چچا صلاح الدین ایوبی کے مزار پر جاتے تھے اور انھیں کے مزار کے پاس جو مسجد ہے اس میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔

ان کے مزاج میں شاہانہ کرد و فرقطاع تھا، بسا اوقات اکیلے سوار ہو کر نکل پڑتے تھے جب خدم و حشم کو اطلاع ہوتی تو وہ سجاگ کر ان سے جا ملتے تھے۔ جو شخص زرخیزی کی مفصل زبانی یاد کر دے اس کے لئے سودینار انعام کا اعلان ان کی طرف سے تھا اس لئے بہت سے لوگوں نے مفص کو زبانی یاد کر ڈالا تھا۔

۱۱۸۰ء میں جب ان کے والد الملک العادل بقیہ حیات اور سلطان شام تھے ملک معظم عیسیٰ بہت سے امراءے دولت اور دوسرے بکثرت آدمیوں کی رفاقت میں کرک سے سائینیوں پر سوار ہو کر حج کیلئے تبوک والہ علاقے استہ سے چلے اور اسی سال اس راستہ کا مشہور تالاب جو ان کی نسبت سے برکتہ المعظم کہلاتا ہے انھوں نے تیار کرایا، اس راستہ سے حاجیوں کو پہلے مدینہ منورہ ملتا ہے، وہ مدینہ آئے تو مدینہ کے حاکم نے جس کا نام سالم تھا ان کا پر تپاک استقبال کیا اور کنجیاں ان کے حوالہ کر دیں اور پوری پوری خدمت بجا لایا۔ لیکن جب مکہ پہنچے تو قتادہ حاکم مکہ ان کو خاطر میں بھی نہیں لایا، اسی لئے جب وہ حج وادائے مناسک سے فارغ ہوئے اور جو مال و دولت یہاں کے مجاورین میں بانٹنے کیلئے لائے تھے انکو تقسیم کر کے مدینہ کے راستہ سے شام واپس ہونے لگے تو سالم حاکم مدینہ کو اپنے ساتھ لے لیا اور جب اپنے والد ملک عادل سے مقام راس الماء میں ان کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے قتادہ حاکم مکہ کی شکایت کی، عادل کو سخت ناگواری ہوئی اور اس نے سالم حاکم مدینہ کے زیر کمان ایک فوج مکہ روانہ کی اور حکم دیا کہ قتادہ کو مکہ سے نکال دو لیکن اس

فوج کے پہنچنے اور ملک میں داخل ہونے سے پہلے ہی قتادہ پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گیا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ملک معظم نے اس حج میں قرآن کا احرام باندھا تھا، اور بقول ابن کثیر کے اس نے حج کے ساتھ حجاز کے راستہ میں بہت سی اچھی یادگاریں قائم کیں جو حجاز کیلئے موجب راحت و آسائش ہوئیں۔ ملک معظم کی وفات ۶۲۲ھ میں ہوئی۔

شاہ مین الملک المسعود اقصیٰ

الملک الکامل کا لڑکا اور مین کا بادشاہ تھا۔ اس نے ۶۱۹ھ میں حج کیا مگر افسوس ہے کہ اس کا حج نیاز مند نہ نہیں تھا، وہاں پہنچ کر بھی حکومت کا نشہ نہیں اترتا تھا، اس لئے اس کے عادات و اطوار کسی کو پسند نہیں آتے، پھر ۶۲۲ھ میں اس نے حاکم مکہ حسن بن قتادہ کے خلاف فوج کشی کی، اور عین مسفا و مروہ کے بیچ میں جنگ ہوئی، لڑائی میں حاکم مکہ کو شکست ہوئی اور وہ پہاڑوں میں بھاگ گیا، اس وقت مکہ میں زیدیوں کی حکومت تھی، اقصیٰ کے ہاتھ سے اس حکومت کا خاتمہ ہوا اور اب وہ خود مین کے ساتھ مکہ کا بھی حاکم ہو گیا، اس کی حکومت کا بڑا رعب تھا اور رعیت کے دلوں میں اس کا احترام تھا اس لئے اس کے دور میں دونوں ملکوں میں نہایت امن بھٹا، راستے بے خطر تھے اور حجاز پورے المینان سے آتے جاتے تھے۔ یہی بات اس کی قابلِ تعریف تھی، ۶۲۶ھ میں اس کی وفات ہوئی (ابن کثیر ص ۹۹-۱۰۰-۱۰۱)۔

المعتمد ابراہیم حاکم دمشق

الملک المعظم عیسیٰ کے عہد حکومت میں دمشق کا حاکم تھا، چالیس برس تک وہ اس منصب پر رہا ابن کثیر کا بیان ہے کہ وہ نہایت پاکباز، نیک ستیر، فیاض اور بہترین حاکم تھا، وہ عزت و لوگوں کی کبھی بے عزتی کے درپے نہیں ہوتا تھا اسکے زمانہ میں عدل و انصاف کے عجیب عجیب واقعات پیش آئے اور مجرموں کا کھوج لگانے میں اس کی ذہانت کے بڑے نادر نمونے دیکھنے میں آئے، آخر کسی شکایت کی بنا پر وہ اپنے عہدہ سے ہٹا دیا گیا، مگر مناوی کرانے کے بعد ایک شخص بھی یہ کہنے والا نہ ملا کہ اس نے ہم سے رانی کے دانہ کے برابر رشوت لی ہے (ص ۱۱۵)۔

وہ شہادت میں معزول ہوا اور اسی سال اس نے حج کیا، حجاج کا امیر بھی وہی تھا اور اس کی وجہ سے حاجیوں کو بڑا فائدہ پہونچا، قصہ یہ ہوا کہ اس سال خلیفہ بغداد کی جانب سے اقباش نامری ہو و بار خلافت کا بہت بڑا امیر اور خلیفہ کے خاص آدمیوں میں تھا وہ عراقی حجاج کے امیر کی حیثیت سے مکہ آیا تھا اور خلیفہ نے اسی کے ہاتھ حسن بن قتادہ کے نام حکومت مکہ کا فرمان اور خلعت بھی بھیجی تھی۔ قتادہ کا سب سے بڑا لڑکا راجع تھا اس نے مخالفت کی اور کہا میرے سوا کوئی دوسرا حاکم مکہ نہیں ہو سکتا، اسی بات پر دونوں بھائیوں میں لڑائی ہو گئی اور اسی میں غلطی سے اقباش نامری کی جان بھی چلی گئی، چونکہ وہی امیر راجع تھا اور وہ قتل ہو گیا تو غلاموں کا ایک سرکش طبقہ جو مکہ میں آباد تھا، اس نے موقع پا کر حاجیوں کو لوٹنے کا تہیہ کر لیا اس موقع پر انھیں مقتد نے بہادری دکھائی اور ان کو اس حرکت سے باز رکھا، چونکہ یہاں مکہ کے حاکم قتادہ کا نام آگیا ہے اس لئے تنازعہ خالی از مذہ نہ ہو گا کہ وہ ذریعہ مذہب کا پابند لائے قد کا بڑھا آدمی تھا اور بڑا بارعب تھا، کسی خلیفہ یا بادشاہ سے نہیں ڈرتا تھا نہ کسی کے آگے جھکنے کا نام دیتا تھا وہ اپنے کو سب سے زیادہ حکومت بلکہ خلافت کا مقدر سمجھتا تھا، اسی وجہ سے یاد ہو گا کہ ملک منظم جب حج کو آئے تو وہ انکو بھی خاطر میں نہ لایا وہ پہلے تو انصاف شعار بادشاہ تھا مگر بعد میں اس کے برعکس بڑا ظالم ہو گیا نئے نئے ٹیکس لگائے اور کئی بار حاجیوں کو لوٹا، قتادہ شہادت میں خود اپنے بیٹے حسن کے ہاتھ سے مارا گیا، مگر اپنے باپ کو مار کر حسن کو بھی چین نصیب نہ ہوا صرف دو سال کے بعد اس کے ہاتھ سے بھی مکہ کی حکومت نکل گئی اور وہ پہاڑوں میں جا کر لاپتہ ہو گیا یا قتل ہو گیا، (ابن کثیر ص ۱۹۲)

شاہزادہ الملک المجاہد انس

بادشاہ دمشق و مصر الملک العادل کتبغا کا لڑکا تھا اس نے ۶۹۳ھ میں حج کیا اور اس نے اور اس کے رفیق امراء نے حرمین میں خوب صدقات تقسیم کئے (ابن کثیر)

خلیفہ عباسی الحاکم بامر اللہ اور امیر خضر

الحاکم بامر اللہ اتالیسواں خلیفہ عباسی ہے۔ ۳۶۱ھ میں الملک النظار بن برس نے اس کے

ہاتھ پر بیعت کی یہ ان خلفائے عباسیہ میں تھا جو سقوطِ بغداد کے بعد مصر میں برائے نام نبیضہ تھے۔
اس نے ۳۹۹ھ میں مصری قانلہ تاج کے ساتھ نج کی سعادت حاصل کی، اس قانلہ کا امیر سابق شاہ
دشوق و مصر الظاہر کا بیٹا امیر خضر تھا، (ابن کثیر)
حاکم چالیس برس قلیفہ رہا ۴۱۸ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

الحاج عزالدین ازدمر

دشوق میں سنقر اشقر کے نائب اسطنت تھے، علم و فضل کے ساتھ صاحب کرم و مروت
بھی تھے، ۴۲۲ھ میں تاتاریوں کے مقابلہ میں حمص کے محاذ پر تاتاریوں کے بادشاہ کو زخمی کرنے
کے بعد مردانہ وار لڑ کر شہید ہوئے، ان کو ج سے جو خاص تعلق تھا اس کی بنا پر الحاج کے نام سے
مشہور تھے۔

امیر کبیر بدرالدین بکتوت

منصور قلاوون کے عہدِ دولت میں عالی منزلت امیر تھا، اس نے ۴۶۹ھ میں دمشق
شہاب الدین خوی کی معیت میں حج کیا تھا ۴۹۳ھ میں اس کی وفات ہوئی (شذرت)

امیر سیف الدین سلار نائب مصر

الملک الناصر بن قلاوون شاہ مصر کا نائب تھا، بڑے دہدہ کا امیر تھا، اس نے ۵۰۳ھ
میں حج کیا، اس سفر میں چالیس امیر اور امراء کی تمام اولاد اس کے ساتھ تھی، وزیر مصر امیر عزالدین
بنمادی بھی معیت میں تھا۔ مصریوں کا امیر حج اباق حاسی تھا، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سلار
نے بڑی شاہانہ شان و شوکت سے یہ حج کیا تھا۔ بعد میں کن الدین بیبرس کا نائب تھا ۵۱۸ھ
میں قتل کر دیا گیا۔

شمس الدین دوبان بن ملکشاہ

گیلان کا حاکم تھا، ۵۱۸ھ میں حج کیلئے روانہ ہوا غباغب (ایک جگہ کا نام ہے) پہنچ کر

اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی لاش کو دمشق ماکر دفن کیا گیا۔ اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے حج بدل کے لئے حاجیوں کا جتھہ روانہ کیا جائے، چنانچہ اس کی وصیت کے مطابق حجاج کی ایک جماعت نے اس کی طرف سے حج بدل کیا (ابن کثیر)

رئیس شام النصاب حمزہ بن اسعد قلائیسی

بڑے صاحب وجاہت کریم النفس اور علم دوست رئیس تھے، وزارت کے منصب پر بھی فائز رہ چکے ہیں، نہایت ذکی، دور اندیش و بلند عزم تھے، حکومت میں بڑا رسوخ حاصل تھا، متعدد محدثین کی مجالس میں شریک ہو کر حدیثوں کی سماعت بھی کی تھی انھوں نے بڑے چلپے میں حج کیا، اور اس سفر میں انھوں نے ساٹھ ہزار درہم صرف سے، اعظم الدین برزالی فرماتے ہیں کہ ۶۲۱ھ میں جب حج کے لئے گئے تھے تو میں ان کا رفیق سفر تھا، میں نے ان کے پاس مزینہ منوہ وغیرہ میں حدیثیں پڑھی ہیں، ۶۲۱ھ میں ان کی وفات ہوئی (دور)

بادشاہ خلاط شہاب الدین غازی

سلطان صلاح الدین ایوبی کا پوتا تھا، بڑا بہادر، باہمیت اور فیاض بادشاہ تھا، ۶۲۴ھ میں اسکے بھائی الملک الاشرف نے شاہانہ ساز و سامان کے ساتھ اس کو ایک عظیم الشان محل میں حج کے لئے روانہ کیا، چھ سو اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا، پچاس سائڈنیاں ساتھ تھیں ہر سائڈنی پر ایک ایک عنلام سوار تھا، اس تنزک و احتشام کے ساتھ یہ قافلہ براہ بغداد روانہ ہوا، خلیفہ بغداد کو خبر ہوئی تو دربارہ خلافت سے بھی بیش قیمت ہدایا آئے، حج سے فارغ ہو کر اسی راستہ سے واپسی بھی ہوئی، اس بادشاہ کا انتقال ۶۴۵ھ میں ہوا (ابن کثیر)

حامی اسلام الملک الظاہر بیرس بندقداری

ملک مظفر قطز کے بعد شام و مصر و حلب کا بڑا نامور بادشاہ تھا، جرأت و شجاعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، قطز کی وفات کے وقت اس کا شمار بہت بڑے امراء میں نہیں تھا لوگوں نے امتحاناً

اس کو تخت پر بٹھادیا تھا مگر وہ فطرتاً شجاع، بلند سمت، غانظ اور نہایت مدبر تھا۔ حکومت کی ساری صلاحیتیں اس کی فطرت میں ودیعت تھیں اس لئے اس کی حکومت کو امت کا م نصیب ہوا۔ اسی کی تدبیر اور الواعزی و شجاعت کا نتیجہ تھا کہ اس نے اٹھارہ برس کے عرصہ میں فرنگیوں کے قبضہ سے بارہ چودہ سنگین تلع نکال لئے، اسماعیلیوں کے پاس ایک تلع بھی نہ چھوڑا، سی کا اقبال تھا کہ ہر کو قان کو شام کے قریب آنے کی جرأت نہیں ہوتی حالانکہ چین جاگوٹ واقعہ کے بعد وہ لے کر چکا تھا ملک شام پر دھاوا بول کر سدانوں سے اس کو چین لے لے، اس کا دل اسلام کی محبت و عظمت سے معمور تھا، رفاہ عام و نفع خلایق کی سیکڑوں چیزیں اس نے اپنی یادگار چھوڑی تھیں، مسجد نبوی میں آگ لگنے کا ایک ہولناک حادثہ پیش آیا تھا تو اس نے سکواز سر نو تعمیر کرایا، پل، نہریں، مساجد، مہمان خانے، مدرسے، سنگین تلع اور اس طرح کی دوسری چیزیں اس کی کثرت سے اس نے تعمیر کرائیں کہ خلفاء اور سلاطین یوپی کے دور میں بھی اتنی کثیر تعداد میں تعمیر نہیں ہوئیں۔ اس کے علاوہ اس نے شراب نوشی کی بندش اور بد معاش و فاسق و فاجر لوگوں کو شہر بدر کر کے خلق خدا کو آرام پہنچا دیا، اسلامی احکام کا اجرا کیا، غرضیکہ اس دور میں بقول ابن کثیر اس کو اللہ نے فرشتہ رحمت بنا کر بھیجا تھا جو اسلام و اہل اسلام کا حامی و مددگار اور فرنگیوں و تاتاریوں اور مشرکوں کی خلق کی ہڈی تھا، ذائقہ کا مدرسہ ظاہرہ اس کی یادگار ہے (ابن کثیر رحمہ اللہ و ص ۱۱۱)

الملک الظاہر ۵۵۷ھ میں بادشاہ ہوا۔ اور ۵۷۷ھ میں امیر بدر الدین خزانہ دار، قاضی القضاۃ صدر الدین سلیمان حنفی، فخر الدین اقمان، اور تاج الدین ابن الاثیر وغیرہ کو ساتھ لیکر حج کے لئے نکلا، تین سو ست زائد غلام اس کے ساتھ تھے، فوج بھی ساتھ تھی، کرک کے راستہ سے روانہ ہوا اور دہلی کے حالات کا معائنہ کر کے مدینہ حاضر ہوا، وہاں کے حالات کا جائزہ لینے اور اہل مدینہ پر احسان و انعام کرنے کے بعد مکہ آیا اور مجاورین کو مشابہ عیادت دے، احمد سبائی نے لکھا ہے کہ عالم مکہ ابو نعیم کو اس قدر تحفہ تحائف دے جس کا اندازہ مشکل ہے، بہت سے خاندانوں کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا، بدوی قبائل کو بھی اتنے بڑے بڑے عطیے دے کہ ان کی زندگی پر اس کا بہتر اثر پڑا۔ عرفات میں وقوف کے بعد طوائف افاضہ کے لئے مکہ آیا اور کعبہ کا دروازہ کھولا گیا تو اس نے گلاب سے اس کو غسل دیا اور اپنے ہاتھ سے خوشبوئیں لگا کر اس کو معطر کیا، پھر دروازہ پر

خود کھڑے ہو کر اندر جانے والوں کے ہاتھ پکڑ پکڑا ان کو اندر پہنچایا، اس سے فارغ ہو کر رمی
 جہرات (کنکری مارنے) کے لئے منی گیا، اس کے بعد پھر مدینہ حاضہ ہو کر روضہ اقدس کی دوبارہ
 زیارت کی، یہاں سے دمشق روانہ ہو کر ۲۹ رزی کچھ کو کرک پہنچا وہاں سے ایک آدمی کو دمشق
 بھیجا کہ وہاں جا کر خیریت کے ساتھ واپسی کی بشارت سنا دے، جس وقت نائب دمشق کو اطلاع
 ملی کہ قاصد بشارت لے کر آیا ہے تو وہ اشمہ کے باہر قاصد کا استقبال کرنے کے لئے نکلا۔
 جب باہر پہنچا تو دیکھتا ہے کہ سلطان خود بنفس نفیس موجود ہیں لوگوں کو سلطان کی اس حفاظتی
 و تیز رفتاری پر بڑا تعجب ہوا، بادشاہ نے یہ حکمت اس لئے کی تھی کہ حج سے واپسی پر ایسے شاہانہ
 استقبال فرمادے کہ تحائف کے تکلف کی نوبت نہ آئے اور یہ اس کی مستمر عادت تھی۔ بادشاہ
 یہاں سے حلب گئے اور وہاں سے مصر روانہ ہوئے تو مصری حجاج کا قافلہ اور بادشاہ کی سواری
 دونوں ساتھ ہی مصر میں داخل ہوئے۔

شاہ کے ساتھ ان کی بیگم بھی سفر حج میں ساتھ تھیں مگر وہ واپسی میں ساتھ نہیں ہوئیں بلکہ
 ہی میں اس سال رہ گئیں، بادشاہ کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی۔

شادین الملک المنظر لوسف

الملک المنصور عمر بن رسول کا لڑکا تھا۔ اس نے چالیس برس سے زیادہ حکومت کی
 اس کو علم سے اچھا خاصہ لگاؤ تھا اس نے محبت الدین بلبری سے حدیثیں سنی تھیں، علماء و علماء
 کا محب و معتقد تھا، شیخ ابوالغیث مینی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا اور شیخ نے اس کو
 حصول حکومت کی بشارت دی تھی، اس نے کعبہ کی چوکھٹ پر جہسائی کر کے اس گھر کے
 مالک کے حضور میں اپنی نیاز مندی و بندگی کا اعتراف بھی کیا تھا، محبت الدین بلبری محدث حرم کی
 طرف اس کے دل کا بہت میلان تھا، محبت الدین اکثر زمین جایا کرتے تھے، اور وہ ان کو
 ہر وقت بلایا کرتا تھا، مگر جب وہ حج کے لئے آیا تو صرف آنے کے وقت ان سے ملاقات
 کی پھر جب تک ایام حج گزر نہ گئے اس وقت تک اس نے ان کو نہیں بلایا ان کو اس سے
 انقباض ہوا اور اپنے پیر ابوالعباس مغربی سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ

توجہ کا اثر ہے میں نے ہی یہ چاہا کہ وہ تم کو بلا کر تمہاری جج کی مشغولیتوں میں خارج نہ ہو
اب وہ متوجہ ہوگا چنانچہ فوراً ملک مظفر نے ان کو بلایا اور انھوں نے ان تمام لوگوں کے حق
میں بادشاہ کے پاس سفارشیں کیں جو خواہش مند یا ضرورت مند تھے۔

ملک مظفر نے پانچ سو سواروں کے ساتھ جج کیا تھا، مظفر بہت ذہین تھا، ایک شخص نے
اس کو رقعہ لکھا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ میں آپ کا ایک بھائی
دروازہ پر کھڑا ہوں اور بیت المال سے اپنا حصہ چاہتا ہوں اس نے ایک درہم بھجوا دیا اور
یہ کہلا دیا کہ میرے مومن بھائی دنیا میں بے شمار ہیں مگر بیت المال کی رقم تقسیم
کی جائے گی تو ایک ایک درہم بھی حصہ میں نہ آئے گا۔

ایک دفعہ عدن کے امراء نے ایک رنگین اجتماع کرنا چاہا اور اس کے لئے ایک بڑی
مقدار میں شراب مشکوں میں مہیا کی گئی کسی طرح ولی کامل شیخ عبد اللہ کو (جن کا مزار
موزع میں ہے) اطلاع ہو گئی اور انھوں نے اپنی جماعت کے ذریعہ ساری شراب بھائی
امراء کو پیش آیا اور انھوں نے ملک مظفر کو لکھا، مظفر نے جواب میں لکھا کہ یہ کام یہ تو کسی
صالح کا ہو سکتا ہے یا کسی پاگل کا در میں ان میں سے کسی سے بات نہیں کر سکتا، مظفر کی
وفات ۶۹۳ھ میں ہوئی

مدير المالك الوزير الكامل ابن سلوس

اس کا نام محمد بن عثمان تھا۔ الملك الاشرف بادشاہ دمشق کا وزیر تھا۔ ابتداً
تاجر تھا، پھر دمشق کا محاسب ہو گیا اسی زمانہ میں ملک اشرف کو جو ابھی بادشاہ نہیں ہوا
تھا اس سے کام پڑا اور اس کو محسوس ہوا کہ اس میں انصاف اور سچائی ہے اس لئے
صاحب تخت ہونے کے بعد ملک اشرف نے اس کو اپنا وزیر مقرر کیا، اس وقت
ابن سلوس جج کے لئے گیا تھا وہیں اس کو دعوت نامہ ملا، قاضی القضاة شہاب الدین
خونی کے تذکرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ شمس الدین قاضی صاحب کی معیت میں ابن سلوس
بھی تھا، اس کی وفات ۶۹۳ھ میں ہوئی (ابن کثیر)

الحاج طبرس

یہ بھی وزیر اور الملک الظاہر بادشاہ دمشق کا خسر تھا نہایت دیندار و کثیر الصدقہ تھا دمشق میں ایک خانقاہ اس کی وقت کی ہوئی ہے۔ مسلمان قیدیوں کے رہائی میں بڑی رقم صرف کرتا تھا، کثرت حج کی وجہ الحاج کے لقب سے مشہور تھا ۶۹۷ھ میں وفات پائی (ابن کثیر)

الملك الناصر محمد بن قلاؤن

مصر و شام کا بڑا نامور اور فیروز بخت فرمان روا تھا ۶۹۷ھ میں وہ آخری دفعہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا، اس سے پہلے ایک دفعہ ۶۹۳ھ میں دوسری دفعہ ۶۹۵ھ میں اس کو سلطنت چھل ہوئی تھی مگر ارکان سلطنت کی باہمی آویزش اور توڑ جوڑ کی وجہ سے وہ دیر پا نہ ہوئی، صبح معنوں میں وہ تیسری ہی دفعہ بادشاہ ہوا، اس دور میں اس نے بہت سی جامع مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائیں اور اسی دور میں متعدد شہروں پر اس کا قبضہ ہوا، اسکی فیروز بختی تھی کہ اس کے دور میں کسی دشمن نے اس کے ملک پر حملہ نہیں کیا، نیز رعیت اسکی فرمانبردار تھی، وہ بڑا باہمیت اور امور سلطنت میں ماہر اور بیدار مغز تھا، اہل علم کا احترام کرتا تھا، اور ہر منصب کیلئے غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کے بعد جو اس کا زیادہ اہل ہوتا اسی کو منتخب کرتا تھا۔ اس نے غذائی اشیاء پر ٹیکس لینا بند کر دیا تھا۔

اس نے تاج و تخت کے حصول کے بعد تین حج کئے ایک ۷۱۲ھ میں دوسرا ۷۱۷ھ میں تیسرا ۷۲۲ھ میں، پہلا اور تیسرا حج اس نے مصر سے کیا تھا اور دوسرا دمشق سے ۷۱۷ھ میں امام یافعی نے بھی پہلے حج کیا تھا ان کا بیان ہے کہ میں نے سلطان کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا اس نے اوئی کپڑوں کا احرام باندھ رکھا تھا اور لنگڑا کر چلتا تھا، اس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں امراء کی ایک جماعت ہاتھ میں طہرے ہوئے طواف کر رہی تھی، طواف پورا کر کے سلطان نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نفل پڑھی، پھر عظیم میں جا کر نماز پڑھی اس کے بعد نجم الدین طبری قاضی مکہ اور رضی الدین طبری امام نماز اور حرم کے مدرس حدیث نے وہاں آکر سلطان سے ملاقات کی، میں نہیں کہہ سکتا کہ بلائے گئے تھے یا خود سے آئے تھے، یافعی کا

بیان ہے کہ سنہ ۷۲۲ھ میں سلطان کے ساتھ حماہ کے بادشاہ امیر عمار الدین نے بھی جج کیا، اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سنہ ۷۲۲ھ میں سلطان کے ساتھ قاضی القضاۃ جلال قرظی مصنف تلخیص الفتح، اور قاضی عز الدین بن جماعہ اور موفق الدین حنبلی اور شترامیروں نے جج کیا تھا، اور سنہ ۷۱۹ھ (ابن کثیر میں اسی طرح ہے مگر سنہ صحیح ہے) میں الملک الناصر کے ساتھ فخر الدین، ناظر الجیش، ابن الاثیر، کاتب السرا، اور قاضی القضاۃ ابن جماعہ اور خواص کی ایک بڑی تعداد جج کے لئے گئی تھی، سلطان کی وفات سنہ ۷۲۲ھ میں ہوئی۔

الملک المجاہد شاہ مین

علی بن داؤد بن یوسف نام تھا، الملک المویہ کا بیٹا اور الملک المنظر کا پوتا تھا، اور دولت رسولیہ مین کا چوتھا فرماں روا تھا، سنہ ۷۲۲ھ میں تخت نشین ہوا، اس نے بادشاہ ہونے کے بعد سنہ ۷۲۲ھ میں پہلا جج کیا، اس موقع پر کعبہ کا غلاف اور ایک دروازہ بھی تیار کر کے لے گیا، اور مکہ پہونچکر اس نے شاہانہ فیاضی کے خوب مظاہرے کئے پھر بھی میکوں نے اس کے غلاف اور دروازہ کو پذیرائی کا شرف حاصل نہ ہونے دیا اس کے بعد اس نے سنہ ۷۲۲ھ میں جج کیا، اس موقع پر اس نے اپنا محل مصریوں کے محل سے آگے بڑھا دیا اس پر لڑائی پھڑپھڑ گئی، اور مینی فوج کو مصریوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور مجاہد کو گرفتار کر کے مصریوں نے قاہرہ پہونچا دیا الملک الناصر اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا اور اس کو خلعت و بکرمین روانہ کیا مگر اس کے ساتھ اپنے ایک امیر قشمر منصوری کو بھی لگا دیا، مجاہد مینج پہونچکر بھاگ نکلا مگر پھر پکڑ گیا اور اب کی دفعہ اس کو مصر سے کرک بھیج کر قید خانہ میں ڈال دیا گیا جب الناصر حسن مصر و شام کا فرمان روا ہوا تو اس نے سنہ ۷۵۶ھ میں اسکی رہائی کا حکم دیا اور وہ مین پہونچکر بدستور سابق آخر دم تک وہاں کا صاحب تخت و تاج رہا اس کی وفات سنہ ۷۶۳ھ یا سنہ ۷۶۴ھ میں ہوئی (در)

صدر الاکابر فخر الدین ناظر الجیش

محمد بن فضل نام تھا اصلاً وہ قبطی تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد مخلص اور پختہ مسلمان

ثابت ہوا وہ مصری فوج کا افسر اور حکومت کے ارکان میں اس کا مقام بہت اونچا اور گویا وزیر اعلیٰ تھا، اہل علم کا بڑا محسن تھا، اس کی متعدد جائدادیں کارِ خیر اور فقرار و محتاجین کی نفع رسانی کیلئے وقف تھیں، یافعی کا بیان ہے کہ میں نے ہمیشہ خود دیکھا ہے کہ وہ قاضی مکہ نجم الدین طبری کو ساتھ لیکر ایک ایک صاحب خیر و صلاح مجاور کے پاس جاتا تھا اور انکو مسجد حرم میں اشرافیاں تقسیم کرتا تھا قاضی نجم الدین کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی تو وہ اس کو میرے پاس بھی لائے تھے ۸۲۳ھ میں وہ الملک الناصر کے سفر حج میں ساتھ تھا، اور ۸۲۳ھ میں بھی اس نے حج کیا تھا، (ابن کثیر) اس کی وفات ۸۲۳ھ میں ہوئی (ابن کثیر دیا فی)

طفائے خاتون

الملک الناصر کی حرم تھی، سلطان کے وزیر نے نوے ہزار درہم میں خرید کر اس کو شاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا، سلطان اس کا ایسا ولد ادہ تھا کہ مرتے دم تک اس سے یکساں محبت کرتا رہا، ۸۲۱ھ میں جب اس کے بطن سے ناصر کا لڑکا آنکٹ پیدا ہوا تو ناصر کو بے انتہا مسرت ہوئی، اسی موقع پر طوائف خاتون نے شاہ سے حج کی اجازت طلب کی، اس نے خوشی سے اجازت دی اور اس ساز و سامان سے اس کو روانہ کیا کہ مدتوں اس کا چرچا رہا، مکہ میں گیہوں کی در آمد پر جو کٹم لگتا تھا شاہ نے اسی خاتون کے کہنے سے اس کو موقوف کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس نے اس شان کا حج کیا تھا کہ دوسرے کسی بادشاہ کی حرم یا ملکہ نے اس شان کا حج نہیں کیا نہ کسی نے اتنا خرچ کیا جو اس نے اپنے حج میں خرچ کیا۔ اس نے ایک ہزار لونڈیوں کو آزاد کیا تھا، اس کی وفات ۸۲۹ھ میں ہوئی (در)

خاتمہ مشتمل برحمت فوائد

(۱) پہلی جلد میں آپ باردون رشید کے حج کے واقعات پڑھ چکے ہیں اس کے حج کے سلسلہ میں اس واقعہ کا ذکر بھی بہت ضروری معلوم ہوتا ہے جو نجوم زاہرہ میں مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ، —
باردون رشید نے سنتہ میں جو حج کیا تھا، وہ پیادہ پانچ تھا، پیدل چلنے کے لئے ایک منزل سے دوسری منزل تک اس کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا۔ اور پیدل حج کرنے کا سبب یہ تھا کہ اس کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی، اور آنحضرت نے اس سے فرمایا کہ اب فطانت و حکومت تمہارے حصہ میں آنے والی ہے، لہذا تم پیدل حج کرنا۔ کفار سے جہاد کرنا۔ اور اہل حریمین پر خوب خرچ کرنا، کہ ان کی عسرت دور ہو، اس نے تعمیل ارشاد کے لئے، پیادہ پانچ کیا، اور حریمین میں خوب دل کھول کر خرچ کیا، باردون کے سوا کسی فلیفہ نے اس کے پہلے اور نہ اس کے بعد پیدل حج کیا، یہ دولت صرف اس کے ہاتھ آئی (نوم، بابہ مشہور)

(۲) بکیر بن عقیق نے ساٹھ حج کئے تھے (تہذیب التہذیب ص ۴۹۴)
حسن بن یزید مکی (ساکن کونہ) روزانہ ستر طواف کرتے تھے، اور اسی کثرت سے طواف و عبادت کی وجہ سے ان کا لقب قوی اور طواف پڑ گیا تھا، (تہذیب ص ۴۹۴)
سعید بن سلیمان ضبی نے بھی ساٹھ حج کئے (تہذیب ص ۴۹۴)
شعیب بن میمون واسطی نے پینسٹھ حج کئے تھے،

ابن وہب کا بیان ہے کہ میں نے جب ۱۴۰ھ میں حج کیا تھا تو ایک شخص جنج جنج کر کہہ رہا تھا کہ سوائے امام مالک اور عبدالعزیز ماجشون کے کسی اور کے لئے خانہ کعبہ کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ (تہذیب ص ۴۹۴)

ابو عثمان مہدی نے مکہ کے ثلثہ سفر کئے، کوئی سفر حج کا اور کوئی سفر عمرہ کا تھا۔

(تہذیب ص ۴۹۴)

عبدالرحمن بن ابی نعم بجلی، پیشگی احرام باندھ کر سال بھر محرم رہتے تھے (تہذیب ص ۴۹۴)
علی بن یونس کوئی ایک سال جہاد میں شریک ہوتے تھے اور ایک سال حج کرتے تھے۔

علی بن المنذر کا بیان ہے کہ میں نے ۵۸ حج کئے ہیں اور اکثر پیوں حج کئے ہیں (تہذیب منہج)

عمارہ بن زاذان میدلانی نے، ۵۸ حج کئے تھے (تہذیب منہج)

محمد بن عبد اللہ بن یحییٰ مکی نے شتر حج کئے تھے (تہذیب منہج)

محمد بن عبد الجبار (سند ذالقب) نے چالیس سے زائد حج کئے تھے اور ۵۸ غزوات میں شرکت کی تھی بغداد جانے کے ارادہ سے وہ سوار ہونے لگے تو ابن معین نے ان کی رکاب تنہا کسی نے اعتراض کیا تو جواب دیا کہ جس آدمی کو میں جب دیکھتا ہوں تو طلب علم کے لئے سفر کرتا ہوں اگر کسی غزوہ سے آتا ہوں یا حج سے واپس ہوتا ہوں دیکھتا ہوں اس کے ساتھ یہ بڑا ذمہ کروں (تہذیب منہج)

ابن ابی عمر عدنی حافظ نزل مکہ کا بیان ہے کہ میں نے ۷۰ حج پیادہ پا کئے ہیں (تہذیب منہج)

مثنیٰ بن الصباح کے بارے میں امام عبد الرزاق کا بیان ہے کہ میں نے ان کو بہت ہی سن رسیدہ پایا تھا مگر اس وقت بھی وہ دو آدمیوں کے بیچ میں رات بھر طواف کرتے تھے (تہذیب منہج)

عبد الرزاق کے والد کا بیان ہے کہ ستلہ میں اکثر فقہائے عالم نے حج کیا تھا انہیں وہب بن منبہ کے علاوہ حضرت حسن بصری، و عطار بن ابی رباح بھی تھے۔

امام وکیع نے ۱۹۲ حج کیا، اس سال دوسرے بہت سے اہل مدینہ نے حج کیا تھا، جیسے عبد الرزاق، ابواسامہ اور عبید اللہ بن موسیٰ، اس سال ان سب حضرات کے درسِ تحدیث کے حلقے مسجد حرام میں قائم تھے، ان میں وکیع سب سے زیادہ مقبول و کامیاب تھے (تہذیب منہج)

ابو حوانہ حفاکہ حدیث میں مشہور حافظ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں وہ اپنے

سفر حج کا ایک لطیفہ آقا زید بن عطار کی نفاقت میں حج کو گئے ہوئے تھے اور ابھی آزاد نہیں گئے تھے اتفاق سے ایک دن زید کے پاس ایک سائل نے سوال کیا زید نے واپس کر دیا تو وہ ابو حوانہ کے پاس آیا انہوں نے اس کو ایک دینار دیدیا، جب صبح کو مزدلفہ سے مٹی آنے لگے تو سائل اس شاہ راہ پر جس کو بکثرت حجاج گذر رہے تھے کھڑا ہو گیا اور ہر ایک قافلہ سے یہ کہنے لگا کہ جاؤ زید کا شکر یہ ادا کرو اور مبارکباد دو انہوں نے ابو حوانہ کو آزاد کر دیا ہے یہ سننا تھا کہ لوگ جوق در جوق مبارکباد دینے کے لئے آئے لگے یہ برابر انکار کرتے رہے مگر انکار کا کوئی فائدہ نہ تھا آخر عاجز آکر انہوں نے کہا کہ اس فوج کو کون ٹوٹا سکتا ہے،

جاؤ تم آزاد ہو۔ (تہذیب منہج)

فہرست

اسماء گرامی	اسماء گرامی	اسماء گرامی	اسماء گرامی
حضرت حسن بصری ع	حضرت ابو بکر محمد بن زید	حضرت قاضی ابو بکر محمد بن زید	حضرت ابن مند
ابو الحسن بن علی	ابو الحسن بن علی	ابو الحسن بن علی	ابو الحسن بن علی
امام زبیری	امام زبیری	امام زبیری	امام زبیری
مسلم بن عبد الملک	مسلم بن عبد الملک	مسلم بن عبد الملک	مسلم بن عبد الملک
ابو عثمان نهمی	ابو عثمان نهمی	ابو عثمان نهمی	ابو عثمان نهمی
امیر عبد الوهاب بن قنبر	امیر عبد الوهاب بن قنبر	امیر عبد الوهاب بن قنبر	امیر عبد الوهاب بن قنبر
امیر عبد الله ابو یحییٰ جلال	امیر عبد الله ابو یحییٰ جلال	امیر عبد الله ابو یحییٰ جلال	امیر عبد الله ابو یحییٰ جلال
محمد بن عبد کبار (سند)	محمد بن عبد کبار (سند)	محمد بن عبد کبار (سند)	محمد بن عبد کبار (سند)
حافظ ابو القاسم بن زید	حافظ ابو القاسم بن زید	حافظ ابو القاسم بن زید	حافظ ابو القاسم بن زید
ابو بکر ادوی محمد بن عبد الله	ابو بکر ادوی محمد بن عبد الله	ابو بکر ادوی محمد بن عبد الله	ابو بکر ادوی محمد بن عبد الله
حسن بن حبیبی	حسن بن حبیبی	حسن بن حبیبی	حسن بن حبیبی
علی بن المثنیٰ ابو بکر بن المثنیٰ	علی بن المثنیٰ ابو بکر بن المثنیٰ	علی بن المثنیٰ ابو بکر بن المثنیٰ	علی بن المثنیٰ ابو بکر بن المثنیٰ
امام حاکم صاحب سند رک	امام حاکم صاحب سند رک	امام حاکم صاحب سند رک	امام حاکم صاحب سند رک
ابو العباس بن سنی	ابو العباس بن سنی	ابو العباس بن سنی	ابو العباس بن سنی
دعبل بن احمد سجستانی	دعبل بن احمد سجستانی	دعبل بن احمد سجستانی	دعبل بن احمد سجستانی
بدر بن حسنویه	بدر بن حسنویه	بدر بن حسنویه	بدر بن حسنویه
ابو عبد الله اشتر مغرل	ابو عبد الله اشتر مغرل	ابو عبد الله اشتر مغرل	ابو عبد الله اشتر مغرل
محمد بن اسحاق بن راجیه	محمد بن اسحاق بن راجیه	محمد بن اسحاق بن راجیه	محمد بن اسحاق بن راجیه
ابو محمد جریری	ابو محمد جریری	ابو محمد جریری	ابو محمد جریری
ابو جعفر محمد بن زبیری	ابو جعفر محمد بن زبیری	ابو جعفر محمد بن زبیری	ابو جعفر محمد بن زبیری
ابو محمد بن الشری	ابو محمد بن الشری	ابو محمد بن الشری	ابو محمد بن الشری
ابو علی بن ابی بریه شافعی	ابو علی بن ابی بریه شافعی	ابو علی بن ابی بریه شافعی	ابو علی بن ابی بریه شافعی
علی بن حبیبی وزیر مقصد	علی بن حبیبی وزیر مقصد	علی بن حبیبی وزیر مقصد	علی بن حبیبی وزیر مقصد
محمد بن عبد الله بن دینار	محمد بن عبد الله بن دینار	محمد بن عبد الله بن دینار	محمد بن عبد الله بن دینار
ابو القاسم زبیری	ابو القاسم زبیری	ابو القاسم زبیری	ابو القاسم زبیری
محمد بن ابی اسحاق ابو زبیری	محمد بن ابی اسحاق ابو زبیری	محمد بن ابی اسحاق ابو زبیری	محمد بن ابی اسحاق ابو زبیری
حافظ ابو اسحق بن زبیری	حافظ ابو اسحق بن زبیری	حافظ ابو اسحق بن زبیری	حافظ ابو اسحق بن زبیری
ابو اکسین سمنانی	ابو اکسین سمنانی	ابو اکسین سمنانی	ابو اکسین سمنانی

اسماء گزای صفو	اسماء گزای صفو	اسماء گزای صفو	اسماء گزای صفو
حضرت قاضی ابوالعلاء	حضرت ابن شاد طوسی	حضرت شیخ الاسلام تاج القضاة	حضرت شیخ الاسلام بن ادریس
صاحب بن سیار هروی	ابوالعین ابن عساکر	حاتم بن محمد بن ابی بن دین العبد	ابن زکاک
جعفر بن محمد بن آموسان	قطب الدین ابن	ابو طیب محمد بن طرف اندلیسی	شیخ الصوفی کبیر العلماء
ابو موسیٰ جزولی	احمد بن یسین مغربی	ابو طیب محمد بن طرف اندلیسی	عقیدت الدین یاغی
ابو شجاع زاهر بن رستم	ابو الفضل بن دمی الدین	ابو طیب محمد بن طرف اندلیسی	علاء شمس الدین ابن الفیض
ناصر بن ابی الحارث طبریزی	حسن صفائی لاهیجی	ابو طیب محمد بن طرف اندلیسی	علاء شمس الدین زبیری
فخر الدین ابن تیمیه	نقیه بن ولی کبیر	قاضی احمد بن محمد بن عبد بن دین	قاضی القضاة بن محمد
ابو الطوفان عبد الله و دلال	عارف بالله بن دین	قاضی احمد بن محمد بن عبد بن دین	قاضی القضاة بن محمد
شیخ نصر بن ابی الفرج	نقیه الشام شیخ الاسلام	علاء شمس الدین ابن الفیض	علاء شمس الدین طائی
امام ابو محمد بن شمس بن دین	تاج الدین فزازی	علاء شمس الدین ابن الفیض	سلیمان بن سید شمس
ناصر بن شیخ نجم الدین کبری	علی بن ابراهیم بلیغی	علاء شمس الدین ابن الفیض	قاضی القضاة شمس الدین
شیخ الاسلام موفق الدین	قاضی القضاة شهاب الدین	علاء شمس الدین ابن الفیض	بن ابن العرجانی
عبد الله بن جلیل	ابن الخوی	علاء شمس الدین ابن الفیض	ابو جعفر واری
سید محمد بن دین تاج الوفا	شیخ الاسلام ابو الفرج	علاء شمس الدین ابن الفیض	سلیمان بن عسکری
شیخ شهاب الدین سهروردی	ابن قدامه مقدسی	علاء شمس الدین ابن الفیض	علاء شمس الدین بن محمد بن خلیف
شیخ عبد الله بن دین	امام طاهر بن محمد بن خلیف	علاء شمس الدین ابن الفیض	رضی الدین بن خلیف
شیخ اکبر بن دین بن حرلی	فخر بن بلیک	علاء شمس الدین ابن الفیض	فخر الدین
ابو العباس قطائی مالکی	شیخ سعدی طبریزی	علاء شمس الدین ابن الفیض	فخر مصری
شیخ الاسلام تاج و دین شام	سید طاهر بن دین	علاء شمس الدین ابن الفیض	امام طاهر بن محمد بن خلیف
شیخ تاج الدین ابن الصلاح	ابو الحسن شاذلی قدس	علاء شمس الدین ابن الفیض	قاضی شرف الدین بن دین
امام الیمین شیخ اسماعیل بن محمد	علاء شمس الدین ابن الفیض	علاء شمس الدین ابن الفیض	قاضی القضاة الاسلام
بن اسماعیل حضری	عارف بالله بن دین	علاء شمس الدین ابن الفیض	جلال الدین رومی
شیخ شرف الدین مرکی	امام العزیز بن دین	علاء شمس الدین ابن الفیض	فخر الدین بلیک
شیخ الاسلام امام نووی	حاتم بن زینب	علاء شمس الدین ابن الفیض	شمس الدین عارف مرکی
عثمان بن موسیٰ طائی اربلی	امیر اسحاق ابن السقاری	علاء شمس الدین ابن الفیض	قاضی القضاة شمس الدین
عارف بالله بن دین	شیخ جلال الدین تبریزی	علاء شمس الدین ابن الفیض	بن ابهریری
قاضی القضاة سعد الدین	مولانا محمد الدین حاجی	علاء شمس الدین ابن الفیض	قاضی القضاة نجم الدین بن محمد
سلیمان ادریسی	علاء شمس الدین ابن الفیض	علاء شمس الدین ابن الفیض	علاء شمس الدین ابن الفیض
عز الدین ابن قائم و اعفا	امین الدین محمد بن	علاء شمس الدین ابن الفیض	امام ناصر الدین بن ابی
و حافظ ابن نقطه	علاء شمس الدین ابن الفیض	علاء شمس الدین ابن الفیض	شرف الدین ابی

اسماء گرامی صفحہ	اسماء گرامی صفحہ	اسماء گرامی صفحہ	اسماء گرامی صفحہ
صاحب کرامات ظاہرہ	حضرت امام جوادین عینی	شیخ عابدی عبدالباقی بخاری	مفتی ولی اللہ شاہ آزاد آبادی
عارف باللہ محمد سرشدی	شارح بخاری	شیخ عبدالحی گنگوہی	حضرت شاہ ولی اللہ شاہ دہلوی
ابو عبد اللہ ابن مرزوق	شیخ الاسلام سید الدین درویشی	شیخ جمال	شاہ عبدالحی بیدری
عجیبی تلسانی	شیخ حسین بن فریحی بہاری	شیخ رفیع الدین صفوی	مفتی سعد مراد آبادی
بہادر الدین سبکی	شیخ امین الدین بکھنوی	سید میر عبد اللہ اول جوہری	حاجی احمد اللہ شاہ مبارک
شیخ حسام الدین طسانی	شیخ احمد کھنوی	حضرت علی متقی صاحب اکثر اعمال	مولانا عبدالحی بکھنوی
مولانا فرید الدین ندادی	مولانا عبد الرحمن جانی	میاں شیخ طاہر پٹنی	مولانا محمد طاہر مولانا شاہ
راغز دوم جانیان جان گشت	سید محمد شاہ تیک	شیخ رحمت اللہ سندھی	غلام حسن من خان
ابو البرکات امین بن محمد	مفتی نور الدین محمد الدین سمبوی	شیخ عبد الوہاب متقی	مولانا شیخ احمد گنگوہی
دقاقی القضا ابو الیاس	حافظ شمس الدین سنہادی	شیخ عبد الوہاب متقی	وزیر اللہ بیٹوی
شمس الدین سیدی حنفی	سیدی علی ابن میمون	شیخ ابراہیم محدث اکبر آبادی	نضر اللہ خان جوی
سید محمد شاہ نقشبندی خواجہ	سیدی محمد بن عراق	شیخ صبیح اللہ بروہی	عبد رفیق علی گنجی خانی
بزرگ خورشید بہادر الدین نقشبندی	امام السلطان ابن الکرکی حنفی	شیخ (بابا) محمد بریلوی	محمد احسن نالوتی
	حافظ قطب الدین قسطلانی	شیخ محمد بن فضل اللہ	مولوی ابو البرکات ابن
	شارح بخاری	جوہری ثمیر پانچوری	مولوی امام بہاری
علامہ برہان الدین انبیا	فاطمہ بنت یوسف تادی جلی	شیخ محدث عبدالحق دہلوی	مفتی قنبر علی رئیس بھٹو علی گڑھ
ابن سکر محدث حنفی	امیر ابن اجا محدث حنفی	شیخ آدم بنوری	راجہ علی خان رئیس باسودہ
مسند الدین ابراہیم بن	علامہ عبدالحق سنہالی	شیخ ابوتراب گجراتی	حضرت مولانا خلیل احمد
محمد بن صدیق رسام	مبارک بن عبد اللہ حبشی حنفی		چودھویں صدی
ابو البرکات بن خورشید استاد بخاری	علامہ علاء الدین رومی حنفی	حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی	مولوی محمد لطیف بھٹو شہری
علامہ برہان بقای	سراج الدین عبادی	حاجی صفت اللہ محدث خیر آبادی	علیم اللہ مرحوم جدہ
حافظ وزیر الدین عراقی	شیخ عبد اللطیف جانی	شاہ ابوسعید بریلوی	مرزا عرفان علی بیگ
استاذ ابن حجر	امام ابوالحسن بخاری	شاہ محمد عاشق بھٹو	گوندوی
قطر سراج الدین بلقیس شافعی	سید قطب الدین صفوی اہل	شیخ محمد فاخر زار آبادی	کریم شاد بیگ خان
ابن المقفع شافعی	شیخ ابن حجر	شیخ محمد عابد سنہالی	استاذ مرحوم حضرت
مفتی نقیب محمد ابن سبکی حنفی	شیخ عبد الوہاب شوافی	شیخ نور الدین گجراتی	مولانا عبد الغفار ستوی
شیخ ابن بزرگ صاحبین	خلیب شہرینی	شیخ ابوالحسن سندھی کبیر	مولانا محی الدین سینہ درگاہ
محمد الدین فرید آبادی صاحبین	استاذ علم محمد بن ابوالحسن بخاری	سید احمد شہید بریلوی	مولانا محمد اعظم فریحی علی
خواجہ یار سائیں سترہ	شیخ احمد بن محمد بنوری	مولانا ولی اللہ سیدتی	خلیب قادر آباد شاہ
شیخ ابن محمد بن حمزہ خانی	شیخ قطب الدین بنوری حنفی	مولانا محمد صلیب خیر آبادی	مولانا ابوالحسن عراقی ستوی
شیخ کمالی بن ابی القاسم صاحبین	شیخ علم الدین حاجی	حاجی رفیع الدین مراد آبادی	مولانا عاشق اہلی میرٹھی

اسماء گرامی	صفحہ	اسماء گرامی	صفحہ	اسماء گرامی	صفحہ
ابوالقاسم نظامہرذوالتائب	۲۸۹	العتقاد بایم حاکم دمشق	۲۹۸	طغائے خاتون	۳۰۷
امیر خنفل ترکی	"	شاہزادہ الملک الجاہد نس	۲۹۹	خاترہ مشتعل برچند نوازہ	۳۰۸
امیر خوار تکلیں حسنا	۲۹۰	خلیفہ عباسی الحاکم بامر اللہ	"	بکیر بن متین	"
امیر الحاج قطز بن عبداللہ غام	"	ادرا میر خضر	"	حسن بن یزید مکی	"
امیر الحاج تیمار ارجانی	۲۹۱	الحاج عبداللہ بن اذمر	۳۰۰	سعید بن سلیمان ضبی	"
امیر فرش کیر	"	امیر کیر بدر اللہ بن بکتوت	"	شعیب بن میمون حاسلی	"
اسد اللہ بن شیر کوہ	"	امیر سیف الدین سلا	"	ابن دہب	"
علی کوچک	۲۹۲	شمس الدین دوباج بن ملک شاہ	"	ابو عثمان مہندی	"
جمال موصلی	"	رحیم شام العاصب حمزہ بن اسد	۳۰۱	عبد الرحمن بن ابی نعمت مکی	"
امیر شمس الدین محمد بن عبد الملک	۲۹۳	بادشاہ غلام شہاب الدین غازی	۳۰۱	عیسٰ بن یونس کوفی	"
امیر حسام الدین محمد بن عمر	۲۹۴	حامی اسلام الملک الظاہر	"	علی بن النذر	۳۰۹
ادریس الشام بنت ایوب		شاہ مین الملک الظفر یوسف	۳۰۳	غلامہ بن زاذان میدلانی	"
نصر اللہ بن الفاضل	۲۹۵	میر الممالک الوزير الکامل بن سلوس	۳۰۴	محمد بن عبداللہ البکینی مکی	"
امیر طاشکین مستعبدی	"	الحاج طبریس	۳۰۵	ابن ابی عمر عدنی	"
شاہ طلب الملک الظافر	"	الملک الناصر محمد بن قلاؤن	"	ششی بن العصاب	"
الملک العظم عیسٰ شاہ دمشق	۲۹۶	الملک الجاہد شاہ مین	۳۰۶	عبد الزقاق امام کیت	"
شاہ مین الملک السعود	۲۹۸	صدر الکابر فیروز الدین ناصر البغیش	"	سفر ج کا ایک لطیفہ	"

زہد و حجاج

از محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن الاعظمی

سفر ج میں جانے والے حضرات کا بہترین رفیق اور علم و حج کے ضروری مسائل کا معتبر مجموعہ، ہر حاجی کیلئے اس رسالہ کو سفر ج میں ساتھ رکھنا بحد مفید اور کارآمد ہے۔ قیمت ۱/۵۰

علمی، تاریخی، تحقیقی کتابیں

اعیان المحتاج حوالہ
از محدث جلیل علامہ حبیب الرحمن الاعظمی
چوتھی صدی تک کے اکابر امت اور شاہان اسلام
کے حج کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات، اور ان کی
زندگی کے پاکیزہ حالات، اور انہیں اقوال کا دل گداز
مجموعہ، مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے مقدمہ کیساتھ۔

قیمت ۱۔ ۹/۰۰

اسلامی حکومت کے نقش و نگار
از مولانا مفتی ظفر الدین مفتی ساجی
تاریخ اسلام کے مبارک اور ندریں جہد کے
عدل و مساوات کی سبق آموز جھلکیاں
اس مسودہ دور کے بے مثال کارنامے اور
بلند کرداری کے اعلیٰ نمونے۔

قیمت ۱۔ ۴/۰۰

وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
از مولانا سراج الحق مچھلی شہری
مصنف نے اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے مرض و وفات کے تیرہ دن حالات و واقعات
تاریخ کی روشنی میں فلسفہ نفسیات و عمرانیات کا
لہذا نظر رکھتے ہوئے درج فرمائے ہیں، اور اس
سلسلہ کی مستند روایات کو مرتب فرما کر ہر روایت
کی تشریح بھی کی ہے، اس طرح نظریہ خلافت کے
من میں ایسے دلائل فراہم ہو گئے ہیں، جو اہل سنت
و جماعت کے نقطہ نظر کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔

قیمت ۱۔ ۲/۵۰

اہل بیت اور اہل سنت
از مولانا سراج الحق مچھلی شہری
ایک فکر آفریں کتاب جس میں اسلامی تاریخ کے مشہور
لفظ "اہل بیت پر قرآن، حدیث، لغت عرب سے
ایک نہایت پیر حاصل، محققانہ اور بصیرت افروز
بحث کرتے ہوئے، مصنف نے اس کتاب میں عقلی
و نقل کی روشنی میں لفظ "اہل بیت" کا حقیقی مفہوم
 واضح فرمایا ہے۔ اس موضوع پر اس کتاب کو
حرف آخر کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

قیمت

۲/۵۰

ناظم - مفتاحی اکیڈمی پٹھان ٹولہ مسو، اعظم گڑھ